بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اردو ترجمہ)

صفحات فی علوم القراءات

مصنف علّام

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالقیوم سندھی دامت برکاتہم العالیہ

اردو ترجمہ زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شیخ القراء عبدالملک صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مترجم

مبارک شاہ چترالی

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

فصلِ اوّل

قراء ات کی تعریف اور تاریخ

☆☆......پہلی بحث: قراآت کی تعریف اوران کی تاریخ.

☆☆......دوسری بحث: قراآت کی ابتداء اور ارتقاء.

☆☆......تیسری بحث: قراآتِ صحیحہ کے ارکان وشرائط.

☆☆......چوتھی بحث: قراآتِ شاذّۃ.

☆☆......پانچویں بحث: حدیث ''أنزل القران علی سبعة أحرف'' کے بارے میں کچھ کلام.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بحث

قرآت کی تعریف اور ان کی تاریخ

☆......قرآت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف.

☆......علمِ قرآت کا موضوع.

☆......قرآت کے بعض اصطلاحات کی وضاحت.

☆......قرآت کا قرآن مجید کے ساتھ ربط و تعلق.

☆......قرآتِ عشرہ کا احرفِ سبعہ کے ساتھ ربط و تعلق.

☆......علمِ قرآت کی فضیلت.

☆☆☆☆☆

قرآت کی لغوی تعریف:

قرآت، قراءۃ کی جمع ہے، اور لفظِ قراءۃ مصدر ہے، قرأ فعل کا، اور یہ مصدر قراءۃ، اور قرانا دونوں طرح استعمال ہوا ہے، اور یہ تلا تلاوۃ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ورنہ اس کے حقیقی معنی "الجمع و الضم" کے آتے ہیں یعنی جمع کرنا اور ملانا، چنانچہ عرب کا یہ مشہور مقولہ بھی اسی قبیل سے ہے: "ماقرأت هذه الناقة جنينا قط" یعنی اس اونٹنی کی بچہ دانی کبھی بچہ والی نہیں ہوئی۔ اور قرآن کریم کو بھی قرآن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ آیات اور سورتوں کا جامع ہے، اور ان کو آپس میں ملانے والا ہے۔

قرآت کی اصطلاحی تعریف:

قراء کرام نے قراءات کی متعدد تعریفیں کی ہیں، لیکن ان میں سے سب سے بہترین اور جامع مانع تعریف امام جزری رحمہ اللہ تعالی کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"علم بكيفية أداء كلمات القرآن واختلافها معزوا لناقله"

ترجمہ: ''علم القراآت کلماتِ قرآنیہ کی ادائیگی کی کیفیت اور ناقل کی طرف منسوب کرنے کے ساتھ ان کے اختلاف کے جاننے کا نام ہے۔''

جبکہ شیخ عبدالفتاح عبدالغنی القاضی رحمہ اللہ تعالی نے علم القراآت کی جو تعریف کی ہے اس کا حاصل یہ ہے:

"هو علم يُعرف به كيفية النطق بالكلمات القرآنية، وطريق أدائها اتفاقًا واختلافًا مع عزو كل وجه لناقله"

ترجمہ: ''علم القراآت اس علم کا نام ہے جس سے قرآنی کلمات کے تلفظ و نطق کی کیفیت اور ان کی ادا (یعنی حذف وغیرہ) میں قرآن مجید کے ناقلین کا (وہ) اتفاق واختلاف معلوم ہو (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہونے کی بناء پر ہو، ذاتی رائے پر مبنی نہ ہو) اور اس اختلافی واتفاقی وجہ کو اس کے ناقل کی طرف منسوب بھی کیا جائے۔''

قراآت چونکہ منقولی چیز ہے جیسا کہ یہی بات اکثر صحابہ کرام سے منقول ہے، اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ قرآن کریم کی انہی الفاظ کو قراآت قرار دیا جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوۃ یا تقریرا نقل کیا گیا ہو۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو خود ان کی تلاوت فرمائی ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے تلاوت کی ہو اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا ہو۔)

موضوع علم القراآت:

علم قراآت کا موضوع ان کلمات قرآنیہ کے اصولی اور فرشی اختلافات کا تلفظ اور کیفیت ادا کا پڑھنا پڑھانا ہے جو ائمہ قراآت سے منقول ہوں اور سند صحیح اور متواتر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں۔

علم القراآت میں بکثرت استعمال ہونے والی کچھ اصطلاحات کی وضاحت

مثلاً: قراءت، روایت، طریق، وجہ، اصول، فرش۔ یہ کلمات علم القراآت میں استعمال ہونے والی اصطلاحی کلمات ہیں، آئندہ صفحات میں ہم ان اصطلاحات کا تعارف پیش کریں گے تاکہ ان کی مراد واضح ہو جائے اور ان کے درمیان فرق ظاہر و باہر ہو جائے۔

القراءۃ: قراءت کا ہر وہ اختلاف جو ائمہ قراآت میں سے کسی امام کی طرف منسوب ہو، اور اس کلمے کو تمام راویوں نے ایک ہی طرح نقل کیا ہو، جیسے: سورۂ فاتحہ میں کلمہ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' دو قراءتیں ہیں:

۱۔ مَلك يوم الدين ، یعنی حذف الف کے ساتھ، یہ امام ابوجعفر، امام نافع، امام ابن کثیر، امام ابوعمرو، امام ابن

عامر، اور امام حمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

۲۔ مٰلك يوم الدين، یعنی اثبات الف کے ساتھ، یہ امام عاصم، امام کسائی، امام یعقوب اور امام خلف رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے، ان مذکور ائمہ کے راویوں کا اس کلمہ کے نقل کرنے میں آپس میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔ پس اسی وجہ سے قراءت ان راویوں کے شیوخ کی طرف منسوب ہوتی ہے، اور اس اختلافِ مذکور کو قراءت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: قراءتِ امام نافعؒ، قراءتِ امام عاصمؒ وغیرہ۔

الرواية: قراءت کا ہر وہ اختلاف جو ائمہ قراآت میں سے کسی امام کے راوی کی طرف منسوب ہو، روایت کہلاتا ہے، خواہ یہ راوی براہ راست اس امام کا شاگرد ہو یا بالواسطہ شاگرد ہو۔ جیسے: سیدنا دوریؒ کی روایت امام ابوعمروؒ سے امام یحییٰ یزیدیؒ کے واسطے سے ہے، کیونکہ سیدنا دوریؒ، امام یحییٰ یزیدیؒ کے شاگرد ہیں، انہوں نے براہ راست امام ابوعمرو بصریؒ سے قراءت حاصل نہیں کی اور امام یحییٰ یزیدیؒ امام ابوعمرو بصریؒ کے شاگرد ہیں لیکن سیدنا دوریؒ کی شہرت امام ابوعمرو بصریؒ کے راوی کے طور پر ہے، جبکہ سیدنا قالونؒ اور سیدنا ورشؒ کی روایت امام نافعؒ سے اور اسی طرح سیدنا شعبہؒ اور سیدنا حفصؒ کی روایت امام عاصمؒ سے براہ راست ہے، کیونکہ ان حضرات نے اپنے شیخ سے براہ راست قراءت اخذ کی ہے اور شرف تلمذ حاصل کی ہے۔ چنانچہ ہر وہ اختلاف جو امام سے اخذ کرنے والے کی طرف منسوب ہو خواہ واسطہ سے ہی کیوں نہ ہو، اسے روایت کہا جاتا ہے۔ جیسے کلمہ ''الصِّرٰط'' جہاں کہیں آئے، تو یہ امام ابن کثیرؒ سے سیدنا قنبلؒ کی روایت میں اور امام یعقوبؒ سے سیدنا رویسؒ کی روایت میں خالص سین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اور امام حمزہؒ سے سیدنا خلفؒ کی روایت میں ہر جگہ اور اسی طرح سیدنا خلادؒ کی روایت میں صرف سورۂ فاتحہ میں پہلی جگہ اشمام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور باقی حضرات ہر جگہ اس کلمہ کو خالص صاد سے پڑھتے ہیں۔

الطريق: قراءت کا ہر وہ اختلاف جو راوی کے شاگرد کی طرف منسوب ہو، اگر چہ وہ شاگرد کتنے ہی واسطوں سے ہو، طریق کہلاتا ہے۔ جیسے: روایت ورش کے لیے سیدنا اصبہانیؒ کا طریق، روایت حفص کے لیے سیدنا عبید ابن الصباحؒ کا طریق، وغیرہ وغیرہ۔ مثال کے طور پر حالتِ وصل میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے اور نہ پڑھنے میں حضرات قراء کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات قراء کرام حالت وصل میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں اور بعض حضرات نہیں پڑھتے ہیں۔ بسم اللہ پڑھنے والے حضرات میں امام نافع اور امام ابن کثیر رحمہما اللہ بھی شامل ہیں، چونکہ امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے دونوں راویوں نے حالت وصل میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کو ثابت رکھنے میں اپنے شیخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ سے کوئی خُلف نقل نہیں کیا اس لیے کہا جائے گا کہ یہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت ہے۔ جبکہ امام نافع رحمہ اللہ کے دونوں راویوں نے بسم اللہ کو ثابت رکھنے اور نہ رکھنے میں اپنے شیخ امام نافع رحمہ اللہ سے خُلف نقل کیا ہے لیکن امام نافع رحمہ اللہ کے پہلے

راوی سیدنا قالونؒ کے مشہور شاگردوں نے ان سے صرف بسم اللہ پڑھنا ہی روایت کیا ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ یہ سیدنا قالونؒ کی روایت ہے۔ رہے ان کے دوسرے راوی سیدنا ورشؒ، تو ان کے شاگردوں نے ان سے بسم اللہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں خُلف نقل کیا ہے، امام اصبہانی رحمہ اللہ نے ان سے بسم اللہ کا اثبات نقل کیا ہے اس لیے کہا جائے گا کہ یہ سیدنا ورش رحمہ اللہ سے امام اصبہانی رحمہ اللہ کا طریق ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ حالت وصل میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا پڑھنا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت، سیدنا قالون رحمہ اللہ کی روایت اور سیدنا ورش رحمہ اللہ سے اصبہانی کا طریق ہے۔

اور اسی طرح کلمہ ''ضُعۡفٍ'' (جو سورۂ روم میں آیت نمبر ۵۴ میں تین جگہ آیا ہے: اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّ شَيۡبَةً.........) میں حرف ضاد کا فتحہ امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت ہے اور امام عاصم رحمہ اللہ سے سیدنا شعبہؒ کی روایت ہے اور سیدنا حفص رحمہ اللہ سے عبید ابن صباحؒ کا طریق ہے۔

قراءت یا روایت یا طریق کی جہت سے کسی بھی کلمے میں واقع ہونے والے اختلاف کو ''الخلاف الواجب'' کہا جاتا ہے، اور اسی کا دوسرا نام قراآت، روایات اور طُرق ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاری کو ان تمام امور کی رعایت رکھنا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ اگر اس نے ان میں سے کسی چیز کے اندر بھی کمی بیشی کر دی تو اسے روایت کے اندر نقص سمجھا جائے گا۔

نوٹ: ان تین اصطلاحات کی تعریفات سے یہ بات نکل آئی کہ ہر امام کے دو راوی ہیں خواہ انہوں نے اس امام سے قراءت براہِ راست حاصل کی ہو یا کسی واسطے کے ساتھ، اور ہر راوی کے دو طریق ہیں خواہ انہوں نے اس راوی سے روایت براہ راست حاصل کی ہو یا ایک واسطے یا ایک سے زیادہ واسطوں سے۔ چنانچہ اختلاف کی نسبت اگر امام کی طرف ہو تو اسے قراءت کہا جائے گا اور اگر کسی راوی کی طرف ہو تو اسے روایت کہا جائے گا اور اسی طرح سے اگر نسبت راوی کے کسی شاگرد یا اس کی روایت نقل کرنے والے کسی مشہور شخص کی طرف ہو تو اسے طریق کہا جائے گا۔

الوجہ: قراءت کا ہر وہ اختلاف جو جائز اور مباح کے قبیل سے ہو ''الوجہ'' کہلاتا ہے۔ جیسا کہ دو سورتوں کے درمیان وصل یا فصل کے ساتھ بسم اللہ کا پڑھنا، چنانچہ جس قاری نے دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھی ہے اس کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ آنے والی وجوہ میں سے کسی بھی وجہ سے پڑھے، وہ وجوہ یہ ہیں:

۱...... وصل الکل.

۲...... فصل الکل.

۳...... وصل الثانی بالثالث، یہ تین وجوہ جائز ہیں۔

۴......وصل الأول بالثاني، یہ وجہ نا جائز ہے۔

ایک اور مثال جیسا کہ المد العارض للسکون پر وقف کی وجوہ یعنی وقف بالاسکان یا وقف بالاشمام یا وقف بالروم قصر یا توسط یا طول کے ساتھ کرنا۔ چنانچہ حالتِ وقف میں اگر حرف موقوف علیہ مفتوح ہے جیسا کہ "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" میں، تو اس پر صرف وقف بالاسکان جائز ہے، اور اس صورت میں حرفِ مد پر قصر، توسط اور طول تینوں درست ہیں۔ اور اگر حرف موقوف علیہ مکسور ہو جیسا کہ "الرحمٰنِ الرحیم" تو اس صورت میں چار وجوہ جائز ہونگی، وہ چار وجوہ یہ ہیں: وقف بالاسکان کے ساتھ مد کی تین وجوہ یعنی قصر توسط طول اور چوتھی وجہ وقف بالروم مع القصر۔ اور اگر حرف موقوف علیہ مضموم ہو جیسا کہ "نَسْتَعِيْنُ" تو اس صورت میں سات وجوہ جائز ہونگی، وہ سات وجوہ یہ ہیں: وقف بالاسکان کے ساتھ قصر، توسط طول یہ تین وجہ ہوئیں اور وقف بالاشمام کے ساتھ قصر توسط طول، چھ ہوئیں اور ساتویں وجہ وقف بالروم کے ساتھ قصر۔ ان سات وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کے ساتھ وقف کرنا، جائز ہے۔ یہ اور اس طرح کی روایت میں کسی قسم کی کمی کوتاہی شمار نہیں کی جاتی۔

ان وجوہ اختیاریہ کو نہ قرآت کہا جاتا ہے، نہ روایات اور نہ طرق، بلکہ ان وجوہ کو صرف عقلی وجوہ کہا جاتا ہے۔ اور قاری کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کو اختیار کرے اور اس پر ان تمام وجوہ کی رعایت رکھنا ضروری نہیں ہے، اگر ان وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کو لے لے تو اس کے لیے جائز ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

الأصول: اصول، اصل کی جمع ہے۔ اس کی لغوی تعریف یہ ہے: ہر وہ چیز جس کا کوئی اور محتاج ہو اور وہ دوسرے کا محتاج نہ ہو اصل کہلاتا ہے۔ دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جس پر کوئی اور چیز قائم ہو اصل کہلاتی ہے۔

اصل کی اصطلاحی تعریف: ہر وہ حکمِ کلی اصل کہلاتا ہے جو ہر اس چیز پر لگتی ہو جس میں اس حکمِ کلی کی تمام شرائط پائی جائیں۔ اس کا اطلاق احکام کلیہ پر بھی ہوتا ہے اور ان جامع اختلافاتِ جزئیہ پر بھی ہوتا ہے جن کے تحت ایک جیسی جزئیات داخل ہوں۔ جیسا کہ ہائے ضمیر کا صلہ، میم جمع کا صلہ، مدات، ہمزہ کی تسہیل یا تغییر یا ہمزہ کی حرکت نقل کرکے ماقبل حرف صحیح ساکن کو دینا پھر ہمزہ کو حذف کر دینا، فتح (کامل فتحہ اور الف پڑھنا)، امالہ (فتحہ کو کسرہ کی طرف اور الف کو یا کی طرف مائل کرکے پڑھنا) وغیرہ وغیرہ۔

وہ اصول جن پر اختلافِ قرآت کا مدار ہے کل سینتیس (۳۷) ہیں۔

الفرش: یہ فَرْش کا مصدر ہے اس کا معنی نشر و بسط (پھیلانا) کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: قرآت کے وہ اختلافات جو ائمہ قرآت کی طرف منسوب ہوں لیکن وہ کلی اختلافات نہ ہوں، مثال کے طور پر کلمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں الف کے حذف اور اثبات دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی مَالك يوم الدين اور مَلك يوم الدين۔ (لیکن یہ اختلاف ہر جگہ نہیں، مثلاً کلمہ مٰلِكِ، قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ میں صرف

الف کے ساتھ پڑھا گیا ہے، حذف کے ساتھ کوئی قراءت نہیں۔) اسی طرح سے کلمہ یَخْدَعُوْنَ، وَمَا یُخٰدِعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ میں یَخْدَعُوْنَ اور یُخٰدِعُوْنَ دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی یَفْعَلُوْنَ اور یُفَاعِلُوْنَ کے وزن پر۔ (بس یہ اختلاف یہیں پر ہے ہر جگہ نہیں) اسی طرح سے کلمہ قرآنیہ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ اس کلمے کو فَاَزَلَّ زاء کے بعد حذف الف اور تشدید لام اور اسی طرح زا کے بعد الف کے اثبات اور لام کی تخفیف سے فَاَزَالَهُمَا بھی پڑھا گیا ہے۔(اور چونکہ یہ اختلاف یہیں سے متعلق ہے ہر جگہ نہیں اس لیے فرشی اختلاف کہلائے گا۔)

فرش کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فرش کے معنی پھیلنا، منتشر ہونا ہے چونکہ یہ اختلافی کلمات بھی قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں بکھرے ہوئے (موتی کی طرح) ہیں گویا کہ سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں منتشر ہیں اسلیے انہیں فرشی اختلاف کہا جاتا ہے۔

کبھی ان کو ''فروع'' بھی کہا جاتا ہے، یہ نام اصول کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو فرش کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ان چھوٹے چھوٹے چوپایوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو کھلی فضاء میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہوں، یا ان کو چھوٹے چھوٹے درختوں سے تشبیہ دے کر ''فرش'' کہا گیا ہے۔

پس کلمات فرشیہ وہ جزئیات ہیں جن کے پڑھنے میں حضرات قراء کرام کا آپس میں اختلاف ہوا ہے، ان کلمات پر کسی دوسرے کلمات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ سورۃ بقرۃ میں کلمۂ قرآنیہ ''یَخْدَعُوْنَ، '' کے پڑھنے میں حضرات قراء کرام کا آپس میں اختلاف ہے، بعض حضرات ''وَمَا یَخْدَعُوْنَ'' پڑھتے ہیں اور بعض حضرات ''وَمَا یُخٰدِعُوْنَ'' پڑھتے ہیں، لیکن اس پر سورۃ نساء والے کلمہ ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ'' (آیت: ١٤٢) کو قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ حضرات قراء کرام کے درمیان کلمہ ''یُخٰدِعُوْنَ''میں اختلاف صرف سورۃ بقرۃ میں ہے نہ کہ سورۃ نساء والے میں بھی۔ باوجود یہ کہ ان دونوں کا رسم ایک جیسا ہے۔

قراآت کا قرآن مجید کے ساتھ تعلق

اس مسئلہ میں علماء کرام کی تین آراء ہیں:

١...... امام بدرالدین زرکشی (وفات: ٧٩٤ھ) کی رائے یہ ہے کہ قراآت اور قرآن مجید دونوں کی حقیقت جدا جدا ہے، یہ دو الگ الگ چیز ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ''قرآن سے مراد وہ وحی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعجاز و بیان کے واسطے اتاری گئی ہے''۔

اور قراآت اوپر ذکر کردہ وحی کے الفاظ کے اختلاف کا نام ہے جو حروف قرآنیہ میں پایا جاتا ہے یا ان حروف کی ادا کی کیفیت سے متعلق ہے مثلاً کسی حرف کا مشدد ہونا یا مخفف ہونا وغیرہ۔

ان کی صحیح ادائیگی کسی ماہر مشاق استاذ سے براہ راست سننے اوران کی جوتیاں سیدھی کرنے ہی سے آتی ہے اس لیے کہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کا فیصلہ صرف سننے اور براہ راست اخذ کرنے پر موقوف ہے (کہ واقعتاً ادا کی کیفیت درست ہے یا نہیں؟)

امام شہاب الدین قسطلانی (وفات: ۹۲۳ھ) نے اپنی کتاب ''لطائف الإشارات لفنون القراء ات'' ۱/۱۷۱-۱۷۲ میں امام بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ کی اتباع کی ہے اوراسی طرح امام شہاب الدین البنا دمیاطی (وفات: ۱۱۱۷ھ) نے اپنی کتاب ''إتحاف فضلاء البشر'' ۱/ ۶۸-۶۹ میں امام زرکشی کے قول کو لیا ہے۔

۲......اس بارے میں ڈاکٹر محمد سالم محیسن کی رائے یہ ہے کہ قرآن اور قراآت دونوں ایسی حقیقتیں ہیں کہ جن کا معنی و مطلب ایک ہی ہے، اس لیے کہ لفظ قرآن مصدر ہے جو کہ قراءت کا مترادف ہے اور قراآت جمع ہے قراءت کی، تو یہ دونوں ایسی حقیقتیں ہیں جن کا مطلب ایک ہی ہے، اسی طرح أنزل القران علی سبعة أحرف جیسی احادیث بھی اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک وحی منزل ہے۔

۳......ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل کی رائے میں قرآن اور قراآت کے درمیان نہ پوری طرح تغایر ہے اور نہ پوری طرح اتحاد ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک مضبوط تعلق ہے جس طرح جزء کا تعلق کل کے ساتھ ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ:

(أ) قراآت تمام کلماتِ قرآنیہ میں نہیں پائی جاتیں بلکہ صرف بعض الفاظ قرآنیہ میں پائی جاتی ہیں۔

(ب) قراآت کی تعریف میں قراءات متواترہ اور شاذہ سب داخل ہیں حالانکہ قراآت شاذہ کے قرآن نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

غالباً امام زرکشی رحمہ اللہ بھی یہی کہنا چاہ رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے:

”ولستُ في هذا أنكر تداخلَ القرانِ بالقراء ات، إذ لا بد أن ....الخ

ترجمہ: ''میری اس رائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں قرآن کے قراآت میں داخل ہونے کا انکار کرتا ہوں، اس لیے کہ قرآن اور قراآت دونوں کے درمیان ایک مضبوط تعلق کا ہونا ضروری ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس تعلق کے باوجود اختلاف برقرار رہے گا بایں معنی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک بہرحال دوسرے سے ایک مختلف چیز ہے، ان کے درمیان ایسا قوی تداخل نہیں ہے کہ دونوں شي واحد بن جائیں، چنانچہ قرآن صرف ترکیب اور لفظ کا نام ہے اور قراآت لفظ اوراس کی ادائیگی کا نام ہے، ان دونوں کے درمیان فرق بہت ہی واضح ہے۔''

اس حوالے سے میری اپنی رائے یہ ہے (واللہ اعلم) کہ ہم قراآت کے بارے میں ذرا تفصیل کریں، چنانچہ

قراآت کی دو قسمیں ہیں:

قراآتِ مقبولہ، قراآتِ مردودہ اس حیثیت سے کہ اس کی تلاوت جائز نہیں ہے۔

(أ) ...... **المقبولة**: قراآت مقبولہ وہ قراآت ہیں جس میں یہ تین شرائط پائی جائیں:

۱...وہ قراءت تواتر سے ثابت ہو۔

۲..لغتِ عربی کے موافق ہو، اگر چہ کسی بھی ایک وجہ سے ہو۔(قواعد عربی کی موافقت کرے، اگر چہ وہ وجہ ضعیف ہو)

۳...مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی بھی ایک مصحف کے رسم کی موافقت کرے اگر چہ یہ موافقت احتمالاً ہو۔

یہ قراآت کی وہ قسم ہے جس کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے:

۱... ہر مسلمان پر اس قسم کی قراآت کے بارے میں قرآن ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

۲...ان کے مطابق نماز اور خارج نماز بطورِ عبادت تلاوت کی جائے گی۔

۳...اس قسم کی قراآت کا منکر کافر قرار دیا جائے گا اگر چہ کسی ایک حرف کا منکر ہو۔

بعینہ یہی باتیں قرآن پاک کے بارے میں بھی کہی جاتی ہیں۔کیا یہ بات نہیں ہے کہ قرآن پاک کی قراآتِ متواترہ میں سے کسی روایت کے مطابق ہی تلاوت کی جاتی ہے؟

اس تشریح کے مطابق قرآن بعینہ قراآتِ متواترہ کا نام ہے اور قراآتِ متواترہ بعینہ قرآن ہیں، تو قرآن اور قراآت دو ایسی حقیقتیں ہیں جن کا مطلب و معنی ایک ہی ہے۔ڈاکٹر محمد سالم محیسن کے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا۔

(ب) ...... **المردودة**: قراآت مردودہ وہ قراآت ہیں جن میں قراآت مقبولہ کی شرائط ثلاثہ میں سے کوئی بھی ایک یا ایک سے زیادہ شرائط نہ پائی جائیں، ایسی قراآت کو قراآتِ شاذۃ کہا جاتا ہے۔قراآتِ شاذہ کے بارے میں علماء کرام کا کہنا ہے کہ:

۱...اس قسم کی قراآت کے بارے میں قرآن ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں۔

۲..عبادت کے طور پر قراآتِ شاذہ کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔

۳...جو شخص قراآتِ شاذہ کو بطورِ عبادت کے پڑھنے پڑھانے پر اصرار کرے اس پر تعزیر جاری کرنا واجب ہے۔

اس تفصیل کے مطابق قراآتِ غیر قرآن ہیں اور ان کے درمیان کلی طور پر تغایر ہے، چنانچہ یہ دونوں دو الگ الگ حقیقتیں ہیں، اس لیے کہ قراآتِ شاذہ اگر چہ سند صحیح سے ثابت ہوں ان کے قرآن ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں بلکہ یہ خبر واحد شمار ہونگیں اور خبرِ واحد حدیث کی اقسام میں سے ہے اور حدیث غیرِ قرآن ہے۔امام زرکشی کے قول کو

اس تشریح پر محمول کیا جائے گا۔

میری بھی یہی رائے ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

قراآتِ عشرہ کا احرفِ سبعہ سے ربط و تعلق

کیا قراآتِ عشرہ احرفِ سبعہ میں سے کوئی حرف ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے بارے میں علماء کرام کے دو اقوال ہیں:

۱...... قراآتِ عشرہ کو احرفِ سبعہ میں سے ایک حرف مانا گیا ہے۔ یہ مذہب علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (وفات: ۳۱۰ھ) اور ان کے متبعین کا ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کو اپنے لکھوائے ہوئے مصاحف کے مطابق تلاوتِ قرآن کرنے پر ابھارا اور جمع کیا، حالانکہ عثمانی مصاحف لغتِ قریش (حرف واحد) میں لکھے گئے تھے۔اور آپؓ نے بقیہ مصاحف کو جلانے کا حکم دیا تھا، چنانچہ باقی احرفِ ستہ کے مطابق تلاوتِ قرآن متروک ہوگئی ہے، اس لیے کہ تمام احرفِ سبعہ پر قراءت کرنا واجب نہیں تھا، کیونکہ یہ احرفِ سبعہ آسانی اور سہولت کے لیے اتارے گئے تھے۔

۲...... دوسرا مذہب یہ ہے کہ قراآتِ عشرہ سے بعض احرفِ سبعہ مراد ہیں، یہ جمہور کا مذہب ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ احرفِ سبعہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم ان احرفِ سبعہ کی ہے جن کے مطابق تلاوتِ قرآن کریم جائز نہیں، جیسے قراآتِ شاذۃ ہیں۔مثلاً کسی کلمۂ قرآنی کا اضافہ کرنا یا کمی کرنا، جیسے: لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فِيۡ مَوَاسِمِ الۡحَجِّ (البقرۃ:۱۹۸) یا کسی کلمے کو مقدم یا مؤخر کرنا، جیسے: اِذَا جَآءَ فَتۡحُ اللّٰهِ وَ النَّصۡرُ (النصر:۱) یا ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنا، جیسے: وَ تَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالصُّوۡفِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۔(القارعۃ:۵)

یہ اور اس جیسی دوسری قراآت، شاذہ اور متروک ہیں، اس کے مطابق تلاوتِ قرآن پاک بالاجماع ناجائز ہے کیونکہ یہ قراآت متواتر نہیں ہیں اور مصاحفِ عثمانیہ کے رسم کے بھی خلاف ہیں۔

دوسری قسم ان احرفِ سبعہ کی ہے جن کے مطابق تلاوتِ قرآن کی جاتی ہے، یہ وہ وجوہ ہیں جن میں کسی بھی قراآت کو قبول کرنے کے لیے جو تین شرطیں ہیں (جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے) وہ ساری شرائط پائی جاتی ہیں، یہ وہ قراآت ہیں جن میں حضرات قراء کرام کا آپس میں اختلاف ہے، یہ اختلاف خواہ فرشی اختلاف ہو یعنی کسی خاص کلمہ قرآنیہ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کا اختلاف ہو یا اصول کا اختلاف ہو یعنی اظہار وادغام، روم واشمام، مدّ وقصر،

مخفف ومشدّد، تبدیل الحرکۃ بالحرکۃ، یاء کی جگہ تاء، واو کی جگہ فاء پڑھنا وغیرہ اور جیسے اختلافاتِ متقاربہ۔

احرفِ سبعہ کی یہ قسم وہ ہے جو آج کل پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور یہ رسمِ مصاحفِ عثمانیہ کے موافق بھی ہے۔

تو وہ قراآت جن کے مطابق موجودہ دور میں ہم تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں، یہ بعض احرفِ سبعہ ہیں اور یہ احرفِ سبعہ کی وہ قسم ہے جو رسمِ عثمانی کے مطابق ہے اور جو قراآت رسمِ عثمانی کے خلاف ہیں ان کی تلاوت ترک کردی گئی ہے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰)

علمِ قراآت کی فضیلت

علمِ قراآت تمام علوم میں سب سے عظمت والا علم ہے اور مرتبے کے لحاظ سے تمام علوم میں سب سے اونچی شان والا ہے کیونکہ اس کا تعلق ایک ایسی کتاب سے ہے جو تمام آسمانی کتابوں میں علی الاطلاق سب سے اشرف اور افضل کتاب ہے۔ وہ عظمت وشرافت والی کتاب قرآن مجید اور کتاب مبین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اتارا ہے اور اس کو ایک واضح شریعت اور پوری انسانی زندگی کے لیے مکمل ضابطۂ حیات بنا کر نازل فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو دوسری کتابوں پر فضیلت بخشی ہے اور اس کو ان کتابوں کا محافظ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے۔'' (سورۃ المائدۃ: ۴۸)

اور اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب کی قراءت وتلاوت کو ایک عظیم عبادت اور پسندیدہ عمل قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے فرمایا: ''سب سے افضل عبادت تلاوتِ قرآن ہے۔'' (رواہ ابونعیم فی فضائل القرآن)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے فرمایا: ''میری امت کی عبادات میں سے سب سے افضل عبادت قرآن مجید پڑھنا ہے۔'' (أخرجه البيهقي في شعب الإيمان)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو جہاد کے مقابلے میں تلاوتِ قرآن زیادہ محبوب تھی، کیونکہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کا ارشاد ہے: ''تم میں سے سب سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔'' (رواہ البخاری، کتاب فضائل القرآن)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قصہ منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں خواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت

و دیدار سے شرف یاب ہوا، میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تقرب حاصل کرنے والے لوگ جن ذریعوں سے آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا: اے احمد! میرا کلام (قرآن مجید) ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا اللہ! سمجھ کر پڑھا جائے تب یا بے سمجھے بھی؟ فرمایا: سمجھ کر پڑھیں یا بے سمجھے، دونوں صورتوں میں میرے قرب کا ذریعہ ہے۔

قرآنِ مجید کے شرف اور رتبہ کی وجہ سے حاملینِ قرآن اس امت کی اشرف ہستیاں ہیں اور قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے والے اس امت میں سب سے افضل لوگ ہیں۔

قرآن پاک کی اس عظمت کی وجہ سے بزرگانِ دین، صحابہ کرام اور تابعین قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے کے انتہائی شیدائی تھے اور یہ حضرات کسی چیز کو قرآن مجید پڑھانے کے برابر قرار نہیں دیتے تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ (نفل) روزہ بہت کم رکھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: یہ اس وجہ سے ہے کہ جب میں روزہ رکھتا ہوں تو قرآن مجید کی تلاوت سے عاجز ہو جاتا ہوں اور اس میں کمی آجاتی ہے اور قرآن مجید کی تلاوت مجھے زیادہ محبوب ہے۔(النشر فی القراآت العشر:۱/۴)

جلیل القدر تابعی حضرت ابو عبدالرحمن السلمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۳ھ یا ۷۴ھ) کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جب یہ حدیث ''خیرکم من تعلم القران و علمہ'' روایت کرتے تو ارشاد فرماتے کہ: ''مجھے اس حدیث نے یہاں (جامع مسجد کوفہ میں) قرآن کے پڑھنے پڑھانے کے لیے بیٹھا دیا ہے۔'' اس سے آپ کا اشارہ جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ کر قرآن پڑھانے کی طرف تھا۔ باوجود یہ کہ لوگ آپ کے علوم سے فیض یاب ہونے کے محتاج تھے اور آپ ایک متبحر عالم اور جلیل القدر ہستی تھے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود چالیس سال تک جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے رہے اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔(النشر:۱/۳)

اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اس کتاب مقدس کے بارے میں---جس کو اس امت کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما پر نازل فرمایا ہے---وہ خصوصیت بخشی ہے جو کسی اور امت کو ان کی کتابوں سے متعلق نہیں بخشی۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی، برخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود نہیں لی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بے شک ہم نے اس کتاب کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر:۹)

امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور اسی لیے قرآن مجید جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کی نبوت کے ثبوت کے لیے ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور یہی زیادہ بلند پایہ معجزہ بن گیا اور یہ معجزہ اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان کو قرآن کی ایک ہی سورۃ کے مثل لے آنے کے ذریعے چیلنج کیا اور وہ لوگ تمام عرب میں فصیح تر اور ضد و عناد اور ظلم و انکار میں نہایت سخت تھے اور اس کے باوجود قرآن جیسی ایک آیت بھی نہ بنا سکے۔'' (النشر:۱/۱۱)

اور قرآن مجید کی توصیف بیان کرتے ہوئے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بلکہ قرآن اتنا بڑا سمندر ہے کہ اس کی کوئی تہہ نہیں کہ جہاں وہ ختم ہو جائے اور نہ اس کے اخیر کی کوئی انتہاء ہے کہ جس جگہ وہ ٹھہر جائے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم قراآت تمام علوم میں قدر و منزلت کے لحاظ سے سب سے اشرف اور مرتبے کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ وارفع علم ہے اور یہی عمومی طور پر تمام علومِ عربیہ کا سرچشمہ ہے اور خاص طور پر علومِ شرعیہ کا منبع ہے۔ قراء کرام، مفسرین، محدثین، فقہاء اور علماء لغت تمام کے تمام یکساں طور پر علمِ قراآت کے محتاج ہیں۔

اور اسی علم کے ساتھ کچھ دوسرے علوم فوری طور پر متعلق ہوتے ہیں، مثلاً علمِ تراجمِ قراء، علمِ توجیہِ قراآت، علمِ رسم المصحف، علم الضبط، علم الفواصل، علم التجوید، علم الوقف والابتداء اور دوسرے علوم۔ یہیں سے اس علم کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور اس کی قدر و منزلت واضح ہو جاتی ہے۔

امام شہاب الدین قسطلانی رحمہ اللہ (وفات: ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

''اور حمد و صلوٰۃ کے بعد میں کہتا ہوں کہ یقیناً قرآن مجید تمام علوم کا سرچشمہ اور ان کے پھلنے پھولنے کی جگہ ہے اور علومِ معرفت کا معدن (کان) اور ان کا مبدأ ہے اور شریعت کے احکام و قواعد کی بنیاد اور جڑ ہے، اور ہر علم کی اصل اور اس کی روح ہے۔ قرآن مجید کے معانی پر مطلع ہونا اس کی تراکیب و تالیف اور اس کے اشتقاق و اصل کو سمجھے بغیر ممکن نہیں، اور وجوہِ قراآت اور اختلافِ روایات کا علم حاصل کئے بغیر ممکن نہیں اور وجوہِ قراآت اور اختلافِ روایات کا علم حاصل کئے بغیر قرآن مجید کے ان حقائق و معانی کو جاننے کی امید نہیں کی جاسکتی جن حقائق و معانی کے عجائبات و نکات کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی وجہ سے علمِ قراآت تمام علومِ نافعہ میں سب سے عظیم ہے۔

اور جب یہ بات ہے کہ ہر علم کی شرافت اس کے متعلق کی شرافت کی وجہ سے ہوتی ہے تو یقیناً اس علم کے ان حاملین کو۔ جو اللہ تعالیٰ کے قرب والے اور اس کے خاص بندے ہیں۔ اس شرافت کے ساتھ خاص کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے چنیدہ ہستیاں اور اس کی پیدا کردہ خلائق میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہیں۔ تمہارے لیے یہ عظیم شرف اور پائیدار بزرگی کافی ہے اس پر مستزاد وہ فضائل ہیں جو اس کو دنیا و آخرت میں ملنے والے ہیں اور وہ درجات ہیں جو ان کے لیے عند اللہ مقرر ہیں۔ چنانچہ ان کے اوصاف کا ہمیشہ تذکرہ رہے گا اور ان کی خوبیاں رہتی دنیا تک ظاہر کی جائیں گی۔''

ہم اس علم کی خصوصیت اور اس کے فوائد کو جو آگے چل کر بیان کریں گے، اس کے مطالعہ سے علم قرآءت کی قدر و منزلت خوب واضح ہو جائے گی۔ قرآءت کے ذریعے تفسیری وجوہ میں سے کسی وجہ کو ترجیح دی جاتی ہے اور احکام فقہیہ مختلف فیہا میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے اور اسی سے قرآن کی وجوہ اعجاز واضح ہو جاتی ہیں اور اس کی بلاغت کی شان ظاہر ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کا قرآءتِ مختلفہ پر مشتمل ہونا اس کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ جس کی نظیر کسی اور آسمانی کتاب میں نہیں ملتی۔

دوسری بحث

قراآت کی ابتداء اور ارتقاء

☆......قراآت کی ابتداء اور ارتقاء۔

☆......وہ مراحل جن سے گزر کر قراآت ہم تک پہنچیں (یعنی قراآت پر آنے والے مراحل)۔

☆......ابن مجاہد رحمہ اللہ کے عمل (تسبیعِ سبعہ) کی قدر و قیمت۔

☆☆☆☆☆

قراآت کی ابتداء اور ارتقاء:

بہت سی صحیح احادیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن مجید احرفِ سبعہ پر نازل کیا گیا ہے۔ اور وہ احرفِ سبعہ ان قراآتِ قرآنیہ کی صورت میں ڈھل گئے ہیں جو ہم تک نقلِ صحیح و تواتر کے ساتھ پہنچیں، چنانچہ جس طرح قرآن کریم ایک ایسی وحی ہے جو منجانب اللہ اتاری گئی ہے اسی طرح قراآت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی وحی ہے۔

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان قراآت کا نزول کہاں اور کب ہوا؟

کیا ان کا نزول ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا یا ان کا نزول ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا؟

اس بارے علماء کرام کی دو رائے ہیں:

ا......قراآت کا نزول ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قراآت کے وجود میں آنے سے متعلق ہم تک پہنچی ہوئی احادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

منجملہ ان احادیث میں سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے فرمایا: ''حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک حرف کے مطابق قرآن پاک پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور زیادتی کا مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ احرفِ سبعہ پر رک گیا۔''

جس طرح قرآن مجید کی سورتیں مکی اور مدنی ہیں اور ان میں بڑا حصہ مکی سورتوں کا ہے اور اس میں وہ قراآت موجود ہیں جو مدنی سورتوں میں پائی جاتی ہیں اور اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ مدینہ منورہ میں دوسری مرتبہ یہ

نازل کی گئی ہیں ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قراآت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اس بات کی مزید دلیل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف والی حدیث ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں حضرات کا اختلاف سورۂ فرقان کی تلاوت میں ہوا تھا، اور سورۂ فرقان مکی سورت ہے۔

۲...... دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قراآت ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔

اس نقطۂ نظر والوں کی دلیل یہ ہے کہ قراآت کا نزول امت کے لئے آسانی کے واسطے ہوا ہے، اور اس آسانی کی ضرورت ہجرت کے بعد مختلف قبائل عرب کے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے پیش آئی ہے، کیونکہ ان قبائلِ عرب کے لہجے مختلف تھے۔ اس نظریہ کے حاملین کی دلیل یہ بھی ہے کہ قراآت میں پہلی مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا، اس طرح کے اختلافات مکہ مکرمہ میں سامنے نہیں آئے تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک صحابی سے اختلاف والی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ سے اختلاف والی حدیث بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

قرآن پاک کے احرفِ سبعہ پر نازل ہونے سے متعلق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بنو غفار کے تالاب --- جو مدینہ منورہ کے قریب ہے --- کا تذکرہ اس بات پر دال ہے کہ قراآت کا نزول مدینہ منورہ میں ہوا۔ ابن عبد البرؒ، ابو شامہ المقدسیؒ اور ان جیسے دوسرے مشاہیر علماء کرام کا یہی مذہب ہے۔

بعض حضرات نے ان دونوں کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قراآت کا نزول ابتدائے نزولِ قرآن مجید کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں ہوا تھا، اس لئے کہ قراآت مکی سورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور مدینہ منورہ میں ان کے دوسری مرتبہ نازل ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن مکہ مکرمہ میں مکہ مکرمہ اور اس کے قرب و جوار کی لغت ایک ہونے کی وجہ سے ان قراآت سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، برخلاف ہجرت کے بعد کہ اس وقت اسلام میں مختلف لہجات اور لغات والے قبائل داخل ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان قراآت کو کام میں لایا جائے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ان قراآت کے مطابق قرآن پڑھنے کی صرف اجازت معلوم ہوتی ہے۔ (نہ کہ نزول)

میرا اپنا میلان بھی اسی مذہب کی طرف ہے اور میں اس تطبیق والی صورت کو راجح سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

اس طرح قراآت کی ابتداء ہوئی، خواہ ان کا نزول اور ابتداء مکہ مکرمہ میں ہوا ہو یا مدینہ منورہ میں، جیسا کہ اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ قراآت مختلف مراحل سے ہو کر آئی ہیں، ان میں سے بعض مراحل دوسرے بعض میں متداخل ہیں، یہاں تک کہ علومِ قرآنیہ میں سے ایک مستقل علم کی صورت اختیار کر گئے، اور عمومی طور پر نحوی اور لغوی دراسات کی جولان گاہ اور میدانِ کارزار بن گئے۔

ان ادوار اور تاریخی مراحل کا ابتدائی تصور تلاوت کے لئے تعلیم کی صورت میں ہے۔ پھر ان قراآت میں سے بعض یا کل کا زبانی یاد کرنے کا دور آتا ہے۔ پھر یہ دور کسی روایت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما تک سند کے ساتھ روایت کرنے کے دور میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک ایسا دور آتا ہے کہ اسی کام کے لئے کچھ اساتذہ اور شاگرد مخصوص ہوتے ہیں اور اپنی زندگیاں اس کام کے لئے وقف کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ایک ایسے دور میں داخل ہوتے ہیں کہ علمِ قراآت ایک ایسا علم بن جاتا ہے جو قواعد اور اصول پر مبنی ہے، جس پر کتابیں لکھی گئیں ہیں اور بحث و مباحثہ و مناقشات ہوئے ہیں۔

وہ مرحلے جن سے قراآت ہو کر آئیں ہیں:

ہم یہاں ان مراحل میں سے بعض کا مختصراً تذکرہ کر لیتے ہیں۔

۱...... پہلا مرحلہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کا حضرت جبریل علیہ السلام سے سیکھنا:

قراآت کی ابتداء حضرت جبریل علیہ السلام کے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کو تعلیم دینے سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''انہیں ایک مضبوط طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔'' (سورۃ النجم:۵)

ابتداءِ وحی سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے:

ترجمہ: ''تو انہوں (جبریل علیہ السلام) نے کہا: پڑھ۔ میں نے کہا: میں لکھا پڑھا نہیں ہوں، تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت محسوس ہوئی............''

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے فرمایا:

ترجمہ: ''جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی، چنانچہ میں زیادتی کا مطالبہ کرتا رہا اور آپ اضافہ فرماتے رہے یہاں تک کہ سات احرف پر پہنچے۔''

اس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کو قرآن مجید اس کے مختلف احرف اور اس کی کئی ساری قراآت کے مطابق سکھایا۔

۲......دوسرا مرحلہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ

وسلم تسلیما سے ان قراآت اور قرآن کا سیکھنا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو قرآن سکھائیں اور پڑھائیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔'' (سورة المائدة: ٦٧)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے تا کہ تم اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔'' (سورة الإسراء: ١٠٦)

چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کو پڑھاتے تھے وہی سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پڑھاتے اور سکھاتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما حضرت عثمان، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین کو دس آیات پڑھاتے تھے، یہ حضرات ان دس آیات کے بعد دوسری دس آیات اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک ان آیات میں موجود علم وعمل کو پورے طور پر نہ سیکھتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما ان کو قرآن مجید، علم اور عمل سب سکھاتے تھے۔ کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کسی ایک صحابی کو ایک حرف پڑھاتے تھے اور دوسرے صحابی کو دوسرے حرف کے مطابق پڑھاتے تھے، تو ہر صحابی اس تعلیم کے مطابق تلاوت کرتا تھا جو تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے ان کو دی تھی۔

۳......تیسرا مرحلہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کو تعلیم دینا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ ایک دوسرے کو قرآن پڑھائیں۔ اس کی ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصہ میں مذکور ہے کہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ بنت حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر کے ساتھ قرآن مجید دہرا رہے تھے اور ان کو قرآن مجید سکھا رہے تھے۔

اس سے ایک اور قدم آگے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما مکہ مکرمہ سے باہر تعلیمی جماعات بھیجتے تھے۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سب سے پہلے مدینہ منورہ تشریف لائے اور لوگوں کو قرآن مجید پڑھانے لگے، پھر حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی

تشریف لائے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں چھوڑا تا کہ وہ لوگوں کو(قرآن مجید اور دینی احکام) کی تعلیم دیں۔ اگر کوئی شخص ہجرت کر کے مدینہ منورہ آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما اس کو کسی حافظِ قرآن کے سپرد کر دیتے تا کہ وہ اس کو قرآن مجید سکھائے۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بن گئی جنہیں ''قراء'' کہا جانے لگا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس لقب کے ساتھ مشہور ہونے سے ہمیں اس مرحلے میں قراآت کے خوب پھیلنے اور مشہور ہونے کا بہتر اور واضح پتا چلتا ہے۔ غزوۂ بئر معونہ میں ستر (۷۰) انصاری نوجوان --- جنہیں قراء کہا جاتا تھا --- شہید کر دئیے گئے۔ غزوۂ بئر معونہ ہجرت کے تیسرے سال کے شروع میں یا تیسرے سال کے دو مہینے گزرنے کے ساتھ ہی ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کی حیاتِ طیبہ ہی میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید حفظ کرنے میں بہت شوق سے لگے ہوئے تھے۔ ان حضرات میں سے زیادہ مشہور حضرات خلفائے راشدین، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ہیں۔ قراآتِ عشرہ کے اماموں کی سند انہی ہستیوں کے گرد گھومتی ہے اور یہی ہستیاں قراآتِ عشرہ کی سند کی مدار ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قراءت ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ان میں سے بعض نے ایک حرف کو لیا اور بعض نے دو یا دو سے زیادہ احرف کو اختیار کیا۔ یہاں سے ان قراآتِ مختلفہ کی وجوہ کی ابتداء ہوئی جن کے طریق کو آپ روایت کرنے لگتے ہیں اور نقل کرنے میں ان کے طرز کو اختیار کرتے ہیں اور قراآت کے اختلافات کے ظاہر ہونے کی شہرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کے عہد میں ہجرت کے بعد ہی سے ہوئی تھی، جس پر حضرت عمر اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہما کا آپس میں اختلاف اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف دلالت کرتا ہے، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا دوسرے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف بھی اس پر دال ہے۔

۴......چوتھا مرحلہ: تابعین کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھنے کا مرحلہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیل گئے اور لوگوں کو اس طریقے کے مطابق قرآن مجید پڑھانے لگے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے انہوں نے حاصل کیا تھا، اور یہیں سے تابعین اور ان کے شاگردوں میں نقل کرنے میں اختلاف واقع ہوا۔ چنانچہ قراآت کی کثرت ہوئی اور ان میں قراآت شاذۃ کا ظہور ہوا، اور اس معاملے میں مسلمانوں کے درمیان کثرت سے جھگڑے ہونے لگے یہاں تک کہ معاملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے مصاحف کو جمع کرنے کا حکم دیا اور ان مصاحف کو ایک ایسے رسم الخط میں

لکھنے کا حکم دیا جو صحیح اور متواتر وجوہ میں سے زیادہ سے زیادہ وجوہ کا احتمال رکھتا ہو اور ان مصاحف کو ایسے معلمِ قراآت سمیت مشہور شہروں کی طرف روانہ فرمادیا جس کی قراءت اس شہر کے اکثر و اغلب رہنے والوں کی لغت کے موافق ہو، اور لوگوں کو ان مصاحف کے مطابق تلاوت کرنے پر ابھارا اور اس علاقے کی طرف بھیجے ہوئے مصحف کا رسم جن اوجہِ قراآت کا احتمال نہ رکھتا ہو ان تمام وجوہ کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ حقیقتاً لوگ ان مصاحف کی طرف راغب ہوئے اور ان مصاحف کے پڑھانے والے معلمین سے ان کو سیکھنے لگے۔ چنانچہ ہر شہر میں تابعین عظام میں سے بہت سے قرّاء پیدا ہوئے، ان میں سے زیادہ مشہور ہستیاں درج ذیل ہیں:

مدینہ منورہ کے مشہور قرّاء: حضرت معاذ بن الحارث القاری، حضرت سعید بن المسیوب، حضرت عروہ بن الزبیر، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت عطاء بن یسار، حضرت عبدالرحمن بن الاعرج، حضرت ابن شہاب زہری اور حضرت زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ۔

مکہ مکرمہ کے مشہور قرّاء: حضرت مجاہد بن جبر، حضرت طاؤس بن کیسان، حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت عکرمہ مولی ابن عباس رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ۔

کوفہ کے مشہور قرّاء: حضرت عمرو بن شرحبیل، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت مسروق بن الاجدع، حضرت ابو عبدالرحمن السلمی، حضرت الاسود نخعی، حضرت زِرّ بن حبیش اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ۔

بصرہ کے مشہور قرّاء: حضرت حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین، حضرت قتادہ بن دعامہ الدوسی، حضرت نصر بن عاصم، حضرت یحیٰی بن یعمر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ۔

شام کے مشہور قرّاء: حضرت مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت خلیفہ بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ جو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں وغیرہ۔

یہ سب کچھ پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف اور دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف کے دوران میں ہوا تھا۔

۵...... پانچواں مرحلہ: تخصص فی القراآت کا مرحلہ (یعنی قراآت کے لئے اپنے آپ کو خاص کرنے اور وقف کرنے کا مرحلہ)

جب اہلِ بدعت اور خواہشاتِ نفسانی کے پیروکار کثرت سے ہونے لگے اور ایسی قراآت کی تلاوت کرنے لگے جن کی کوئی اصل نہیں تھی --- جیسا کہ بعض معتزلہ اور روافض سے اس طرح کی قراآت منقول ہیں --- تو اہل حق کے ایک بڑے گروہ نے صرف قرآن پڑھنے پڑھانے اور اس کا طریقۂ ادا سیکھنے سکھانے کے لئے اپنے آپ کو

مخصوص و فارغ کر دیا۔ انہوں نے قرآت کے ضبط و نشر میں اتنی سعی و کوشش کی کہ وہ اپنے وقت کے ایسے امام بن گئے جو لوگوں کے پیشواء اور شہرہ آفاق قرّاء تھے۔ لوگ ان سے قرآت حاصل کرنے کے لئے سفر کر کے آتے تھے، یہاں تک کہ ان کے شہر والوں نے ان کی قرآت کی قبولیت پر اتفاق کر لیا اور کوئی سے دو افراد نے بھی اس بارے میں ان سے اور باہم سرِ مو اختلاف نہیں کیا۔ ان حضرات کے قرآن مجید اور اس کی تلاوت میں اپنے آپ کو پوری طرح مشغول و منہمک کرنے کی وجہ سے قرآت کی نسبت انہی کی طرف ہونے لگی۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس صحابی یا تابعی کی طرف اس وجہ کی نسبت ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اس وجہ کو بہت زیادہ محفوظ رکھتا تھا اور اپنے اکثر اوقات میں زیادہ تر اسی کو پڑھتا اور پڑھاتا تھا اور اس نے اِس وجہ کو اپنے لئے لازم کر رکھا تھا اور اس کی توجہ اور رغبت اس کی طرف زیادہ تھی۔ اسی طرح قرآت کے اماموں اور راویوں کی طرف جو حروف و قرآت اور روایات و وجوہ کی نسبت ہوتی ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ قاری، امام اور راوی نے معتبر حضرات سے پڑھ کر مختلف لغات میں سے ان وجوہ کی تلاوت کو ماسوا پر ترجیح دے کر اختیار کر لئے تھے اور اپنے لئے ان کو ہمیشہ کے واسطے لازم کر رکھے تھے اور ہمیشہ انہی وجوہ کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے یہاں تک کہ وہ قاری ان وجوہ کی تعلیم میں تمام بلادِ اسلامیہ میں مشہور و معروف ہو گئے اور تمام لوگوں کے لئے مرجع بن گئے اور سب لوگ انہی سے علمِ قرآت حاصل کر کے اس کو آگے روایت کرتے تھے، چونکہ سب لوگوں نے انہی کو پسند کیا اس بناء پر ان وجوہ و قرآت اور روایات کی نسبت دوسرے قرّاء کرام کو چھوڑ کر ان کی طرف ہونے لگی۔ چنانچہ یہ نسبت اختیار و لزوم اور ہمیشگی کی وجہ سے ہے نہ کہ اختراع و رائے اور اجتہاد کی وجہ سے ہے کہ ان حضرات نے ان قرآت کو خود گھڑ لئے تھے۔''

چنانچہ ان ائمہ اور قرّاء کی تفصیل یہ ہے:

مدینہ منورہ میں: حضرت ابوجعفر یزید بن قعقاع، حضرت شیبہ بن نصاح، حضرت نافع بن ابی نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ میں: حضرت عبداللہ بن کثیر، حضرت حمید بن قیس الاعرج، حضرت محمد بن محیصن رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

کوفہ میں: حضرت یحییٰ بن وثاب، حضرت عاصم بن ابی النجود، حضرت سلیمان بن مہران الاعمش، حضرت حمزہ بن حبیب الزیات، حضرت علی بن حمزہ کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

بصرہ میں: حضرت عبداللہ بن ابی اسحاق، حضرت ابوعمرو ابن العلاء، حضرت عاصم الجحدری، حضرت یعقوب الحضرمی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

شام میں : حضرت عبداللہ بن عامر الیحصبی، حضرت عطیہ بن قیس الکلابی، حضرت یحیی الذماری، حضرت شریح بن یزید الحضرمی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

ان جیسی قراء اور عظیم ہستیوں نے اپنے آپ کو قراآت کے لئے خاص کرلیا اور اس میں کمال پیدا کیا اور علمِ قراآت وضع کرنے نیز اس کو مدوّن کرنے اور اس میں کتابیں لکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کیا۔

۶...... چھٹا مرحلہ: علمِ قراآت پر کتابیں لکھنے اور اس علم کو مدوّن کرنے کا مرحلہ:

علمِ قراآت میں تالیف کی ابتداء شروع زمانۂ اسلام سے ہوئی تھی، اس لئے کہ قرآن مجید اور اس کی تلاوت کرنا ان حضرات کا ایسا مشغلہ تھا جو ان کو دوسرے تمام مشاغل سے بے نیاز کرتا تھا یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرات قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے کو جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے تھے، البتہ مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے علمِ قراآت میں کس نے کتاب لکھی؟

چنانچہ اکثر حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۴ھ) نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب (کتاب القراآت) لکھی۔

شاید صحیح بات یہ ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب لکھنے والے شخص حضرت یحیی بن یعمر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۹۰ھ یا ۸۹ھ) ہیں۔

یہ اس لئے کہ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے انیس (۱۹) اشخاص نے علمِ قراآت میں کتابیں لکھی ہیں جیسا کہ ڈاکٹر عبدالہادی الفضلی کی یہی تحقیق ہے، اور امام ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے بتیس (۳۲) مؤلفین نے اس موضوع پر کتابیں تالیف کی ہیں۔ اس تحقیق کی رُو سے علمِ قراآت کی تدوین کی تحریک پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوئی اگرچہ یہ سب کچھ زیادہ فنی اور باریکی کے ساتھ نہیں تھا جیسا کہ ہم عصر محقق نے سمجھا ہے۔

پھر تیسری صدی ہجری میں علمِ قراآت ترقی کی منازل طے کرنے لگا، اور چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہوا اور اپنے کمالِ عروج کو پہنچا۔ پھر چھٹی صدی ہجری کے اوائل سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک اس پر کام ڈھیلا پڑ گیا، جیسا کہ ڈاکٹر محمد سالم محیسن کا یہی کہنا ہے۔ اس کے بعد نویں صدی ہجری میں انگلیوں پر گنی جانے کے قابل چند تصانیف کے علاوہ کوئی قابلِ قدر تصنیف ہم اس موضوع پر نہیں پاتے ہیں۔

نویں صدی ہجری کے بعد علمِ قراآت میں تصانیف بہت کم ہوئیں اور امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۹۰ھ) کی

منظوم تالیف حرز الأماني ووجه التهاني کی شرح لکھنا علماء کرام کی ساری کوششوں کا محور بن گیا۔ شاید اس کی وجہ اس علم میں مشغول ہونے والے لوگوں کی کمی ہو، کیونکہ لوگوں کو یہ علم مشکل لگنے کی وجہ سے لوگ اس کے حاصل کرنے سے بے رغبتی کر رہے تھے۔

قرّاءِ عشرہ یا ان کے شاگردوں اور راویوں میں سے ان مشہور ائمہ کرام کے نام جنہوں نے علمِ قراآت میں کتابیں تالیف کیں:

۱......امام ابوعمرو ابن العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۴ھ)

۲......امام حمزہ بن حبیب الزیات رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۶ھ)

۳......امام علی بن حمزہ کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۹ھ)

۴......امام اسحاق بن یوسف الازرق رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۹۵ھ)

۵......امام یحیی بن مبارک الیزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۲ھ)

۶......امام یحیی بن آدم رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۳ھ)

۷......امام یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۵ھ)

۸......امام خلف بن ہشام البزار رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۹ھ)

۹......امام عبداللہ بن احمد دمشقی المعروف بابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۲ھ)

۱۰......امام ابوعمر حفص الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۶ھ)

۱۱......امام احمد بن محمد البزی المکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۵۰ھ)

اس بابرکت علم میں یکے بعد دیگرے کتابیں تالیف کی جانے لگیں یہاں تک کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور تک چالیس (۴۰) سے زیادہ کتابیں منصۂ شہود پر آگئیں۔

۷......ساتواں مرحلہ: قراآت کو محدود کرنے کی فکر کا سامنے آنا:

قراآت کو محدود کرنے کی فکر تیسری صدی ہجری سے سامنے آئی۔ چنانچہ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۴ھ) نے ایک کتاب تالیف فرمائی جس میں پچیس (۲۵) قاریوں کی قراآت کو جمع فرمایا، ان میں قرّاء سبعہ جو آجکل معروف ہیں، یہ بھی شامل تھے۔ امام احمد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۵۸ھ) نے بھی علمِ قراآت میں ایک کتاب تالیف فرمائی اس کا نام ''الخمسة'' رکھا۔ امام ابوبکر الداجونی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۴ھ) نے ''الثمانية'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے قراآتِ سبعہ اور یعقوب حضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراء

ت بھی درج کی، اسی طرح قاضی اسماعیل بن اسحاق المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۸۲ھ) اور علامہ ابن جریر الطبری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۱۰ھ) میں سے ہر ایک نے قراآتِ مشہورہ میں کتابیں تالیف کیں۔ان قراآتِ مشہورہ میں موجودہ قراآتِ سبعہ بھی شامل تھیں لیکن جب قراء کثرت سے ہوئے اور ان سے بکثرت روایات کی جانے لگیں اور قریب تھا کہ قراآت میں اضطراب آجائے اور کمزور وغیر مشہور قراآت اس میں سرایت کر جائیں تو اس وقت امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۴ھ) کو یہ فکر ہوئی کہ ان مشہور قراء کرام کی قراآت کو ایک جگہ جمع کیا جائے جو مملکت اسلامیہ کے ان مشہور شہروں میں رہائش پذیر تھے جہاں سے لوگ قراآت حاصل کرتے تھے اور یہ قراء کرام ان خاص قراآت کے ساتھ شہرت رکھتے تھے۔

۸......آٹھواں مرحلہ: قراآت کو سات بنانے کا مرحلہ:

یعنی قراآت کو سبعہ میں منحصر کرنا اور ان مرویات میں منحصر کرنا جو کسی خاص کتاب میں قابل اعتماد اور ثقہ ائمہ قراآت سے مروی ہیں اور یہ سب کچھ ان مرویات کی خوب چھان بین کرنے کے بعد اور ان کے متواتر ہونے کا یقینی ثبوت حاصل کرنے اور عوام وخواص میں ان مرویات کے قبولیت عامہ تامہ حاصل کرنے کے بعد کیا گیا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں اپنے زمانے کے امام القراآت وشیخ القراء امام علامہ ابوبکر ابن مجاہد بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآت کو سات میں منحصر کرنے کا کام کیا۔چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''السبعۃ'' میں قراء سبعہ کی قراآت کو جمع فرمایا۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمل کوئی نیا اور اچھوتا کام نہیں تھا آپ سے پہلے بھی قراآت کو محدود کرنے کی فکر اور سوچ پائی جاتی تھی اور آپ سے پہلے قراآت مشہورہ میں کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔ان قراآتِ مشہورہ میں ان سات ائمہ کرام کی قراآت بھی شامل تھیں جن کو علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے پڑھنے پڑھانے کے لئے اختیار فرمایا تھا۔آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ قراآتِ مشہورہ بالکل بے غبار ہو کر سامنے آئیں تا کہ قراآتِ صحیحہ میں کسی قسم کا خلجان نہ آنے پائے اور ان میں کسی قسم کی شک کی گنجائش باقی نہ رہے۔علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ قراآت کے تعلیم وتعلم کی بنیادی طریقہ کار کی حفاظت ہو جائے جو کہ قابلِ اعتماد نقل وسماع پر مبنی تھا، تا کہ قابلِ اعتماد و قابلِ بھروسہ نقل کی جگہ مشکوک اور غیر معتبر نقل نہ لے لے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے نقل و روایت کی جگہ شخصی اجتہادات نہ آنے پائیں۔یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''السبعۃ'' میں قراء کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ان کی بات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱......حاملینِ قرآن میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جو لغات کے جاننے والے ہیں، کلمات کے معانی ومفہوم کا علم

رکھتے ہیں اور قراآت کی وجوہ اور اس کے عیوب اور صرفی ونحوی تراکیب اور احادیث کے ماہر ہیں۔ یہ وہ حضراتِ ائمہ ہیں جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت لوگوں کے مرجع ہیں۔

۲......اور بعض لوگ وہ تھے جو فصیح و بلیغ تھے اور کلام میں غلطی نہیں کرتے تھے اور اپنی خاص لغت اور لہجے میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور کوئی دوسرا لہجہ اختیار کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ عرب کے دیہاتی لوگ تھے۔

۳......ان قراء میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ جو کچھ سنتے اس کو اسی طرح آگے پہنچاتے تھے۔ یہ لوگ صرفی نحوی تراکیب اور لغت سے ناواقف تھے۔ چنانچہ یہ صرف قراآت کے حافظ تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ قراآت بھول گئے اور غلطی کرلی۔ چونکہ وہ لوگوں کے نزدیک معتبر ہوتے تھے اس لئے لوگ ان سے قراآت حاصل کرتے تھے۔ (اور جو غلطی ان سے ہوتی اس کو بھی اعتماداً علیہ صحیح سمجھ کر آگے نقل کرتے تھے۔)

۴......قراء کرام میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو صرفی نحوی تراکیب، معانی اور لغات کے عالم تھے لیکن علمِ قراآت سے ناواقف تھے۔ چنانچہ کبھی کبھی وہ ایسی قراءت پڑھتے تھے جو عربیت کی رُو سے جائز ہوتی تھی لیکن اس سے پہلے کسی نے بھی اس وجہ کو نہیں پڑھا۔ اس وجہ کو ایجاد کرنے والا یہی قاری ہوتا تھا۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قراء سبعہ کو اختیار کرنا اور علمِ قراآت میں ان کی کتاب ''السبعۃ'' کی تالیف نے قاریوں کی دنیا میں دوسروں کی نسبت زیادہ شہرت پائی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف قراآتِ متواترہ کو جمع فرمایا تھا اور شاذ قراآت کو بالکل نہیں لیا تھا اگرچہ وہ شاذ قراآت سبعہ کے قاریوں میں سے کسی سے ہی مروی ہوں اور اس شہرت کی دوسری وجہ خود علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی، کیونکہ آپ علمِ قراآت میں حجت اور دلیل مانے جاتے تھے۔ انتہائی معتمد اور حافظہ والے تھے اور علم، فہم، تقویٰ اور لہجہ کے ٹھیک ہونے میں اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور ان پر فائق تھے۔ آپ کے زمانے میں اکثر قراء آپ کے شاگرد تھے اور آپ نے اپنی اس خاص تالیف کے ذریعے قراآتِ شاذّۃ کو الگ کرلیا۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن قراء کرام کی قراآت کو اختیار فرمایا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱......مدینہ منورہ سے: امام نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۹ھ)

۲......مکہ مکرمہ سے: امام عبد اللہ بن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۰ھ)

۳......بصرہ سے: امام ابوعمرو ابن العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۴ھ)

۴......شام سے: امام عبد اللہ بن عامر الیحصبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۸ھ)

۵......کوفہ سے: امام عاصم ابن ابی النجود رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۷ھ)

۶......کوفہ کے دوسرے قاری: امام حمزہ بن حبیب الزیات رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۶ھ)

۷......کوفہ کے تیسرے قاری: امام علی بن حمزہ کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۹ھ)

یہ سارے وہ حضرات تھے جن کی امامت مشہور و مسلّم تھی اور جنہوں نے قرآن مجید پڑھنے پڑھانے میں اپنی عمریں کھپادیں اور لوگ دوسرے شہروں سے سفر کرکے ان کے پاس قراآت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

عام لوگوں کے انہی حضرات کی قراآت پر اعتماد کرنے کے دو اسباب ذکر کئے گئے ہیں:

۱......ان حضرات نے اپنے علمی کمال اور تبحر کے باوجود قراآت کے پڑھنے پڑھانے کے لئے اپنے آپ کو بالکل فارغ کردیا تھا اور اپنی ساری توجہ اور کوششوں کا محور اسی کو بنا رکھا تھا۔

۲......ان حضرات کی قراآت لفظاً و سماعاً مکمل قرآن مجید شروع سے آخر تک ایک ایک حرف سند کے ساتھ پایا گیا۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان قراآت کو اختیار کرنا قراآت کو قبول کرنے کی معروف شرائط پر مبنی تھا یعنی:

۱...قراآت کی سند بالکل ٹھیک ہو، ۲...قواعد عربیہ کے موافق ہو، ۳...اور رسمِ عثمانی کے مطابق ہو۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے عمل کی قدر و قیمت:

ایک وقت ایسا تھا کہ قراآت بہت کثرت سے ہونے لگیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے ان کو پچاس تک پہنچا دیا، اور قریب تھا کہ یہی چیز کسی قسم کے خلجان اور تحریف والی قراءت قاریوں کی زبان پر چڑھنے کا دروازہ کھول دے، کیونکہ قرّاء کرام میں بعض تو انتہائی مضبوط اور ماہر تھے جیسا کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرّاء کی ان اقسام کو بیان فرمایا ہے، اور بعض اتنے ماہر اور مضبوط نہیں تھے۔ اس کے علاوہ امام ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان جیسے دوسرے قاریوں کی وجہ سے معاملہ اور زیادہ گھمبیر ہوگیا تھا، کیونکہ یہ حضرات حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مصاحف سے قراآت نقل کرکے روایت کرتے تھے، اور اسی طرح امام ابن مقسم العطار رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۹۶ھ تا ۳۸۰ھ) کے عمل کی وجہ سے بھی معاملہ خراب ہوگیا تھا، کیونکہ یہ حضرات جن قراآت کا مصاحف عثمانی احتمال رکھتے تھے ان محتملہ قراآت کو استنباط اور قیاس کے ذریعے بنا کر روایت کرتے تھے، جو خالص ان کی ذہنی اختراع ہوتی تھی۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ مشہور اور باکمال شیوخ القرّاء میں سے کوئی ایسا شیخ سامنے آئے جو ایک طریقے سے قراآت کو قبول کرنے کے لئے ارکان اور اصول و شرائط وضع کرے، اور تمام قرّاء میں سے مشہور اور باکمال قرّاء کی ایک جماعت کو منتخب کرے کہ ان کی قراآت پر اکتفاء کیا

جائے، تاکہ متوسط ذہن والے قاری کی عقل میں یہ تمام قرآت سما سکیں۔ چنانچہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اٹھے، جنہوں نے امتِ اسلامیہ کے دین اور قرآن مجید کے لئے خوب محنت کی، اور انہوں نے خوب محنت اور کوشش سے کام کیا، یہاں تک کہ پانچ مشہور اسلامی شہروں سے سات قراء کرام کا انتخاب کیا۔ یہ پانچ مشہور شہر وہ تھے جہاں سے تمام عالمِ اسلام کے مسلمان علمِ قرآت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے اور لوگ ان شہروں میں آکر استفادہ کرکے عالَمِ اسلام میں پھیل جاتے تھے۔ یہ مشہور شہر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ اور شام ہیں۔ اس لئے چنیدہ اور منتخب کردہ قراء کرام علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سات ہوگئے، اور ان سات قراء کرام کی قراءت پر "السبعة" کے نام سے اپنی کتاب تالیف کی۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی بڑائی اور عظمت پر آپ کے ہم عصروں اور بعد کے آنے والوں نے اتفاق کیا اور ان کی عظمت وجلالت کے قائل ہوگئے۔

یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عمل سے قرآتِ سبعہ کے علاوہ دوسری صحیح قرآت کو ختم کرنا چاہا تھا اور دوسرے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ یہ گمان کرتے تھے کہ قرآتِ سبعہ میں سے ہر ایک قراءت احرفِ سبعہ میں سے ایک ایک حرف کی تمثیل اور صورت ہے۔

چنانچہ بعض ایسے حضرات آئے جنہوں نے کسی خاص قراءت پر کتابیں لکھیں، جیسے علامہ عبد الباری الصعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۵۰ھ کے بعد کسی وقت) کی کتاب "مفردة يعقوب"۔ بعض حضرات وہ ہیں جنہوں نے قرآتِ ستہ میں کتاب لکھی، جیسے "الكفاية" یہ وہ کتاب ہے جس میں علامہ سبط الخیاط رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہبۃ اللہ بن احمد الحریری (وفات: ۵۳۱ھ) کے لئے چھ قرآت کو جمع کیا۔ بعض نے آٹھ قرآت پر کتابیں لکھی، جیسے علامہ ابن غلبون الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۹۹ھ) کی کتاب "التذكرة"۔ بعض نے دس قرآت پر کتابیں لکھی، جیسے علامہ نصر بن عبد العزیز الفارسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۶۱ھ) کی کتاب "الجامع"۔ بعض نے گیارہ قرآت پر کتابیں تالیف کی، جیسے علامہ حسن بن محمد البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۳۸ھ) کی کتاب "الروضة"۔ اور بعض نے تیرہ قرآت پر کتابیں تصنیف کی، مثلاً علامہ ابن جندی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۶۹ھ) کی کتاب "البستان"۔

اسی طرح کسی نے پندرہ قرآت پر کتاب تالیف کی اور کسی نے دس قرآت میں سے کسی ایک کو حذف کرکے اس کی جگہ شاذ روایتوں میں سے کسی روایت کو جگہ دی اور اس موضوع پر پے در پے تصانیف منصۂ شہود پر آنے لگیں۔ ان تمام کوششوں کا مقصد ان توہمات کو ختم کرنا تھا جو عوام میں سے بعض جاہلوں کے دماغوں میں پیدا ہوگئے تھے یا بعض کمزور علم ومعرفت والے لوگوں کے دماغوں میں پروان چڑھ رہے تھے۔

حق بات یہ ہے کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سبعہ کے علاوہ باقی قرآت کو ختم کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن سند اور

روایت کے اعتبار سے باقی قراآت کو سبعہ کے بعد رکھنا چاہتے تھے اور دیگر قراآت کو اپنی کتاب "الکبیر" میں جمع فرمایا۔ یہ وہ کتاب ہے جو امام ابن جنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۹۲ھ) کی تصانیف کے لئے پہلی بنیادی کتاب تھی۔ قراآتِ شاذّۃ اور ان کی توجیہہ کے موضوع پر امام ابن جنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "المحتسب" کا مدار ان کی کتاب (الکبیر) پر ہے۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے اس عمل سے بقیہ قراآت کو ختم کرنا نہیں چاہتے تھے، اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "السبعة" میں بطورِ استشہاد قراآتِ سبعہ کے علاوہ دوسرے قاریوں کی قراآت کو بھی لاتے ہیں، مثلاً امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت، امام شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت، اور اسی طرح بعض دوسرے حضرات کی قراءت۔

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآت میں سے جن قراآت کو چن لیا ہے ان قراآت کو منتخب کرنے اور دوسری قراآت پر ترجیح دینے کی وجہ یہ تھی کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے دراصل ان مشہور اسلامی شہروں کا قصد کیا تھا جو قراء کی نسبت سے مشہور تھے اور ان مشہور قراء میں سے جو ان کی رائے کے مطابق زیادہ پختہ کار اور مضبوط تھے جب ان کو منتخب کیا تو اتفاقاً ان کی تعداد سات ہوگئی۔ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بالذات سات کے عدد کا قصد نہیں کیا تھا، جیسا کہ بعض کا یہی گمان ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس عمل سے بعض عوام کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ عقیدہ تھا کہ یہی قراآتِ سبعہ ان احرفِ سبعہ کے مصداق ہیں جن کا تذکرہ حدیث (أنزل القرآن علی سبعة أحرف) میں آیا ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کسی اور کی غلطی اور وہم کے ذمہ دار ہرگز نہیں ہیں۔ اگر واقعۃً آپ کا یہی اعتقاد ہوتا تو آپ بقیہ قراآت کو لغو قرار دیتے اور منسوخ سمجھتے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ نے نہ تو باقی قراآت پر شاذ ہونے کا حکم لگایا اور نہ ان کے متواتر ہونے کا انکار کیا بلکہ باقی قراآت کو مرتبے میں قراآتِ سبعہ سے کم تر سمجھتے تھے۔

اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراءِ سبعہ کو جو باقی قراء پر فوقیت دی اس معاملے میں کوئی بھی ان سے مناقشہ نہیں کرسکا اور نہ ان سے کسی نے رجوع کرنے کو کہنے کی جرأت کرسکا۔ چنانچہ تمام علماءِ امت ان قراءِ سبعہ پر راضی ہوگئے اور ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان قراءِ سبعہ کو باقی پر مقدم رکھنے کے لئے جو کوشش کی ان کی اس کوشش کو سراہا اور اس پر راضی ہوگئے۔

جب ہم سبعہ کے بعد آنے والے باقی سات قراء (ثلاثہ مشہورہ اور ان کے بعد چار شاذّۃ) کو ذرا گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان قراءِ اربعہ عشرہ میں سے سبعہ کے بعد سب سے پہلے امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ

تعالیٰ کا اسمِ گرامی آتا ہے جو کہ امام نافع مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں تو ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے استاذ کو چھوڑ کر شاگرد کو اختیار اس لئے فرمایا کیونکہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں دوسرے قراء کی نسبت امام نافع مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت لوگوں میں زبانِ زدِ عام تھی ور لوگ اس سے زیادہ مانوس تھے اگر چہ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت اپنے استاذ امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہی سے ماخوذ تھی۔ اسی طرح امام یعقوب الحضرمی اور امام یحیی الیزیدی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کے مقابلے میں امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت پر اکتفاء اس لئے فرمایا کیونکہ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ قراآت اور لغت کے بہت ماہر تھے اور ان فنون میں ان کی اونچی شان تھی اور ان کی قراءت لوگوں میں مقبول تھی۔ اور امام خلف بزار کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت کو چھوڑنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کی قراءت کسی بھی وجہ میں کوفیین کی قراآت سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت کو ترک کرنے کی وجہ شاید خود ان کی ذات بنی ہو، کیونکہ ان کی قراءت میں شذوذ پائے جاتے تھے۔ ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے ایک کلام میں ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ امام ابن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت پر اس طرح متفق نہیں ہوئے جس طرح امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت پر متفق ہوئے اور اس پر اعتماد کیا حالانکہ امام ابن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مکی تھے، یہاں تک کہ امام ابن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ کی اختیار کردہ قراءت میں ان کے شاگردوں نے بھی ان کی اتباع نہیں کی۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی قراءت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر ان کی قراءت میں مصحف عثمانی کی مخالفت نہ ہوتی تو قراآتِ مشہورہ میں ان کی قراءت کو جگہ دی جاتی۔ چنانچہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل جدوجہد اور عرصہ دراز تک اپنی قوت و طاقت اور محنت کو کام میں لاتے ہوئے سالوں تک ٹھنڈے دماغ سے غوروفکر کرنے کے بعد ہی سبعہ کو چنا اور انہی پر انحصار فرمایا۔ ان قراآتِ متواترہ کو منتخب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ان کے شامل حال ہوگئی تھی، پھر اس کام میں جمہور علماء اور قراء کرام نے ان کی اتباع کی اور ان سے قراآتِ سبعہ حاصل کیں اور ان کی کتاب بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے لئے بنیادی ماخذ اور قابل بھروسہ تالیف بن گئی۔ چنانچہ بعد میں آنے والے انہی کی کتاب کی روشنی میں تالیف کرنے لگے، جیسا کہ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤلفِ "جامع البیان" اور "التیسیر فی القرآت السبع" اور ابومحمد قاسم بن فیرّہ الشاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ ناظمِ "حرز الامانی ووجہ التہانی" وغیرہ علماء کرام کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف ہے، اور سب نے ان سبعہ قراآت کے تواتر پر اتفاق کیا اور ان سبعہ قراآت پر امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآتِ ثلاثہ کا بھی اضافہ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآت کو سات بنانے کے اپنے اس عمل کے ذریعے امت کے سامنے ایک عظیم الشان کام پیش کیا، کیونکہ قراآت کو کثرت سے روایت کرنا ناپختہ اور کمزور قراء کے ہاں ایک قسم کے

اضطراب کا سبب بن جاتا اور (اس زمانے میں) بہت سے لوگ یہ کوشش کرنے لگے کہ قراآت میں سے کوئی قراءت اپنے لئے خاص کر دیں جس کے ذریعے وہ دوسروں سے ممتاز اور منفرد ہو جائیں جیسا کہ ابن شنبوذ اور ابن مقسم العطار رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں اوپر بتا دیا گیا ہے۔

ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سات قراآت کو چن کر قراآت سے ایسی لغزشوں کو دور کر دیا جن میں پڑنے کا اندیشہ تھا اور قراء سے خلجان اور خلط ملط کرنے کے امکان کو ختم کر دیا۔ قراآت کے حوالے سے ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اس کام میں ان کے اخلاص کی دلیل وہ واقعہ ہے جو ان کے بعض شاگردوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے بعض شاگردوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے لئے کوئی ایسی قرأت کیوں اختیار نہیں کرتے ہیں جو آپ ہی سے نقل کی جائے؟ یہ سوال اس لئے کیا گیا کیونکہ آپ قراآت کے روایت کرنے کی قوت میں اور وجوہِ قراآت کے جاننے میں اور قراآت کی وجوہ کو باوجود کثرت سے ہونے کے یاد کرنے اور ضبط کرنے میں اپنے ہم عصروں پر فائق تھے۔ چنانچہ یہ سوال سن کر امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں جواب دیا:

''ہم اس بات کے زیادہ محتاج ہیں کہ ہمارے أئمہ کرام جو کام کر گزرے ہیں ان کو یاد کرنے میں اپنے آپ کو کھپائیں بمقابلہ اس بات کے کہ ہم کوئی ایسی قراءت اختیار کریں کہ ہمارے بعد آنے والے اسی کی تلاوت کریں۔''

اور اسی کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآت سے واقف ہونے اور ان سب کو یاد کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اپنے لئے کوئی ایسی قراءت کو خاص کر لیں کہ جس کے ساتھ وہ مشہور ہو جائے اور اس کے ذریعے ان کی پہچان ہو جائے اور ان سے وہ قراءت حاصل کی جانے لگے۔ اگر آپ اس طرح سوچتے تو ضرور بالضرور انتہائی سہولت اور آسانی کے ساتھ ایسا کر سکتے تھے لیکن یہ ان کا مطمح نظر نہیں تھا، ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ امت کے لئے ان قابل بھروسہ اور اہم قراآت کو الگ کر دیں جو اسلامی شہروں میں پھیلی ہوئی تھیں۔

تیسری بحث

قراآت صحیحہ کے ارکان

(قراآت کو قبول کرنے کے لئے شرائط)

☆......قراآت صحیحہ کے ارکان۔

☆......وہ قراآت جن میں قبولیت کی شرائط پائی جاتی ہیں۔

☆......قراآتِ متواترہ کے موضوع پر لکھی گئی مشہور کتابیں۔

☆......بعض قراآتِ متواترہ کی مثالیں۔

☆☆☆☆☆

قراآتِ صحیحہ کے ارکان یعنی قبولِ قراآت کی شرائط:

(ا)......متقدمین کے ہاں قبولِ قراآت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱...اس قرأت کے واسطے عربیت میں کوئی مضبوط وجہ ہو۔

۲...مصحف عثمانی کے رسم کے موافق ہو۔

۳...عامۃ الناس کا اس پر اتفاق ہو۔

عامۃ الناس سے ان حضرات کی مراد اہلِ حرمین یا اہلِ مدینہ اور اہلِ کوفہ ہیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ متقدمین اسی قراءت کو اختیار کرتے تھے جس پر امام نافع اور امام عاصم رحمہما اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہو، کیونکہ ان دونوں حضرات کی قراءت تمام قراآت میں سے سے معتبر اور سند کے لحاظ سے سب سے صحیح اور عربیت میں سب سے فصیح ہے۔فصاحت میں ان دونوں حضرات کی قراءت کے بعد امام ابوعمرو اور امام کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کی قراءت کا نمبر آتا ہے۔

(ب)......پھر قراآت صحیحہ اور غیر صحیحہ میں امتیاز کرنے کا یہ ضابطہ اور مقیاس مندرجہ ذیل شرائط میں بدل گیا:

۱...سند کی صحت،

۲..عربیت کی موافقت،

۳...مصاحف عثمانی کے رسم کی مطابقت۔

اسی پیمانے کی روشنی میں ان حضرات نے قراآت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

ا...قراآتِ صحیحہ: یہ وہ قراآت ہیں جن میں مذکورہ بالا تمام شرائط پائی جائیں۔

۲...قراآتِ غیر صحیحہ: یہ وہ قراآت ہیں جن میں مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

(ج)...... پھر ایک وقت ایسا آیا کہ یہ پیمانہ دوسری اور تیسری شرط میں کچھ مزید گنجائش اور توسع کا حامل ہوگیا، چنانچہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق شروط کچھ اس طرح سے ہوگئیں:

ا...قراءت سند کے اعتبار سے صحیح ہو،

۲...عربی ونحوی وجوہ میں سے کسی وجہ کے موافق ہو (فصیح تر ہو یا صرف فصیح، اتفاقی ہو یا مختلف فیہ)

۳...عثمانی مصاحف میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے مطابق ہو، گو یہ مطابقت احتمالی وتقدیری ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ "الطیبۃ" میں فرماتے ہیں:

فكل ما وافق وجه نحو وكان للرسم احتمالا يحوى

وصح إسناداً هو القران فهذه الثلاثة أركان

وحيثما يختل ركن أثبت شذوذه لو أنه في السبعة

ترجمہ: "پس قراآت کا ہر وہ اختلاف جو کسی نحوی وجہ کے موافق ہو اور اس کو رسمِ عثمانی کی موافقت حاوی ہو گو وہ احتمال ہی کے طور پر ہو،

اور وہ سند کی رُو سے بھی صحیح ہو تو یہ (اختلافی وجہ ان تین شرطوں سے یقیناً) قرآن (کا حصہ) ہے پس یہ تین ارکان ہیں (کسی قراءت کے قبول کرنے کے واسطے)

اور جس جگہ کوئی رکن خلل پذیر ہو جائے تو اس وجہ کے شاذ ہونے کو ثابت کردے اگرچہ وہ سبعہ ہی میں سے کیوں نہ ہو۔"

صحتِ سند کے معیار میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تواتر شرط ہے اس لئے کہ یہ قراآت قرآن ہیں اور قرآنیت صرف تواتر سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے شہرت کو کافی سمجھا ہے، کیونکہ قراآت کی قرآنیت کو ثابت کرنے کے لئے جو قطعی یقین مطلوب ہے وہ شہرت سے حاصل ہوتا ہے۔ شارح شاطبیہ ابو شامہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ ان حضرات میں شامل ہیں اور ان کا مذہب بھی یہی ہے۔

(د)......آخرکار قبولِ قراآت کے لئے مندرجہ ذیل ارکان پر اُمت کا اتفاق ہو گیا:

ا...قراءت متواتر ہو،

۲...عربی ونحوی وجوہ میں سے کسی وجہ کے موافق ہو،

۳...عثمانی مصاحف میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے مطابق ہو، اگر چہ مطابقت احتمالی وتقدیری ہی کیوں نہ ہو۔

ان آخری تین ارکان کی شرح:

ا......تواتر:

تعریف: ایک ایسی جماعت کا دوسری جماعت سے نقل کرنا کہ اتنے کثیر لوگوں کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عقلاً محال ہو اور اس طرح کی نقل سند کے ساتھ شروع سے آخیر تک پائی جائے۔ اس میں عدد کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ قراآت کو قبول کرنے کے لئے جمہور کے نزدیک تواتر ایک بنیادی شرط ہے، اور یہ حضرات صرف سند کے صحیح ہونے پر اکتفاء نہیں کرتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے قرآن کی تعریف یوں کی ہے:

مانقل إلينا بين دفتي المصحف نقلاً متواتراً جيلاً بعد جيل.

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قراءت متواتر نہیں ہوگی وہ قرآن نہیں کہلائے گی اور نہ عبادت کے طور پر اس کی تلاوت کی جائے گی۔

قبولِ قراآت کی شرائط کے بارے میں علامہ مکی ابن ابی طالب اور علامہ ابن الجزری رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول:

علامہ مکی ابن ابی طالب رحمہ اللہ تعالیٰ تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''قراءت صحیحہ وہ ہے جس کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما تک صحیح ہو، عربیت کی رُو سے یہ وجہ جائز ہو اور مصاحف کے رسم کے مطابق ہو۔''

حق بات یہ ہے کہ علامہ مکی ابن ابی طالبؒ کے ہاں تواتر شرط ہے اس کی دلیل "الإبانة" میں ان کی وہ عبارت ہے جس میں وہ قراآت کی تین قسمیں بیان کرتے ہوئے قراآت کی قسمِ اوّل کے بارے میں فرماتے ہیں:

''قراآت کی ایک قسم وہ ہے جو آج کل پڑھی پڑھائی جاتی ہے، یہ وہ قراءت ہے جس میں تین باتیں جمع ہوں، وہ

تین باتیں یہ ہیں: ہم سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما تک ثقات سے منقول ہو.........الخ‘‘

اور قسم ثانی کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’جو اخبارِ احاد سے نقلِ صحیح سے ثابت ہو.........الخ‘‘

چنانچہ لفظ ’’ثقات‘‘ جمع لانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تواتر ان کے ہاں شرط ہے۔اسی طرح قسم ثانی کی تعریف بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قسم اوّل سے مقصود متواتر ہے۔اس طرح ان کے نزدیک اخبارِ احاد سے قرآن کو لینا جائز نہ ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک قراآت کو قبول کرنے کے واسطے تواتر شرط ہے۔بہر حال علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآت کے لئے تواتر کے شرط نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ولقد كنت أجنح قبل إلى هذا القول ثم ظهر فساده.............الخ

ترجمہ: ’’اس سے پہلے میں اس قول کی طرف مائل تھا پھر اس قول کی خرابی ظاہر ہوئی.........الخ‘‘

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ”هذا القول“ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے جس کا تذکرہ اس سے پہلے آپ نے اپنی کتاب ”منجد المقرئین“ میں کیا ہے کہ قراآت کے لئے تواتر شرط ہے اور اس کتاب میں قراآتِ ثلاثہ جن سے عشرہ مکمل ہو جاتی ہے، ان کے تواتر کو ترجیح دی ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر علامہ امام ابن حاجب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو رد کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے کہ ابن حاجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرش کے متواتر ہونے کو ضروری قرار دیا ہے نہ کہ اصول کو بھی۔پھر علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے اس بات کی طرف رجوع فرمایا جس کو آپ نے اپنی کتاب ”النشر في القراآت العشر“ میں ثابت کیا ہے۔اس کے ساتھ ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کیا اور قبولِ قراآت کے لئے تواتر کے شرط نہ ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔یہ وہ بات ہے جس کو اپنے منظوم کلام میں بیان کیا ہے کہ:

وصح إسنادا هو القران.........الخ

ترجمہ: ’’اور جو سند کے اعتبار سے صحیح ہو وہی قرآن ہے.........الخ‘‘

ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کا تواتر کو شرط قرار نہ دینا کوئی مضر نہیں ہے، کیونکہ آپ کے علاوہ دوسرے حضرات نے تواتر کو شرط قرار دیا ہے بلکہ امت کا اس کے شرط ہونے پر اجماع ہے۔امام ابو القاسم النویری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی طيبة النشر کی شرح میں بیان فرماتے ہیں:

’’علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول ”و صح إسنادا“ کے ظاہر سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرآن کے ثبوت کے لئے پہلی دو شرطوں سمیت صرف سند صحیح ہی کافی ہے اور تواتر کی ضرورت نہیں ہے، یہ ایک نیا اور جدید قول ہے جو

کہ فقہاء اور محدثین وغیرہ کے اجماع کے خلاف ہے.............. اس قول کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے اور ایسی قراآت کی تلاوت کرنے لگے کہ جن کی کوئی اصل ہی نہیں ہے اور یہ کہتے ہیں کہ قراءت کے ثبوت کے لئے تواتر شرط نہیں...........‘‘۔

مذاہب اربعہ کے ائمہ کرام میں سے جمہور کا مسلک یہ ہے اور ان حضرات میں امام غزالی، صدر الشریعہ اور موفق الدین المقدسی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بھی شامل ہیں کہ قرآن نام ہے اس چیز کا جو مصاحف میں نقل متواتر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

"القران ما نقل بين دفتي المصحف نقلا متواترا"

چنانچہ تواتر قرآن کی تعریف کا حصہ ہے، قرآن کا تصور اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اور ایسی صورت میں مذاہب اربعہ کے ائمہ کرام کے نزدیک بھی تواتر کا حصول ضروری ہے اور ان میں سے کسی نے بھی اس بات کی مخالفت نہیں کی ہے اور اتنے سارے لوگوں نے اس کی صراحت کی ہے جو حد و شمار سے باہر ہیں، مثلاً: علامہ ابن عبد البر، علامہ ابن عطیہ، علامہ ابن تیمیہ، علامہ نووی، امام زرکشی، علامہ ابن حاجب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ باقی معاملہ رہا قرّاء کا، تو وہ شروع ہی سے اس پر متفق تھے کہ تواتر شرط ہے، اسی طرح متاخرین قرّاء بھی اسی بات کے قائل تھے اور متاخرین میں سے سوائے ابو محمد مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں اور بعض متاخرین نے اس بات میں ان کا اتباع کیا ہے۔

امام جعبری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شاطبیہ میں فرماتے ہیں:

’’تمام قراآت کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ اس کا نقل تواتر سے ثابت ہو، بغیر کسی قید کے عربیت کے مطابق ہو، اور مصاحف کے رسم کے مطابق ہو اگر چہ تقدیراً ہو۔ تو جو قراءت ایسی ہوگی وہ احرفِ سبعہ میں سے ہوگی.........اور جس میں یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ شاذ ہوں گی۔‘‘

قرّاء کرام میں سے جن حضرات نے قراءت کے لئے تواتر کی شرط لگائی ہے ان میں سے بعض قرّاء کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

☆......امام دانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ)

☆......امام ابو القاسم الہذلی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۶۵ھ)

☆......امام ابو القاسم الصفراوی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۳۶ھ)

☆......امام ابو الحسن السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۴۳ھ) وغیرہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ ’’المستصفی‘‘ میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اور صاحب مسلم الثبوت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

اصول کی کتاب میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاتقان میں تواتر کو قراآت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

۲......قراءت کا عربی ونحوی وجوہ میں سے کسی وجہ کے مطابق ہونا:

عربی لغت کی وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کے مطابق ہونا اس باب میں کافی ہے یعنی برابر ہے کہ یہ وجہ فصیح ہو یا فصیح تر ہو، مختلف فیہ ہو یا متفق علیہ، جب تک قراءت متواتر الاسناد ہو، مصاحف عثمانی میں سے کسی بھی مصحف کے رسماً موافق ہو تو من حیث اللغۃ اس وجہ کا ضعیف و کمزور ہونا کوئی مضر نہیں ہے اور کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ مثلاً: امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت: "وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامِ" (النساء:۱) میں "اَلْاَرْحَامِ" جر کے ساتھ، باقی حضرات نے لفظ اللہ پر عطف کر کے "اَلْاَرْحَامَ" کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بِہٖ کے ضمیر مجرور پر عطف کر کے مجرور پڑھا ہے۔ کوفیین کے مذہب کے مطابق یہ جائز ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں "اَلْاَرْحَامِ" پر حرف جار دوبارہ لایا گیا ہے لیکن شہرت کی بناء پر اس کو حذف کیا گیا ہے۔ (اس صورت میں ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف اعادۂ حرف جار کے ساتھ ہے نہ کہ بغیر اعادہ کے، البتہ شہرت کی بناء پر حرف جار کو حذف کیا گیا ہے تو اسم ظاہر پر باء حرف جار محذوف ہے)

ایک اور توجیہ یہ ہے کہ "وَالْاَرْحَامِ" کا واو برائے قسم ہے، تو "وَالْاَرْحَامِ" واؤ جارہ برائے قسم کی وجہ سے مجرور ہے اور اس قسم سے مقصود رشتہ داریوں کی عظمت کا اظہار اور ان کے ساتھ صلہ رحمی پر ابھارنا ہے۔ یہ قول بصریوں کے مذہب کے مطابق ہے اور جواب قسم "اللہ" ہے۔ (یعنی أقسم بالله الله الذی تساء لون به اتقوا) چنانچہ دونوں توجیہات کی رُو سے امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت من حیث اللغۃ صحیح اور درست ہے، اس میں کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں ہے نہ اس کے متواتر ہونے کی حیثیت سے اور نہ لغت عربی کے وجوہ میں سے کسی وجہ کے مطابق ہونے کی حیثیت سے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قراءت جب صحیح اور ثابت ہو تو نہ تو قیاس عربی اس کو رد کر سکتا ہے اور نہ لغت کی شہرت۔ اس لئے قراءت ایک ایسی سنت متبعہ ہے جس کو قبول کرنا واجب اور اس پر اعتماد لازم ہے۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یقیناً علماء نحو نے اپنے نحوی قواعد کو بنانے اور ترتیب دینے میں کتاب اللہ، احادیث نبوی اور کلام عرب سے مدد لی ہے۔ پس جب قرآن کی قرآنیت مقبول روایت کے ذریعے ثابت ہوگی تو علماء نحو کے لئے بھی یہی قرآن حَکَم (صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے والا) بن جائے گا اور جو قواعد انہوں نے بنائے ہیں ان پر بھی یہی قرآن حَکَم ہوگا۔ (نہ یہ کہ یہ قواعد قرآن کے لئے حَکَم ہوں گے کہ قرآن کو قواعد کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے ورنہ رد کیا جائے۔) تو ضروری ہے کہ علماء نحو اپنے قواعد کے بارے میں قراآت کی طرف رجوع کریں اور اپنے قواعد کے لئے قراآت کو مدار قرار دے دیں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم قرآن کے لئے ان کے قواعد کی طرف رجوع کریں جو کہ قراآت کے

مخالف ہیں اور اس معاملے میں ان قواعد کو قراآت پر حَکم بنائیں، ورنہ معاملہ برعکس ہوگا اور جس چیز کی رعایت رکھنے کے لئے جو اصول ضروری قرار دیئے ہیں ان کا بے کار ہونا لازم آئیگا کہ اصل یہ ہے کہ قواعد کو ٹھیک کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے مدد لی جاتی ہے نہ کہ قرآن کو ٹھیک کرنے کے لئے قواعد صرف ونحو سے مدد لی جاتی ہے۔''

قراءت کے ثابت ہونے کے لئے سند کے لحاظ سے متواتر ہونا ہی سب سے بڑی اصل اور مضبوط ترین رکن ہے اور محققین کے ہاں یہی پسندیدہ ہے۔ چنانچہ بہت سی قراءتوں کا بعض یا کئی نحویوں نے انکار کیا ہے لیکن ان کا انکار درجہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ جن ائمہ اسلام کے ارشادات پیروی کے لائق ہیں ان کا اِن سب قراءتوں کو قبول کرنے پر اتفاق ہے۔ امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قراءت کے امام قرآن کے کسی حرف میں اس وجہ پر عمل نہیں کرتے جو لغت میں زیادہ مشہور اور عربیت میں قیاس کے زیادہ موافق ہو بلکہ اس پر عمل کرتے ہیں جو اثر (نقل) کے اعتبار سے ثابت تر اور روایت کے لحاظ سے صحیح تر ہو۔''

۳...... قراءت کا مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہونا، اگرچہ یہ مطابقت احتمالی اور تقدیری ہی ہو:

قراءت کا کسی ایک مصحف کے مطابق ہونے سے مراد وہ اختلافی وجوہ ہیں جو صرف بعض مصاحفِ عثمانی میں لکھی ہوئی ہیں نہ کہ سب میں۔ مثلاً: امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت "وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ" (البقرۃ:۱۱۶) قالوا سے پہلے واو کے بغیر یعنی "قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ......" کیونکہ شامی مصحف میں اسی طرح (بغیر واؤ) کے یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔

اسی طرح انہی امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت "وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ" (آل عمران:۱۸۴) میں "الزُّبُرِ" اور "الْكِتٰبِ" دونوں اسموں میں باء کی زیادتی کے ساتھ یعنی "وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ" ہے کیونکہ شامی مصحف میں دونوں اسموں پر باء کی زیادتی ہے۔

اسی طرح امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ" (التوبۃ: ۱۰۰) میں "تَجْرِيْ" کے بعد "مِنْ" کی زیادتی کے ساتھ، یعنی "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ"۔ کیونکہ مکی مصحف میں یہ اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کلمات ہیں جن کے بارے میں مصاحف میں اختلاف ہے کہ بعض میں مرسوم ہیں اور بعض میں نہیں، اور تمام مقامات کے ائمہ کی قراءت بھی ان کلمات میں اپنے اپنے مصحف کے موافق وارد ہوئی

ہیں اور اگر یہ کلمات عثمانی مصاحف میں اس طرح مرسوم نہ ہوتے تو یہ سب قراآت اتفاقی رسم کے خلاف ہونے کی بناء پر شاذ ہو جاتیں۔

"ولو احتمالا" سے مراد یہ ہے کہ وہ قراءت رسم کے مطابق ہو اگر چہ تقدیراً ہی ہو۔ کیونکہ رسم کی موافقت دو طریقے پر ہے: اول تحقیقی؛ وہ یہ ہے کہ کلمہ کی رسم اور لکھائی صراحۃً اور ظاہراً اس کے تلفظ کے موافق ہو۔ اور دوم تقدیری؛ وہ یہ کہ کلمہ کو مختلف طریقوں سے لکھنے کا احتمال ہو۔

مثلاً: اللہ تعالیٰ کا قول: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" (الفاتحة:۴) کلمہ "مٰلِكِ" تمام مصاحف میں الف کے بغیر لکھا ہوا ہے اور یہ میم کے بعد اثبات الف کے ساتھ "فَاعِل" کے وزن پر اور حذف الف کے ساتھ "فَعِل" کے وزن پر دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور یہ دونوں قراآت متواتر ہیں۔ پس الف کے حذف والی قراءت تو تحقیقاً اور ظاہراً رسم کے موافق ہے جیسا کہ "مَلِكِ النَّاسِ" (الناس:۲) میم کے بعد بغیر الف کے لکھا جاتا ہے اور اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔ اور الف والی قراءت احتمالاً اور تقدیراً رسم کے موافق ہے "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ" (ال عمران:۲۶) کی طرح جو تمام مصاحف میں الف کے بغیر مرسوم ہے اور صرف الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ پس اب اس میں الف کا حذف اختصار کی بناء پر ہوگا، جیسا کہ "قادر" اور "صالح" اور اسی طرح کے دوسرے اسمِ فاعل کے صیغے ہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ قراآتِ مختلفہ جو تحقیقاً رسم کے مطابق ہوں بہت کثرت سے ہیں، مثلاً: "مِنْ اَنْصَارٍ" (المائدة:۷۲) اور "فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ" (ال عمران:۳۹)۔ اس میں "اَنْصَار" اور "نَادَتْهُ" کے دونوں کلمے فتح اور امالہ دو طریقے سے پڑھے گئے ہیں اور دونوں قراآت تحقیقاً رسم کے مطابق ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول: "نَّغْفِرْ لَكُمْ" (البقرة:۵۸) یاء، نون اور تاء تینوں طریقے سے پڑھا گیا ہے اور "تَعْلَمُوْنَ" کا کلمہ "وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْلَمُوْنَ" (البقرة:۷۴) تاء اور یاء کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے، یہ تمام قراآت تحقیقاً رسم کے مطابق ہیں کیونکہ مصاحفِ عثمانی نقطوں اور حرکات سے خالی ہیں۔

رسمِ صریح کی مخالفت ادغام، ابدال، اثبات، حذف وغیرہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اہلِ رسم اس کو مخالفت شمار نہیں کرتے، بشرطیکہ وہ قراءت سندِ صحیح و ثابت اور ائمہ کے نزدیک شائع و مشہور ہو، اسی لئے اہلِ فن یا آت زوائد کے اثبات یا اس کے حذف کو باوجود رسم کی مخالفت کے قابلِ رد نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی مخالفت معمولی اور درگزر کر دینے کے لائق ہے اس لئے کہ دونوں تلفظ قریب و مساوی اور مآل و معنی کی رُو سے متحد ہیں۔ نیز یہ قراآت صحیح بھی ہیں اور مشہور بھی ہیں اور ائمہ قراآت نے ان کو قبول بھی کیا ہے، یہ مزید تائیدات ہیں۔ البتہ اگر کوئی ایسا کلمہ زیادہ کر دیا جائے جو عثمانی مصاحف میں سے کسی ایک میں بھی نہ ہو، یا وہ کلمہ کم کر دیا جائے جو تمام مصاحف میں موجود ہو، یا مقدم یا مؤخر کر دیا جائے تو اس طرح کی مخالفت ہرگز جائز نہیں اگر چہ وہ کلمہ حروف معانی میں سے ہو

اور ایک حرفی ہی ہو، کیونکہ وہ بھی اس بارے میں ایک ہی کلمہ کے حکم میں ہے۔(یعنی زیادت و نقصان اور تقدیم و تاخیر ایک حرفی کلمہ میں بھی درست نہیں)اور یہی وہ حدِ فاصل ہے جس سے رسم کی موافقت ومخالفت کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

وہ قراآت جن میں سابقہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں:

وہ قراآت جن میں ماقبل میں ذکر کردہ وہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں جو جمہور علماء کے نزدیک معتبر ہیں تو یہ ہی وہ قراآتِ سبعہ ہیں جو ان سات مشہور ائمہ قراآت کی طرف منسوب ہیں جن کو علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالی نے اختیار کیا ہے اور ان کی قراآت پر مشتمل "السبعة" کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی ہے۔قراآت کی یہ وہ قسم ہے جس کے قرآن ہونے کا اعتقاد رکھنا اور منزل من اللہ ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔نماز میں اور خارج نماز میں بطور عبادت اس کی تلاوت کی جائے گی اور اس میں سے کسی حرف کا انکار کرنا کفر کو مستلزم ہے۔ والعیاذ باللّٰہ۔

امام ابن السبکی رحمہ اللہ تعالیٰ "جمع الجوامع" میں فرماتے ہیں:

"قراآتِ سبعہ قطعی متواتر ہیں.........قراء کی اسانید کا آحاد میں سے ہونا کوئی مضر نہیں ہے، اس لئے کہ ان قراآت کا کسی جماعت کے ساتھ خاص ہونا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ یہ قراآت ان کے علاوہ کسی اور سے بھی منقول ہوں بلکہ ایسا ہی ہوا ہے کہ اس خاص جماعت کے علاوہ دوسروں سے بھی یہ قراآت منقول ہیں۔ چنانچہ ہر شہر کے امام کی قراءت کو ایک جمِ غفیر (لوگوں کی کثیر تعداد) نے اپنے جیسے دوسرے جمِ غفیر سے حاصل کیا ہے اور یہ سلسلہ شروع سے اخیر تک چلا گیا ہے۔باقی یہ قراآت کے ائمہ کرام اور ان کے رُواۃ کی طرف سند بیان کرتے وقت اس لئے منسوب کی جاتی ہیں کیونکہ ان حضرات نے ان وجوہ کو ضبط کرنے کے لئے اپنی پوری توجہ اور زور صرف کیا ہے اور اس فن میں کمال حاصل کرنے والے اپنے اساتذہ کے علم وفن کو یاد کرنے میں اپنی عمریں کھپا دیں ہیں۔"

بہر حال علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب اختیار کرنا کہ: "قراآتِ سبعہ ان چیزوں میں متواتر ہیں جو ادا کی قبیل سے نہیں ہیں جیسے مد، امالہ، تخفیف ہمزہ وغیرہ وغیرہ........"

اور اسی طرح ابو شامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب کہ: "قراآتِ سبعہ ان چیزوں میں متواتر ہیں جن میں قراء سے نقل کرنے پر سارے طرق متفق ہیں باقی وہ وجوہ جن کے نقل کرنے میں طرق کا اختلاف ہے تو وہ متواتر نہیں ہیں........"

یہ سارے وہ مذاہب ہیں جو ٹھیک نہیں ہیں اور نا قابلِ قبول ہیں یہ دونوں حضرات یعنی علامہ ابن حاجب اور ابو شامہ المقدسی رحمہما اللہ تعالیٰ اپنے اس مذہب میں جمہور کے خلاف ہیں۔

قراآت کی یہ وہ قسم ہے جس پر بہت سے أئمہ قراآت نے کتابیں لکھی ہیں، ان حضرات میں سب سے زیادہ مشہور امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ) ہیں جنہوں نے قراآت سبعہ میں اپنی کتاب "التيسير" تالیف کی اور اس "التيسير" کو امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قصیدہ "اللامية" میں منظوم کیا ہے جو کہ "الشاطبية" کے نام سے معروف ہے۔ تیسیر اور شاطبیہ میں قراآتِ سبعہ مندرجہ ذیل طرق سے روایت کی گئی ہیں:

نمبر شمار	قراءت	روایت	طریق
۱	امام نافع المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا قالون رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا ورش رحمہ اللہ تعالیٰ	ابونشیط: محمد بن ہارون رحمہ اللہ تعالیٰ ازرق: ابویعقوب یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ
۲	امام ابن کثیر المکی رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا بزی رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا قنبل رحمہ اللہ تعالیٰ	ابوربیعہ: محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ ابن مجاہد: ابوبکر احمد بن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ
۳	امام ابوعمرو البصری رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا دوری رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا سوسی رحمہ اللہ تعالیٰ	ابوالزعراء: عبدالرحمٰن بن عبدوس رحمہ اللہ تعالیٰ ابوعمران: موسیٰ بن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ
۴	امام ابن عامر الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ	الحلوانی: ابوالحسن احمد بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ الاخفش: ہارون بن موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ
۵	امام عاصم الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا حفص رحمہ اللہ تعالیٰ	الصلحی: ابوزکریا یحیی بن آدم رحمہ اللہ تعالیٰ النھشلی: عبید بن الصباح رحمہ اللہ تعالیٰ
۶	امام حمزہ الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا خلف رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا خلاد رحمہ اللہ تعالیٰ	ابوالحسن ابن بویان عن ادریس بن عبدالکریم الحداد ابوبکر محمد بن شاذان الجوہری رحمہم اللہ تعالیٰ
۷	امام علی کسائی الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ	سیدنا ابوالحارث رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا دوری رحمہ اللہ تعالیٰ	محمد بن یحیی البغدادی رحمہ اللہ (المعروف بالکسائی الصغیر) ابوالفضل جعفر بن محمد النصیبی رحمہ اللہ تعالیٰ

قراآت کی مذکورہ بالا قسم کے ساتھ وہ تین قراآت بھی شامل ہیں جن کے تواتر کو امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے اور جنہوں نے ان قراآتِ ثلاثہ کا انکار کیا ہے یا ان پر اعتراض کیا ہے، علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے اور آپ نے ان قراآتِ ثلاثہ کے تواتر کے بارے میں اپنے زمانے کے علماء سے پوچھا تو انہوں نے بھی امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید و موافقت کی اور ان کے متواتر ہونے کا حکم صادر کیا۔

یہ قراآت ثلاثہ مندرجہ ذیل تین ائمہ کرام کی طرف منسوب ہیں:

۱......امام ابوجعفر یزید بن قعقاع المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۸ھ)

۲......امام یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۵ھ)

۳......امام خلف بن ہشام البزار البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۹ھ)

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "منجد المقرئین" میں قراآتِ عشرہ کے تواتر کے واسطوں کے بیان میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

اس بات پر جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ عشرہ کے علاوہ جتنی بھی قراآت ہیں وہ سب شاذ ہیں۔ امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہمارے موجودہ زمانے میں جس قراءت میں یہ تین ارکان پائے جاتے ہیں وہ ائمہ عشرہ کی وہ قراآتِ عشرہ ہیں جن کے قبول کرنے اور لینے پر لوگوں کا اتفاق ہے............ ہر آنے والے لوگوں نے اپنے سے پہلے لوگوں سے ان قراآت کو حاصل کیا ہے یہاں تک کہ یہ ہمارے زمانے تک پہنچ گئی ہیں............ تو ان قرّاء میں سے کسی ایک کی قراءت قطعی اور یقینی ہونے میں باقی دوسروں کی قراآت کی طرح ہے......... باقی رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ قراآتِ متواترہ کی کوئی حد نہیں ہے، تو اگر ان لوگوں کی مراد اس سے وہ قراآت ہوں جو ہمارے موجودہ زمانے میں معروف ہیں تو یہ بات ٹھیک نہیں کیونکہ موجودہ دور میں قراآتِ عشرہ کے علاوہ کوئی اور قراءت متواترہ نہیں پائی جاتی ہے۔ اور اگر اس کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ اسلام کے ابتدائی دور میں قراآتِ متواترہ کی کوئی حد نہیں ہے تو ان شاء اللہ اس کا احتمال موجود ہے۔"

ابن سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے "جمع الجوامع" میں فرمایا ہے:

"اور صحیح بات یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ باقی قراآت شاذ ہیں۔"

قراآتِ متواترہ پر لکھی ہوئی مشہور کتابیں:

قراآتِ متواترہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں لیکن ان کتابوں کا بہت بڑا حصہ مخطوط (غیر مطبوع) ہے۔ ان کتابوں پر تحقیق کرنے اور ان کی طرف توجہ دینے کا جو حق ہے وہ ان کو نہیں دیا گیا۔ ذیل میں ان چند مشہور کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو قراآتِ سبعہ یا ثلاثہ یا عشرہ یعنی سبعہ و ثلاثہ کو جمع کرنے کے لئے لکھی گئیں ہیں:

۱...... "السبعة" مؤلف ابوبکر احمد بن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۴ھ) ڈاکٹر شوقی ضیف کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۲...... "المبسوط" یہ قراآتِ عشرہ پر ہے اور ابوبکر ابن مہران اصفہانی، نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۹۵ھ تا

۳۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ شیخ حمزہ حاکمی کی تحقیق کے ساتھ ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہے۔

۳...... ''الغایۃ'' یہ بھی قراآتِ عشرہ پر ابو بکر ابن مہران اصفہانی کی کتاب ہے۔ محمد غیاث الجنباز کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

۴...... ''التذکرہ'' اس میں آٹھ قراآت ہیں۔ یہ امام طاہر بن غلبون رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۹۹ھ) کی تالیف ہے۔ شیخ ایمن سوید کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب مختلف محققین کی تحقیق کے ساتھ کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

۵...... ''التبصرہ'' یہ قراآتِ سبعہ پر ابو محمد مکی بن ابی طالب القیروانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۳۷ھ) کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر محمد غوث ندوی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۶...... ''التیسیر'' یہ قراآتِ سبعہ پر ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ) کی کتاب ہے۔ ایک مستشرق اوتو پرتزل کی تصحیح کے ساتھ مطبوع ہے۔ اور اس کی طبع جدید ڈاکٹر حاتم الضامن کی تحقیق کے ساتھ مکتبۃ الصحابۃ الامارات، الشارقۃ ط ۱ سے ۱۴۲۹ھ میں منظر عام پر آ گئی ہے۔

۷...... ''جامع البیان'' یہ بھی قراآتِ سبعہ پر ابو عمرو الدانی کی کتاب ہے اور کلیۃ الدعوۃ واصول الدین (قسم الکتاب والسنۃ) جامعہ ام القریٰ میں اس پر تحقیق کی گئی ہے۔

۸...... ''التلخیص فی القراات الثمان'' ابو معشر الطبری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۷۸ھ) کی کتاب ہے۔ محمد حسن عقیل موسیٰ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۹...... ''الاقناع'' یہ قراآتِ سبعہ پر ابو جعفر ابن باذش انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۴۰ھ) کی تصنیف ہے۔ جامعہ ام القریٰ کے ڈاکٹر عبد المجید القطاش کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۱۰...... ''حرز الامانی ووجہ التہانی'' یہ منظوم کتاب (اللامیۃ) ہے جو ''الشاطبیۃ'' کے نام سے معروف ہے اور امام ابو القاسم بن فیرّہ الشاطبی (وفات: ۵۹۰ھ) کی تالیف ہے۔ مطبوع ومتداول ہے۔

۱۱...... ''فتح الوصید'' امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۴۳ھ) کی تصنیف ہے۔ مشہور قول کے مطابق یہ شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح ہے۔ ڈاکٹر احمد عدنان الزعبی کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ دار البیان کویت سے شائع ہوئی ہے۔

۱۲...... ''کنز المعانی شرح حرز الامانی'' محمد بن احمد الموصلی المعروف ''شعلۃ'' رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۵۶ھ) کی تصنیف ہے۔ قاہرہ سے ''الاتحاد العام لجماعۃ القرّاء'' کی طرف سے شائع کی گی ہے۔

۱۳...... ''إبراز المعانی من حرز الامانی'' ابو شامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۶۵ھ) کی تصنیف ہے۔

اس کی ایک پرانی طبع بھی ہے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شیخ محمود عبدالخالق جادو کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں اس کی طبع جدید بھی منظر عام پر آ گئی ہے۔

۱۴...... ''کنز المعانی فی شرح حرز الامانی'' امام جعبری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۳۲ھ) کی تصنیف ہے۔ استاذ احمد الیزیدی کی تحقیق کے ساتھ اصول کے ابواب میں سے ''باب لام هل و بل'' تک دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۱۵...... ''سراج القاری المبتدئ'' ابو القاسم علی بن عثمان المعروف ابن القاصح البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۰۱ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ بھی شاطبیہ کی شروح میں سے ہے اور مطبوع ہے۔

۱۶...... ''النشر فی القراءات العشر'' ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۳۳ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ شیخ محمد علی الضباع کی تصحیح کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض میں کتاب کی ابتداء سے ابواب الاصول کے آخر تک اس کتاب پر تحقیقی کام کیا گیا ہے اور جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں باب فرش الحروف سے آخر کتاب تک کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ الازہر مصر سے پی، ایچ، ڈی کے مقالہ میں اس پر تحقیقی کام کیا گیا ہے۔

۱۷...... ''تحبیر التیسیر'' ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۳۳ھ) کی تصنیف ہے اور مطبوع ہے۔

۱۸...... ''تقریب النشر فی القراءات العشر'' یہ بھی علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ہے اور ایک ہی جلد میں مطبوع ہے۔

۱۹...... ''طیبۃ النشر فی القراءات العشر'' قراآتِ عشرہ کبریٰ پر علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی منظوم تالیف ہے۔ مطبوع اور متداول ہے۔ اس کی متعدد شروحات ہیں ان میں سب سے بہتر علامہ النویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح ہے۔

۲۰...... ''الدرۃ المضیئۃ'' قراآتِ ثلاثہ پر ابن الجزری کی تصنیف ہے۔ یہ بھی منظوم اور مشہور و متداول ہے۔ اس کی بھی متعدد شروحات ہیں۔

۲۱...... ''الایضاح شرح الدرۃ المضیئۃ'' امام زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ شیخ عبدالرازق علی موسیٰ نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے اور الجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۲...... ''شرح الدرۃ المضیئۃ'' امام نویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ شیخ عبدالرافع رضوان الشرقاوی نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے اور الجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۳...... ''غیث النفع'' قراآتِ سبعہ پر الصفاقسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ ابن القاصح کی کتاب ''سراج

القاری‘‘ کے حاشیہ پر چھپی تھی پھر ۱۴۱۹ھ میں بیروت سے مستقلاً الگ سے چھپ گئی ہے، اور جامعہ ام القریٰ میں پی، ایچ، ڈی کے مقالے کے طور پر اس پر تحقیقی کام کیا گیا ہے۔

۲۴...... ’’البدور الزاھرۃ فی القراآت العشر‘‘ عشرہ صغریٰ پر شیخ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے اور مطبوع ہے۔

۲۵...... ’’الوافی‘‘ شیخ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے اور شاطبیہ کی شرح ہے۔ مطبوع ومتداول ہے۔

۲۶...... ’’الایضاح لمتن الدرۃ المضیئۃ‘‘ یہ بھی شیخ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ہے۔ ڈاکٹر عبد القیوم بن عبد الغفور السندھی کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ مکتبہ الاسدی مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۷...... ’’الارشادات الجلیۃ‘‘ قراآتِ سبعہ پر ڈاکٹر محمد سالم محیسن کی کتاب ہے اور مطبوع ہے۔

۲۸...... ’’المھذب‘‘ عشرہ کبریٰ پر ڈاکٹر محمد سالم محیسن کی تصنیف ہے اور مطبوع ہے۔

۲۹...... ’’التذکرۃ‘‘ درۃ کے طریق سے قراآتِ ثلاثہ پر ڈاکٹر محمد سالم محیسن کی کتاب ہے اور دو جلدوں میں مطبوع ہے۔

یہ ایک انتہائی مختصر فہرست ہے۔ اس سے ہمارا مقصد مشہور کتب قراآت میں سے سب سے نمایاں کتابوں کی طرف صرف اشارہ کرنا ہے نہ کہ ان سب کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں رسائل اور دوسرے منظوم رسالے بعض روایاتِ مفردہ میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض مطبوع ہیں اور بعض غیر مطبوع ہیں۔

قراآتِ متواترہ کی چند مثالیں:

قرآن مجید سارے کا سارا قراآتِ متواترہ ہے۔ یہ وہ دس قراآت ہیں جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ لیکن ہم صرف سورۂ فاتحہ کے بیچ میں سے شاطبیہ اور درّہ کے طریق سے قراآتِ متواترہ کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں:

۱...اللہ تعالیٰ کا قول: ’’مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ‘‘ (الفاتحۃ:۴)

امام عاصمؒ، امام کسائیؒ، امام یعقوبؒ اور امام خلف العاشرؒ نے الف کے ساتھ مٰلِكِ ’’فَاعِل‘‘ کے وزن پر پڑھا ہے اور باقی حضرات (چھ قاریوں) نے مَلِكِ بغیر الف کے ’’فَعِل‘‘ صفت مشبہ کے وزن پر پڑھا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ومالك يوم الدين راويه ناصر.

’’اور مالك يوم الدين جو ہے راويه ناصر (والے کسائی اور عاصم کے لئے) اس کا (الف کے ساتھ) روایت

کرنے والا (قراءت کی) مدد کرنے والا ہے۔''

اور امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ومالك حز فز.......

''اور حز فز والے (والے یعقوب وخلف العاشر) مالک (الف کے ساتھ) پڑھتے ہیں......''

۲۔ کلمۂ "الصِّرَاط" معرف باللام اور "صِرَاطَ" بغیر الف لام کے:

یہ کلمہ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی آئے امام ابن کثیرؒ سے سیدنا قنبلؒ نے اور امام یعقوبؒ سے سیدنا رویسؒ نے خالص سین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور امام حمزہؒ سے سیدنا خلفؒ نے صاد مشمّہ (یعنی صاد کا زا کے ساتھ اختلاط کر کے) پڑھا ہے اور سیدنا خلادؒ صرف پہلی جگہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" (الفاتحة:۵) اشمام کے ساتھ پڑھنے میں سیدنا خلفؒ کے ساتھ شریک ہیں۔ اور سیدنا خلادؒ سمیت باقی قراء کرام ہر جگہ خالص صاد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

یہاں اشمام کی کیفیت یہ ہے کہ صاد کا زا کے ساتھ اختلاط کیا جائے اور اس طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے کہ اس کے نتیجے میں ایک ایسا حرف وجود میں آئے جو نہ خالص صاد ہو اور نہ خالص زا، لیکن صاد کی آواز زا پر غالب ہو اور اس کا تلفظ ایسا ہو جیسے عوام حرف ظاء کا تلفظ کرتے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱۰۸) .... وعند سراط والسراط لقنبلا

(۱۰۹) بحيث اتى والصاد زايا أشمها لدى خلف واشمم لخلاد الأولا

ترجمہ: ''اور سِرَاط اور السِّرَاط میں (اس کو سین کے ساتھ پڑھنے میں) تو قنبل کی پیروی کر جس جگہ بھی یہ (لفظ سراط اور السراط) آئے۔ اور اس کے صاد کو (ہر جگہ اور ہر حال میں) تو خلف کے لئے زا کی بو دے۔ اور تو خلاد کے لئے (فقط) اول (لفظ کے صاد) کو (زا کی) بو دے۔''

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱۰، ۱۱) والصراط فاسجلا وبالسين طب.......

ترجمہ: ''یعنی مرموز فاء خلف العاشر نے لفظ صراط کو تمام قرآن میں خالص صاد سے پڑھا ہے، اور سین کے ساتھ طب کے مرموز رویس کے لئے ہے......''

۳۔ کلمۂ "عليهم" امام ابن کثیرؒ اور امام ابو جعفرؒ نے بلا خلاف اور سیدنا قالونؒ نے بالخلف یعنی اپنی ایک وجہ میں میم جمع کو حالت وصل میں ضمہ اور صلہ کے ساتھ یعنی لفظاً واو مدہ کی طرح کھینچ کر پڑھا ہے اور قراء کی اصطلاح میں اس طرح حرکت کھینچ کر پڑھنے کو صلہ کہتے ہیں۔

امام حمزہؒ اور امام یعقوبؒ نے اس میم جمع سے پہلے جو ھاء ہے اس کو وصلاً و وقفاً ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات اس ھاء کو ہر حال میں کسرہ دے کر پڑھتے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱۱۰) علیهم الیهم حمزة و لدیهم جمیعا بضم الهاء وقفا و موصلا

(۱۱۱) و صل ضم میم الجمع قبل محرك دراكا و قالون بتخییره جلا

ترجمہ: "علیهم الیهم اور لدیهم" کو امام حمزہؒ نے تمام موقعوں میں ھاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے وقفا بھی اور وصلا بھی۔ اور صلہ سے پڑھ میم جمع کے ضمہ کو حرف متحرک سے پہلے "دراکا" والے مکی کے لئے (بلا خلاف) اور قالون نے اپنی تخییر کے ساتھ (صلہ و عدم صلہ دونوں لغتوں کو) ظاہر کر دیا ہے۔"

اور امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

(۱۱)..............واکسر علیهم الیهم لدیهم فتی و الضم فی الهاء حللا

(۱۲) عن الیاء ان تسکن سوی الفرد.... ....

ترجمہ: "اور فتی والے امام خلف کے لئے علیهم الیهم لدیهم کو بکسرِ ھا پڑھو اور "حللا" والے یعقوب کے لئے (ضمیر جمع مذکر کی) ھا میں ضمہ ہے جبکہ وہ یاء ساکنہ کے بعد واقع ہو، سوائے مفرد کے......"

چوتھی بحث

قراآتِ شاذّۃ

☆......قراآتِ شاذہ کی تعریف.

☆......قراآت کے شاذ ہونے کا زمانہ.

☆......قراآتِ شاذہ کے حجت ہونے کی حدّ و منتہیٰ.

☆......قراآتِ شاذہ کے مشہور راوی.

☆......قراآتِ شاذہ کی کچھ مثالیں.

☆☆☆☆☆

قراآتِ شاذہ کی تعریف:

شاذ کی لغوی تعریف: لغت میں شذ یشذ شذوذا باب ضرب سے بمعنی الگ تھلگ ہونے اور تنہا رہ جانے کے ہیں۔شذ الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنے ساتھیوں سے الگ ہوجائے اور ان سے جدائی اختیار کرے۔ ہروہ چیز جو منفرد اور اکیلی ہو شاذ کہلاتی ہے۔

شاذ کی اصطلاحی تعریف: ہروہ قراءت جس میں قراءت کوقبول کرنے کے لئے جو تین ارکان ہیں ان میں سے کوئی رکن نہ پایا جائے شاذ کہلاتی ہے۔بایں طور کہ وہ قراءت متواتر نہ ہو یا تمام مصاحف عثمانیہ کے رسم کے خلاف ہو یا عربیت میں اس کی کوئی اصل اور دلیل نہ ہو۔

اور ایک دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ شاذ وہ ہے جو متواتر نہ ہو۔گویا کہ ہروہ قراءت جو حدِ تواتر کو نہ پہنچے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے یا وہ قراءت حد شہرت اور عموم کو نہ پہنچے جیسا کہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے،تو وہ قراءت شاذ ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی بھی قراءت کوقبول کرنے کی بنیاد در حقیقت اس قراءت کا حدِ تواتر کو پہنچنا ہے باقی دو شرطیں بطور استیناس ہیں،اس لئے کہ کوئی بھی قراءتِ متواترہ ایسی نہیں پائی جاتی ہے جو باقی دو شرائط یا ان میں سے کسی ایک کے خلاف ہو، بہرحال قراءتِ غیر متواترہ کبھی شرطِ ثانی کے مخالف ہوتی

ہے اور کبھی شرطِ ثالث کے مخالف ہوتی ہے۔یہی حال تمام قراآتِ شاذہ کا ہے۔اور کوئی قراءت متواترہ ایسی نہیں پائی جاتی جس کو قراءِ عشرہ میں سے کسی نے بھی نہ پڑھا ہو۔چنانچہ اسی بنیاد پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ:

''قراآتِ شاذہ وہ قراآت ہیں جو قراآتِ متواترہ کے علاوہ ہیں۔''

امام نویری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فقہاء اور اصولیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قراآتِ عشرہ کے علاوہ کوئی اور قراءت (مثلاً عشرہ سے اوپر کی چار قراآت) حدِ تواتر کو نہیں پہنچیں، اسی طرح اس پر قراء کا بھی اتفاق ہے سوائے ان چند لوگوں کے جن کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہمارے موجودہ دور میں جن قراآت میں قبولِ قراءت کے ارکانِ ثلاثہ پائے جاتے ہیں وہ وہی قراآت عشرہ ہیں جن کی قبولیت کا شرف حاصل کرنے پر لوگوں کا اتفاق ہے۔''

اور مزید فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ''قراآتِ متواترہ کی کوئی حد نہیں ہے'' تو اگر اس سے مراد ہمارے موجودہ زمانے کی معروف قراآت ہوں تو یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ عصر حاضر میں قراآتِ عشرہ کے علاوہ کوئی اور قراءت متواترہ نہیں پائی جاتی ہے اور اگر اس سے مراد اسلام کا دورِ اوّل ہو تو ان شاء اللہ اس کا احتمال موجود ہے۔''

علامہ جزری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحیح بات یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں۔''

اسی اصول کے تحت وہ تمام قراآت جو بطریق آحاد مروی ہوں یا ادراج کے طور پر مروی ہوں یعنی قراآت میں تفسیر کے طور پر جن کا اضافہ کیا گیا ہو، یہ سب شاذ کے تحت آجاتی ہیں، باقی رہیں وہ قراآت جن کی کوئی سند ہی نہ ہو، نہ بطریق آحاد نہ بطریق شہرت یا روایت بالمعنی ہو تو یہ شاذ کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہیں بلکہ مطلق قراءت ہی سے خارج ہیں۔

قراآت کے شاذ ہونے کا زمانہ:

سوال: قراآتِ متواترہ قراآتِ شاذہ سے کب ممتاز ہوئیں؟

اس سوال کی تعبیر یوں بھی کر سکتے ہیں کہ: قراآت کب شاذ ہوئیں؟

اس سوال کے جواب کے واسطے علماءِ قراآت کے دو قول میری نظر سے گذرے ہیں:

۱...... پہلا قول: قراآتِ صحیحہ اور قراآتِ شاذہ کے درمیان حدِ فاصل عرضۂ اخیرہ ہے۔اس سے مراد قرآن پاک کا

وہ آخری دَور ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے حضرت جبریل علیہ السلام کو رمضان کے مہینے میں دومرتبہ قرآن پاک سنایا تھا۔ اس دَور میں بعض آیاتِ قرآنیہ منسوخ کی گئیں تھیں۔ چنانچہ ہروہ چیز جو عرضۂ اخیرہ تک منسوخ کی گئی وہ شاذ مانی گئی ہے۔

۲..... دوسرا قول: قراآتِ شاذہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ظاہر ہونا شروع ہوا اور یہ اس وقت ہوا جب آپ نے مصاحف لکھوا کر ان مصاحف کے علاوہ باقی تمام مصاحف کو جلانے کا حکم دیا۔ یہ چیز قراآتِ شاذہ اور صحیحہ کے درمیان حدّ فاصل مانی گئی۔

یہ بات قراآتِ صحیحہ کے ارکانِ ثلاثہ میں غور وفکر کرنے سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قراءت کو قبول کرنے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ قراءت مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے موافق ہو۔

اس حوالے سے متقدمین میں سے کسی کے قول پر میں مطلع نہ ہو سکا اور نہ ہمارے سامنے مذکورہ بالا دو اقوال کے علاوہ اور کوئی قول پایا گیا ہے۔ اس قضیے میں مجھے یہ بات سمجھ میں آتی ہے واللہ اعلم کہ ہم یہ کہیں گے کہ:

قراآت دو مرحلوں میں شاذ ہوئیں:

۱..... عرضۂ اخیرہ اور اس سے پہلے سالانہ دَورِ قرآن مجید کے موقع پر۔ چنانچہ عرضۂ اخیرہ تک جو کچھ قرآن مجید میں سے منسوخ ہوتا رہا ان سب کو شاذ مانا گیا ہیں۔ حضرت ابی ابن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مصاحف میں سے جو کچھ نقل کیا جاتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے یہ سب منسوخ التلاوت ہیں۔

۲..... دوسرا مرحلہ وہ ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جمع کرنے کا حکم دیا اور امت کو ان (مصاحف کی تلاوت) پر آمادہ کیا۔ چنانچہ منسوخ شدہ قرآن میں سے جو کچھ صحابہ کرام کے پاس موجود تھا اور ان حضرات کو ان کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوا ہو یا وہ قراءت جس کی تلاوت کی جاتی تھی لیکن وہ متواتر نہیں تھی اور وہ مصاحف عثمانیہ کے مخالف ہوگئی ہوں تو ان سب کو شاذ مانا گیا ہے۔

قراآتِ شاذہ کے حجت ہونے کی حدّ وانتہاء اور اس پر عمل کرنے کا حکم:

(الف)..... قراءتِ شاذہ کے تلاوت کرنے کا حکم:

۱..... بعض علماء کرام نے قراءتِ شاذہ کے تلاوت کرنے کو جائز قرار دیا ہے، دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ صحابہ کرام اس قسم کی قراءت کی تلاوت نماز میں اور نماز سے باہر کیا کرتے تھے۔ اگر ان کی تلاوت کرنا بالکل جائز نہ ہوتا تو ان حضرات کی نمازیں نہیں ہوئیں، بلکہ ضائع اور اکارت ہوگئیں، نیز وہ حرام کے مرتکب ہوئے اور حرام کا ارتکاب کرنے والے کی روایت ناقابلِ حجت ہوتی ہے، حالانکہ یہی حضرات شریعت کے ناقل ہیں اور انہی کے واسطے سے

احکامِ شرع ہم تک پہنچے ہیں تو اس صورت میں اسلام کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ العیاذ باللہ۔

احناف اور شوافع کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی ایک ایک روایت یہی ہے۔

۲...... جمہور علماء قراآتِ شاذہ کے بطورِ عبادت تلاوت کرنے کے مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں یعنی نہ نماز میں اس کی تلاوت جائز ہے اور نہ خارج نماز میں۔ بلکہ بعض حضرات نے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قراآتِ شاذہ تواتر سے ثابت نہیں ہیں اس لئے ان پر قرآن ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن صرف تواتر سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی قراءت غیر متواترہ نقلاً ثابت ہو تو وہ یا عرضۂ اخیرہ سے منسوخ ہے یا صحابہ کرام کے مصحفِ عثمانی پر اجماع کرنے سے منسوخ ہے۔ فقہاء بغداد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص قراآتِ شاذہ کی تلاوت کرنے لگے تو اس سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا، اس معاملے میں ابن شنبوذ اور ابن مقسم العطار رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے ہر ایک کا قصہ مشہور و معروف ہے۔

ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ابو عمرو ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات نے جس بات کی تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ باقی قراآت کی تلاوت ممنوع ہے اور یہ منع حرمت کے طور پر ہے نہ کہ کراہت کے طور پر۔ ابن السبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قراءت شاذہ کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے۔''

۳...... بعض حضرات اس بارے میں اعتدال اور بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان قراآت کو واجبی قراءت میں پڑھا جائے تو نماز درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں واجبی قراءت کی ادائیگی کا یقینی و قطعی ثبوت موجود نہیں اس لئے کہ (یہ اخبارِ آحاد میں سے ہیں اور) خبر واحد سے قرآن ثابت نہیں ہوتا۔ واجبی قراءت سے فاتحہ کی قراءت مراد ہے بشرطیکہ اس کے علاوہ اور سورتوں کی قراءت پر بھی قدرت رکھتا ہو اور اگر ان قراآت کو واجبی قراءت کے علاوہ کسی اور قراءت کے موقع میں تلاوت کیا جائے تو نماز درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز نماز کو فاسد و باطل کر دیتی ہے اس صورت میں اس کا وقوع یقینی نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ قراءت ان حروف میں سے ہو جن پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔

(ب).....قراءتِ شاذہ پر عمل کرنے اور ان سے استدلال کرنے کا حکم:

۱......جمہور کا مسلک یہ ہے کہ قراءتِ شاذہ پر عمل کرنا اور ان سے احکام شرعیہ کا استنباط کرنا جائز ہے، کیونکہ قراءتِ شاذہ اخبار آحاد کے مرتبے میں ہیں اور اخبار آحاد سب کے نزدیک مقبول ہیں کہ ان پر عمل کرنا اور احکام شرع کا استنباط کرنا سب جائز ہے۔ اسی بناء پر علماء کرام نے بہت سے احکامِ فقہیہ میں قراءتِ شاذہ سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً: چور کے داہنے ہاتھ کے کاٹنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے استدلال کیا ہے۔ ان کی قراءت آیت سرقہ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْمَانَهُمَا" (المائدۃ:۳۸) میں "اَيْدِيَهُمَا" کی جگہ "اَيْمَانَهُمَا" ہے۔ اور فقہاء احناف نے کفارۂ یمین میں روزوں کے پے در پے واجب ہونے پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سے استدلال کیا ہے۔ ان کی قراءت کفارۂ یمین کے بارے میں "مُتَتَابِعَاتٍ" کی زیادتی کے ساتھ یوں ہے: "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ" (المائدۃ:۸۸)

۲......جمہور شوافع اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف ہیں کہ قراءتِ شاذہ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قراءتِ شاذہ کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا ان پر عمل کرنا جائز نہیں۔

جمہور علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قراءتِ شاذہ کے قرآن نہ ہونے سے ان کا خبر رسول نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ قراءتِ شاذہ بھی حکم کے لحاظ سے منجملہ خبر واحد کے ہیں اور خبر واحد پر عمل کیا جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ قراءتِ شاذہ سے قواعد صرف ونحو کو ثابت کرنے کے لئے استدلال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا بالاتفاق جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح فکر ونظر اور غور وخوض کے واسطے ان کا سیکھنا سکھانا جائز ہے، البتہ عمل کے واسطے جائز نہیں اور اس موضوع پر کتابیں تصنیف کرنا اور لغوی وترکیبی لحاظ سے ان کی توجیہ کرنا یعنی لغوی وجہ اور ترکیبی وجہ بیان کرنا سب کچھ جائز ہے۔

قراءتِ شاذہ کے مشہور رُوات:

قراءتِ شاذہ بہت زیادہ ہیں ان کی کوئی حد وشمار نہیں ہے اور یہی کیفیت ان کی راویوں کا بھی ہے۔ حتی کہ بعض شاذ روایات قراءتِ متواترہ کے راویوں سے مروی ہیں۔

قراءتِ شاذہ کے راویوں کی دو قسمیں ہیں:

(الف).....وہ چار راوی جو قراء عشرہ کے بعد آتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱......حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۰ھ)

۲......محمد بن عبدالرحمن بن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۳ھ)

۳......یحیی بن المبارک الیزیدی البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۲ھ)

۴......سلیمان بن مہران الاعمش الاسدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۴۸ھ)

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قراءت جس کے نقل کرنے میں مذکورہ بالا چاروں ائمہ کرام میں سے کوئی امام منفرد ہو یا اس کے راویوں میں سے کوئی راوی منفرد ہو تو وہ قراءت شاذ ہے۔ اس کے شاذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ متواتر نہیں ہے بلکہ یہ قراءت درجۂ شہرت کو بھی نہیں پہنچی اور نہ عام ہوئی، کیونکہ اس کے بعض الفاظ کے ضبط کرنے میں ناقلین کا آپس میں اختلاف وتضاد ہے اور یہ کہ ان میں سے بعض الفاظ مصاحفِ عثمانیہ کے رسم کے مخالف ہیں اور ان میں سے بعض قواعدِ لغتِ عرب کے خلاف ہیں۔

(ب)......قراآتِ شاذہ کے راوی عام طور پر بہت زیادہ ہیں، ان میں بڑے بڑے صحابہ کرام اور تابعین بھی شامل ہیں:

۱......حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۳۲ھ)

۲......حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۵۲ھ)

۳......حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۷۳ھ)

۴......مسروق بن الاجدع کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۳ھ)

۵......نصر بن عاصم اللیثی البصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۹۹ھ)

۶......مجاہد بن جبر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۰۳ھ)

۷......ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۰۵ھ)

۸......محمد بن سیرین البصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۰ھ) وغیرہ وغیرہ۔

قراآتِ شاذہ کی بعض مثالیں:

۱..... "اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ" (الاعراف:۳۵) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "تَاْتِيَنَّكُمْ" تاء تانیث کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ اس کا فاعل رُسُل جمع مکسر ہے۔ اگر فاعل جمع مکسر ہو تو اس کے فعل میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہیں۔ یہ قراءت متواتر نہیں ہے۔

۲..... "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ" (الجمعة:۹) حضرت مسروق بن الاجدع رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "فَامْضُوْا" نقل کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ یہ رسم عثمانی کے مخالف ہے اور اس کو قراءت متواترہ کے واسطے بطور تفسیر کے ادراج (اضافہ) مانا گیا ہے۔

۳..... "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰی" (اللیل:۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ "وَالذَّكَرِ وَ الْاُنْثٰی" پڑھتے تھے۔ یہ قراءت نہ ہی متواتر ہے اور نہ ہی رسم عثمانی کے موافق ہے۔

قراآتِ شاذہ میں سے وہ قراآت بھی ہیں جو ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۳۲۸ھ) سے مروی ہیں جن کو ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف لکھی ہوئی دستاویز میں اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا اور ان سے ان قراآت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کا اعتراف کرلیا۔ یہ واقعہ بروزِ ہفتہ ۶/ربیع الثانی ۳۲۳ھ کا ہے۔ ان قراآت میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱..... "فَامْضُوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ" (الجمعة:۹) کے بجائے "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ۔"

۲..... "وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔" (الواقعة:۸۲) کے بجائے "وَتَجْعَلُوْنَ شُكْرَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔"

۳..... "كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا" (الکهف:۷۹) کے بجائے "كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا" پڑھنا۔

۴..... "كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" (القارعة:۵) کے بجائے "كَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ" پڑھنا۔

۵..... "فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ" (یونس:۹۲) کے بجائے "فَالْيَوْمَ نُنَحِّيْكَ بِبَدَنِكَ" پڑھنا۔

۶..... "تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ" (اللهب:۱) کے بجائے "تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّقَدْ تَبَّ" پڑھنا۔

۷..... "فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ" (سبا:۱۴) کے بجائے "فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْاِنْسُ اَنَّ الْجِنَّ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا حَوْلاً فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ" پڑھنا۔

۸..... "فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا" (الفرقان:۷۷) کے بجائے "فَقَدْ كَذَّبَ الْكَافِرُوْنَ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا" پڑھنا۔

۹..... "وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (آل عمران:۱۰۴) کے بجائے "وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يَسْتَعِيْنُوْنَ اللّٰهَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" پڑھنا۔

۱۰..... "وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ" (الانفال:۷۳) کے بجائے "تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِيْضٌ" پڑھنا۔

ایسا لگتا ہے کہ ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے دھوکہ کھا گئے، اس لئے وزیر اور قاضی نیز ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے سخت کلامی کی اور کہا کہ: "چونکہ آپ حضرات نے تحصیلِ علم میں میری طرح کلفت و مشقت اور محنت و سختی برداشت نہیں کی، اس لئے تم کم علم اور ناواقف ہو۔"

یہ بات قابلِ غور ہے کہ قراآتِ شاذہ کا بہت بڑا حصہ یا تو متواتر نہیں ہے یا رسم عثمانی کے موافق نہیں ہے۔

بعض وہ علماء کرام جن سے قراآتِ شاذہ منقول ہیں ان پر اس وجہ سے طعن کرنا اور ان کی شخصیت اور علمی مقام پر طعن کرنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ قراآتِ شاذہ بعض ان ائمہ عشرہ سے بھی منقول ہیں جن کی قراآت تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں۔اس سے یہ بات اور زیادہ واضح اور مؤکد ہوجاتی ہے کہ قراآتِ شاذہ میں اعتبار قاری اور اس کے علمی مقام کا نہیں ہے بلکہ اصل اعتبار ان قوانین اور ضوابط کا ہے جن کو علماء کرام نے قراآتِ صحیحہ کی پہچان کے واسطے وضع کیا ہے۔

پانچویں بحث

حدیث: ''انزل القرآن علی سبعة احرف'' کے بارے میں کچھ کلام

☆......مذکورہ بالا حدیث کی اہمیت.

☆......حدیث احرفِ سبعہ کی بعض روایات کا بیان.

☆......''الحرف'' اور ''السبعة'' کا معنی.

☆......حدیث مذکور کا مطلب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کرام کے اقوال اور بحث ومباحثہ.

☆......اس حدیث کی مراد سے متعلق قولِ راجح کا بیان.

☆......کیا مصاحف عثمانیہ احرفِ سبعہ پر مشتمل ہیں یا نہیں؟

☆☆☆☆☆

مذکورہ بالا حدیث کی اہمیت:

قرآن مجید کے احرفِ سبعہ پر نازل ہونے سے متعلق حدیث مشہور احادیثِ متواترہ میں سے عظیم الشان حدیث ہے۔ اس حدیث کے متواتر ہونے کی بہت سے علماء کبار نے صراحت کی ہے۔ مثلاً:

۱......امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۴ھ)

۲......امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ)

۳......امام ابن القاصح رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۰۱ھ)

اس حدیث کا متواتر ہونا اس بات سے اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم ان قراءاتِ متواترہ پر مشتمل ہے جن کی اصل اور بنیاد احرفِ سبعہ ہیں۔ حدیث مذکور کو صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنی صحاح میں اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ''مُصَنَّف'' میں اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ''مُسند'' میں اور امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ

نے اپنی ''مُستدرک'' میں ذکر فرمایا ہے۔ان کے علاوہ اور حضرات نے بھی اس حدیث کو ذکر کئے ہیں۔اس کے علاوہ حدیث ،علوم القرآن ،قراآت اور تفسیر کی کوئی بھی کتاب اس حدیث کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔اور یقیناً اس حدیث نے قدیم وجدید دونوں دور کے علماء کرام کو مشغول کیا ہے کہ وہ اس حدیث کی توجیہ اور مطلب بیان کرنے میں اپنی عمریں کھپا دیئے ۔امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مجھے اس حدیث (سبعہ احرف) کے بارے میں بہت عرصہ تک تر ددو شبہ اور اشکال رہا اور میں اس میں تیس (۳۰) سال سے زیادہ عرصہ تک سوچ بچار اور غور وفکر کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا ایک مطلب منکشف فرمادیا، ممکن ہے کہ وہ درست ہو، ان شاء اللہ۔''

علامہ محمد عبد العظیم الزرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ ایک نادر اور مرغوب بحث ہے مگر ساتھ ساتھ یہ بہت خطرناک اور مشکل بھی ہے۔''

بہت سے علماء کرام نے اس حدیث پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند علماء کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۴ھ)

۲......امام ابن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۷۶ھ)

۳......امام ابوالفضل الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۵۴ھ)

۴......امام ابوشامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ (۵۹۹ھ تا ۶۶۵ھ)

۵......امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۵۱ھ تا ۸۳۳ھ)

۶......شیخ محمد بخیت المطیعی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ چودھویں صدی ہجری کے علماء ازہر میں سے ہیں۔

اور اس موضوع پر علماء معاصرین نے بھی لکھا ہے۔مثلاً:

ڈاکٹر ابومجاہد عبد العزیز القاری سابق ناظم شعبہ قرآن کریم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔

ڈاکٹر حسن ضیاء الدین عتر۔ وغیرہ۔

احرفِ سبعہ والی حدیث کی بعض روایات:

اس حدیث کو بیس سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے اور ان سے تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت نے بے شمار طرق اور اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہمیں ان تمام اسانید وطرق اور روایات کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ ان روایات میں سے بطور نمونہ چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

۱......حضرت عمر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جھگڑے سے متعلق حدیث جس کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ قول مذکور ہے:

"ان هذا القران انزل علی سبعة احرف فاقرء وا ما تیسر منه۔"

ترجمہ: "یقیناً یہ قرآن سات حرفوں (یعنی سات وجہوں ولغتوں اور زبانوں یا سات لفظوں اور طریقوں) پر اتارا گیا ہے ان میں سے جو حرف (تمہارے لئے) آسان (وممکن) ہو اسے پڑھو۔"

۲......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک روز آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے فرمایا کہ جن حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے یہ الفاظ سنے ہوں "ان هذا القران انزل علی سبعة احرف کلها شاف کاف" (یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے وہ سب کے سب شافی و کافی ہیں) میں ان کو اللہ کی قسم (اور ان کا خوف یاد) دلاتا ہوں کہ وہ کھڑے ہو جائیں (اور مجھے اس بات پر شہادت دیں) اس پر مسجد میں صحابہ کرام کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہوگئی جس کا شمار نہیں ہو سکتا تھا اور سب نے اس حدیث کی گواہی دی۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی ان سب کے ساتھ اس پر گواہی دیتا ہوں۔

۳......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو آدمیوں کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ دونوں نے ایسی قراءت کے ساتھ تلاوت کی جس کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں پڑھا تھا، تو اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا شرح صدر فرما دیا۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے:

"میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ کے پروردگار آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ قرآن کو ایک حرف پر پڑھیں، میں نے کہا کہ اے اللہ! میری امت پر آسانی اور تخفیف فرما۔ تو جبریل علیہ السلام دوبارہ آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ قرآن کو دو حرفوں پر پڑھیے۔ میں نے پھر وہی دعا کی۔ جبریل علیہ السلام تیسری بار آئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھیں........."

۴......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً ایک مرتبہ بنو غفار کے حوض کے پاس تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو ایک ہی حرف کے موافق پڑھے۔ ایک اور روایت میں یہ آیا ہے کہ آپ اپنی امت کو قرآن ایک ہی حرف کے موافق پڑھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے عافیت و مدد کی درخواست کرتا ہوں، کیونکہ میری امت اس پر عمل نہیں کر سکے گی۔ پھر حضرت

جبریل علیہ السلام دو حرفوں کا حکم لے کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے عافیت اور درگزر کرنے کی درخواست کرتا ہوں، کیونکہ میری امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ پھر تین حرفوں کی رخصت لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے عافیت اور درگزر کی درخواست کرتا ہوں، کیونکہ میری امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ پھر جبریل علیہ السلام چوتھی بار تشریف لائے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن پاک کو سات حرفوں پر پڑھے۔ پس وہ ان میں سے جس حرف کے بھی موافق پڑھیں گے اسی میں درستگی کو پہنچیں گے۔''

۵......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے فرمایا: ''قرآن مجید سات حرفوں پر اتارا گیا ہے اور قرآن مجید میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا) اس میں سے جو تم پہچانتے ہو اس پر عمل کرو اور جو تمہیں معلوم نہیں ہے اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کرو۔''

اس حدیث ''سبعہ احرف'' کو سمجھنے کے لئے ''الحرف'' اور ''السبعۃ'' کے کلمات کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

حرف کے لغوی معنی:

''الاحرف'' حرف کی جمع ہے، جیسے اَفْلُسٌ فَلْسٌ کی جمع ہے۔ حرف لغت میں کئی سارے معانی کے لئے آتا ہے۔ مثلاً: (۱) کسی چیز کی طرف۔ (۲) حد و انتہاء۔ (۳) جانب و کنارہ۔ (۴) گوشہ، زاویہ۔ حرف الجبل و الرغیف والنھر والصف: جانبہ۔ یعنی حرف الجبل، حرف الرغیف، حرف النھر اور حرف الصف کا معنی ہے پہاڑ، روٹی، دریا اور صف کا کنارہ اور جانب۔

حروف ہجا میں سے ہر ایک کو حرف کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ کلمہ کا جزء ہے اور اس کا طرف ہے۔ حرف کا اطلاق ایک کلمہ پر اور پورے خطبہ اور قصیدہ پر بھی ہوتا ہے۔ چھریرے بدن کی اونٹنی کو بھی شدت وصلابت میں پہاڑ کے کنارے سے تشبیہ دیتے ہوئے حرف کہا جاتا ہے۔ قراآت متعددہ کی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر دلالت کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر قاری کی قراءت کو بھی حرف کہا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: حرفِ ابی ابن کعب، حرفِ ابن مسعود یعنی ان کی قراءت۔

اوپر ذکر کردہ معانی میں غور وفکر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں اس مقام کے مناسب صرف آخری دو معانی ہیں، یعنی الوجہ، القراۃ۔ باقی جہاں تک میں نے کتب لغت کا مطالعہ کیا میں نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جس

نے ''حرف'' کی تفسیر ''اللغۃ'' سے کی ہو۔ واللہ اعلم۔

''السبعۃ'' کا مطلب:

۱......بعض علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ لفظ ''السبعۃ'' اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اکائیوں میں کثرت کو بتانا ہے، جس طرح ''السبعین'' دہائیوں میں کثرت کو بتانے کے لئے آتا ہے اور ''السبعمائۃ'' سینکڑوں میں کثرت کو بتانے کے لئے آتا ہے۔

۲......جمہور علماء کرام کا مسلک یہ ہے کہ لفظ ''السبعۃ'' اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے یعنی سات، جو اکائیوں میں آٹھ اور چھ کے درمیان آتا ہے۔ یہی مذہب زیادہ راجح ہے، کیونکہ تمام روایاتِ احادیث میں ''السبعۃ'' کا لفظ آیا ہے اور یہ تواتر لفظی کی قبیل سے ہے۔

''الاحرف السبعۃ'' کے بارے میں علماء کرام کے اقوال:

سات حروف کے مصداق کے بارے میں علماء کرام کا آپس میں کافی اختلاف ہوا ہے، یہاں تک کہ اس بارے میں چالیس سے زیادہ اقوال ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الاتقان'' میں ان سب کو ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے اکثر غیر مختار ہیں جیسا کہ المنذری نے فرمایا ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق الشریف المزنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان تمام وجوہ میں سے اکثر متداخل ہیں (یعنی ایک دوسرے کے ضمن میں آتی ہیں، ایک دوسرے سے خارج نہیں ہیں) اور ان میں سے کونسا قول اور وجہ زیادہ مستند اور قابل اعتماد ہے؟ اس کا مجھے علم نہیں ہے اور نہ جس سے یہ وجہ نقل کی گئی ہے اس کا علم ہے اور نہ ہی یہ بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ ان احرفِ سبعہ کو ہر ایک نے ان اقوال کے ساتھ خاص کیا ہے جو انہوں نے ذکر کیا......... اور اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت میری سمجھ سے بالاتر ہیں اور میں ان کی حقیقت نہیں جان سکا۔ ان اقوال میں سے اکثر اقوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت حکیم بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نوک جھوک والی حدیث جو صحیح بخاری میں مذکور ہے اس کے معارض اور خلاف ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کا اختلاف قرآن کریم کی تفسیر اور احکام کے بارے میں نہیں تھا بلکہ یقیناً ان کا اختلاف تلاوت کے بارے میں تھا.............''

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''.........یہ سارے ایسے اقوال ہیں جو باہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ان سب کا احتمال ہے اور ان کے علاوہ کا بھی احتمال ہے۔''

ان تمام اقوال کو دو قسموں میں تقسیم کرنا ممکن ہے:

۱......ایک قسم وہ ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔

۲......دوسری قسم وہ ہے جس کا اعتبار کیا گیا ہے، فی الجملہ اس کی کوئی دلیل یا شبہ دلیل موجود ہے۔

اب ہم دونوں قسموں میں سے ہر ایک قسم کے کچھ نمونے اور اقوال ذکر کر لیتے ہیں:

پہلی قسم: اس قسم کے ضمن میں ہم بعض وہ مثالیں پیش کر لیتے ہیں جو بعض اہلِ فقہ اور اہلِ لغت و بلاغت اور اہلِ تصوف سے منقول ہیں:

۱..... پہلا قول: یہ قول بعض فقہاء سے منقول ہے۔ان کا کہنا ہے کہ "الاحرف السبعة" سے مندرجہ ذیل سات چیزیں مراد ہیں:

مطلق اور مقید، خاص اور عام، نص اور مؤول، ناسخ اور منسوخ، مجمل اور مفسر، استثناء اور اس کی جملہ اقسام۔

۲.....دوسرا قول: یہ قول بعض لغویین اور اہل بلاغت سے منقول ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ احرف سبعہ سے مندرجہ ذیل سات چیزیں مراد ہیں:

حذف اور صلہ، تقدیم اور تاخیر، قلب اور استعارہ، تکرار اور کنایہ، حقیقت اور مجاز، مجمل اور مفسر، ظاہر اور غریب۔

۳.....تیسرا قول: بعض اہل تصوف کا کہنا ہے کہ احرفِ سبعہ سے معاملات اور ادل بدل کی سات انواع مراد ہیں:

زہد اور قناعت یقین کے ساتھ، حزم اور خدمت حیاء کے ساتھ، سخاوت اور شجاعت فقر کے ساتھ، مجاہدہ اور مراقبہ خوف کے ساتھ، امید اور الحاح وزاری اور استغفار رضا کے ساتھ، شکر اور صبر اپنا محاسبہ کرنے کے ساتھ، محبت اور شوق مشاہدہ کے ساتھ۔

اس قسم کے تمام اقوال کا اجمالی طور پر ردّ:

۱.....ان تمام اقوال کی نہ تو کوئی شرعی دلیل ہے اور نہ ہی واضح حجت اور عقلی دلیل ہے۔مذکورہ بالا جماعات میں سے ہر ایک جماعت نے ''الاحرف'' کا مصداق اس چیز کو ٹھہرایا ہے جو ان کی علمی، فکری یا عملی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

۲..... یہ تمام اقوال ان احادیث کے مدلولات سے میل نہیں کھاتے جو ''الاحرف السبعة'' کے بارے میں آئے ہیں اور جو اس بات کو پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ احرف سبعہ سے مراد اختلاف قراآت اور الفاظ کے ادائیگی کی کیفیت ہے۔

۳.....ان حضرات نے جو مفہوم بیان کیا ہے اس کو مراد لینے کی صورت میں امت پر کوئی تخفیف اور وسعت و

آسانی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی امت پر سے قراآت کے حوالے سے کوئی مشقت اور دشواری ختم ہوجاتی ہے، حالانکہ قرآن مجید کو احرف سبعہ پر اتارے جانے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ امت سے مشقت دور ہوجائے۔

دوسری قسم: اس قسم کی ہم پانچ مثالیں پیش کریں گے، لیکن درحقیقت یہ سب کچھ اختلاف کی دو قسموں کی طرف لوٹتا ہیں یعنی اس سب کا حاصل اختلاف کی دو قسمیں ہیں، اس لئے ہم ان تمام اقوال کی تعبیر صرف دو اقوال سے کرینگے اور یہ دونوں اقوال ان تمام اقوال میں سب سے بہتر ہیں جو اس بارے میں ذکر کیے گئے ہیں اور دوسرے اقوال کی نسبت درستگی کے زیادہ قریب بھی ہیں۔

۱...... پہلا قول:

علماء کرام کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ احرفِ سبعہ سے مراد عرب کی سات مشہور لغات ہیں۔ یہ قول جمہور فقہاء اور محدثین کا ہے جن میں امام ابوعبید قاسم بن سلام، سفیان بن عیینہ، ابن وہب، احمد بن یحیی، ابن جریر طبری اور علامہ طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں، لیکن پھر ان حضرات کا آپس میں دو باتوں میں اختلاف ہوا ہے۔ پہلا اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا یہ تمام لغات قرآن مجید میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں یا ایک ہی کلمہ یا ایک ہی حرف میں سب کی سب ایک ساتھ پائی جاتی ہیں؟

امام ابوعبید رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے حضرات کا مذہب یہ ہے کہ یہ لغات قرآن مجید میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔ البتہ علامہ ابن جریر طبری، علامہ طحاوی اور علامہ ابن عبدالبر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ تمام لغات ایک ہی کلمے اور ایک ہی حرف میں الفاظ کے اختلاف اور معانی کے اتحاد کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

هَلُمَّ، اَقْبِلْ، تَعَالَ، اِلَيَّ، قَصْدِيْ، نَحْوِيْ، قُرْبِيْ، وغیرہ۔

دوسرا اختلاف اس بارے میں ہے کہ یہ لغات قرآن مجید میں باقی ہیں یا لغت قریش کے علاوہ باقی تمام لغات منسوخ کردی گئی ہیں؟

امام ابوعبید رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ یہ لغات قرآن مجید میں باقی ہیں۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ لغتِ قریش کے علاوہ باقی لغات منسوخ کردی گئی ہیں۔

پھر جو حضرات ان تمام لغات کے قرآن مجید میں باقی رہنے کے قائل ہیں ان میں ان لغات کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ سات لغات کس کس قبیلے کی ہیں؟ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ قریش، ہذیل، تمیم، ازد، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر، ان سات قبیلوں کی لغات مراد ہیں۔ دوسرے بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد ہذیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش کی لغات ہیں۔ امام ابوعلی الاہوازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تمام قریش کے قبائل ہیں اور دوسرے بعض کا کہنا ہے کہ یہ سب مُضر کے قبائل ہیں۔

دوسرا قول:

یہ قول جمہور علماء اور قراء کا ہے، جن میں سے مشہور شخصیات درج ذیل ہیں:

علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۷۶ھ)، علامہ باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۰۳ھ)، علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۵۴ھ)، علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۳۳ھ) وغیرہ۔ ان حضرات کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''احرف سے مراد پڑھنے اور تلاوت کرنے کی وہ کیفیات اور وجوہ ہیں جن کی وجہ سے کلماتِ قرآنیہ کی اختلاف اور تغایر پیدا ہوتا ہے۔''

ان حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ کیفیات اور وجوہ سات ہیں لیکن ان کی تعیین اور بیان میں اختلاف ہے۔

(الف)......امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے قراآت کی وجوہِ اختلاف میں غور وفکر کیا تو میں نے ان کو سات پایا (یعنی سات وجوہ سامنے آئیں)۔'' ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے:

۱......اعراب (رفع، نصب، جر) یا حرکتِ بنائی کی تبدیلی ہو اور معنی اور کلمے کی صورت میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ مثلاً:

"هُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ" (هود:۷۸) رفع اور نصب کے ساتھ۔ "بِالۡبُخۡلِ" (النساء:۳۷، الحدید:۲۴) بخل کے باء کا ضمہ اور فتحہ۔

۲......اعراب یا حرکت بدل جائے ساتھ ساتھ معنی بھی بدل جائے، لیکن کلمہ کی شکل تبدیل نہ ہو۔ مثلاً:

"رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا" (السبا:۱۹) بٰعِدۡ اور بٰعَدَ صیغہ امر اور صیغہ ماضی کے ساتھ دو قراءتیں۔

۳......ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا جائے اور معنی بھی تبدیل ہو جائے لیکن کلمہ قرآنیہ کی شکل وصورت برقرار رہے۔ مثلاً:

"كَيۡفَ نُنۡشِزُهَا" (البقرة:۲۵۹) زاء اور راء کے ساتھ دو قراءتیں۔

۴......حروف کی تبدیلی کے ساتھ کلمے کی شکل وصورت بھی بدل جائے لیکن معنی میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ مثلاً:

"اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً" (یس:۲۹، ۵۳) صَيۡحَةً وَّاحِدَةً کے بجائے "زَقۡيَةً واحدةً۔"

۵......کسی کلمہ کے حروف، معنی اور شکل وصورت تینوں میں تبدیلی ہو۔ مثلاً:

"وَطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ" (الواقعة:۲۹) حا یا عین کے ساتھ دو قراءتیں ہیں۔

۶......تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔ مثلاً:

"وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ" (ق:۱۹) یہاں "سَكۡرَةُ الۡحَقِّ بِالۡمَوۡتِ" پڑھنا۔

۷......کمی اور زیادتی کا اختلاف۔ مثلاً:

"وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ" (یٰس:۳۵) یہاں "وَمَا عَمِلَتْ اَیْدِیْهِمْ" پڑھنا۔

(ب)......امام ابو الفضل الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول: کلام کا اختلاف مندرجہ ذیل سات تغیرات ہی سے ہوتا ہے اور کوئی اختلاف بھی ان تغیرات سے خارج نہیں ہوتا۔

۱......اسماء کا مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر، تانیث وغیرہ میں مختلف ہونا۔

۲......افعال کا گردان اور مسند الیہ کے اعتبار سے اختلاف۔ جیسے: ماضی، مضارع، امر وغیرہ ہونا، اور اس کے مسند الیہ کا مذکر اور مؤنث متکلم و مخاطب ہونا یا فاعل و مفعول بہ کی طرف اس کی اسناد کرنا۔

۳......اعراب کی وجوہ کا اختلاف (جیسے: مرفوع، منصوب اور مجرور ہونا)۔

۴......زیادتی و کمی۔

۵......تقدیم و تاخیر۔

۶......قلب و ابدال، عام ہے کہ ایک کلمہ کا کسی دوسرے کلمہ سے ہو یا ایک حرف کا دوسرے حرف سے۔

۷......لغات کا اختلاف۔ مثلاً: فتح، امالہ، ترقیق، تفخیم......وغیرہ۔

(ج)......امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول: امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح، شاذ، ضعیف، منکر غرض تمام قراآت کی جستجو اور چھان بین کی تو ان کے اختلاف کی نوعیت کو ذیل کی سات اقسام سے باہر نہیں پایا، انہی سات اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم کا تغیر پایا جاتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱......حرکات میں تغیر ہو جائے لیکن لفظ کے معنی اور صورت میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ جیسے:

"بِالْبُخْلِ" (النساء:۳۷، الحدید:۲۴) چار وجہوں کے ساتھ پڑھنا یعنی (۱) بِالْبَخَلِ، (۲) بِالْبُخْلِ، (۳) بِالْبُخُلِ، (۴) بِالْبَخْلِ، (تیسری اور چوتھی وجہ شاذ ہیں) اور "یَحْسِبُ" اور "یَحْسَبُ" دو وجہوں کے ساتھ۔

۲......حرکات اور معنی میں تغیر ہو جائے، صورت میں نہ ہو۔ مثلاً:

"فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ" (البقرة:۳۷) اور "اٰدَمَ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٌ" اسی طرح "وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ" (یوسف:۴۵) اور "اَمَةٍ"۔

۳......حروف اور معنی میں تغیر ہو جائے لیکن صورت میں نہ ہو۔ مثلاً:

"تَبْلُوْا" (یونس:۳۰) اور "تَتْلُوْا" اسی طرح "نُنَجِّيْكَ" (یونس:۹۲) اور "ننحيك"۔

۴......حروف اور صورت میں تغیر ہو لیکن معنی میں تبدیلی نہ ہو۔ مثلاً:

"بَصۡطَةً" (الاعراف:٦٩) اور "بَسۡطَةً"، "الصِّرَاط" (الفاتحۃ:٥) اور "السِّرَاط"۔

٥......حروف، معنی اور صورت تینوں میں تغیر ہو جائے۔ مثلاً:

"فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ" (الجمعۃ:٩) اور "فَامۡضُوۡا"۔

٦......تقدیم اور تاخیر کا اختلاف ہو۔ مثلاً

"فَيَقۡتُلُوۡنَ وَ يُقۡتَلُوۡنَ" (التوبۃ:١١١) اور "فَيُقۡتَلُوۡنَ وَيَقۡتُلُوۡنَ" اور "وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡحَقِّ بِالۡمَوۡتِ" (ق:١٩)

٧......حروف کی زیادتی اور کمی کا اختلاف ہو۔ مثلاً:

"وَوَصّٰى" (البقرۃ:١٣٢) اور "وَاَوۡصٰى" اور "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰىٓ" (اللیل:٣) اور "والذکر والانثی"۔

اقوال مذکورہ کا تنقیدی جائزہ:

پہلا قول یعنی ''احرفِ سبعہ سے مراد سات لغات ہیں'' یہ اگرچہ متقدمین و متاخرین میں سے جمہور علماء اور اہل علم وکمال کا قول ہے اور مضبوط قول ہے لیکن بعض باتیں اس قول کو کمزور کر دیتی ہیں۔ مثلاً:

١..... اس قول کے قائلین کا خود آپس میں اختلاف کرنا کہ یہ لغات قرآن مجید میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں یا ایک ہی کلمہ یا ایک ہی حرف میں سب ایک ساتھ پائی جاتی ہیں؟ (اگر یہ قول سو فیصد درست ہوتا تو آپس میں اختلاف نہ ہوتا، اور یہ بات بدیہی ہے کہ اگر وجوہ سبعہ کا مصداق ان میں سے کسی ایک کو قرار دے دیں تو دوسرے کو اس کا مصداق قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ اس صورت میں پھر وجوہ سات نہیں رہیں گی بلکہ سات سے بڑھ جائیں گی اور یہ حدیث سبعہ احرف کے خلاف ہوگا)

٢..... ان سبعہ لغات کی تعیین میں اور تحدید میں آپس میں اختلاف کرنا، حالانکہ سبعہ احرف تحدید شدہ ہیں۔

٣..... قراآت سات سے زیادہ لغات پر مشتمل ہیں اور اہلِ لغت خود ان میں سے بہت سی ایسی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو قرآن میں موجود ہیں۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی کتاب تالیف کی ہے جس میں قرآن مجید کے کلمات کی ایک اچھی خاصی بڑی تعداد جمع کی ہے اور ان کو عرب کی مختلف لغات کی طرف منسوب کیا ہے۔

٤..... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہشام بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اختلاف قراءت کے معاملے میں پیش آیا تھا باوجودیکہ وہ دونوں حضرات ایک ہی لغت (قریش) والے تھے۔

۵......وہ مذہب جس کو علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اختیار کیا ہے اس کو یہ بات رد کردیتی ہے کہ قراآت تغایر اور اختلاف کی کئی سارے انواع پر مشتمل ہیں حالانکہ وہ ترادف (کلمات کا ہم معنی ہونا) جس کو علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ذکر کیا ہے یہ بھی ان انواع متعددہ میں سے ایک نوع ہے (تو یہ پورے احرفِ سبعہ کا مصداق کیسے ہوا؟)۔

اس کے علاوہ ان حضرات کا مذکورہ بالا قول احرفِ سبعہ کے نزول کی حکمت کے بھی منافی ہے، کیونکہ احرفِ سبعہ کے نزول کی حکمت قراءت وتلاوت میں آسانی پیدا کرنا ہے، اہلِ عرب کا اختلاف کلماتِ مترادفہ جیسے: ''اقبل'' اور ''تعال'' کے بجائے ''هلم'' کے مقابلے میں لہجات میں زیادہ ہوتا ہے، (تو لہجات میں اختیار دینے کی صورت میں آسانی زیادہ ہے نہ کہ کلماتِ مترادفہ میں اختیار دینے کی صورت میں)۔ باقی رہی یہ بات کہ ان حضرات کا یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک ہی حرف پر جمع کیا اور باقی چھ حروف کو ختم کردیا، تو یہ قول انتہائی کمزور اور ضعیف ہے، کیونکہ اس میں اس بات کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام کے اجماع سے بعض قرآن منسوخ کیا گیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر حرف قرآن ہے (جب چھ حروف ختم کئے گئے اور ایک ہی حرف کو باقی رکھا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض قرآن کو باقی رکھا گیا اور اکثر کو صحابہ کرام کے اجماع سے ختم کردیا گیا، کیونکہ ہر حرف قرآن ہے) اور یہ بات بدیہی ہے کہ صاحبِ شریعت کی صریح نص کے بغیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا آپ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ قرآن میں سے کسی چیز کو ختم کردیں اور اس کو کالعدم قرار دے دیں۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ صحابہ کرام کے لئے یہ بات کس طرح جائز ہوسکتی ہے کہ وہ سبعہ احرف کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے لئے دی گئی رخصت اور سہولت کو ختم کردیں، حالانکہ جس حکمت اور علت کے تحت اس کی رخصت دی گئی تھی وہ حکمت اب بھی باقی ہے؟ بلکہ مختلف زبانوں کے بولنے والے لوگوں اور مختلف قبائل کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کی ضرورت اور بھی زیادہ اور شدید ہوگئی ہے۔

اس کے علاوہ قراآت کی مختلف وجوہ کا عثمانی مصاحف میں ایک یا دو مختلف رسم کے ساتھ پایا جانا بھی علامہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے باطل ہونے پر بالکل واضح طور دلالت کرتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازل شدہ احرف (وجوہ وقراآت) میں سے کسی ایسی وجہ کو ختم نہیں کیا جو عرضۂ آخیرہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آخری مرتبہ قرآن مجید کا دور کرنا) میں ثابت و باقی رہا ہو، بلکہ یہ سب احرف (جو عرضۂ آخیرہ میں باقی رکھے گئے تھے) مصاحف عثمانیہ کے ضمن میں باقی ہیں اور ان کی رخصت بھی قیامت تک باقی ہے۔

دوسرا قول: یعنی علامہ ابن قتیبہ، امام رازی اور ابن الجزری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول: کہ احرفِ سبعہ سے مراد اختلاف اور تغایر کی وجوہ ہیں اور یہ وجوہ سات ہیں۔ یہ اگر چہ تمام اقوال میں سب سے بہتر اور اقرب الی الصواب ہے لیکن بعض امور اس قول کو بھی کمزور کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

۱......ان حضرات نے ان وجوہ کو بیان کرنے اور ان کو متعین کرنے میں آپس میں اختلاف کیا۔ (اگر یہ قول سو فیصد درست ہوتا تو ان وجوہ کی تعیین میں اختلاف نہ ہوتا کیونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ اگر وجوہ سبعہ کا مصداق ان میں سے کسی ایک کو قرار دے دیں تو دوسرے کو اس کا مصداق قرار نہیں دے سکتے، ورنہ اس صورت میں پھر وجوہ سات نہیں رہیں گے بلکہ سات سے بڑھ جائیں گے اور یہ حدیث سبعہ احرف کے خلاف ہوگی)

۲......کئی ساری وجوہ کے مطابق تلاوتِ قرآن کی اجازت دینے کی حکمت ایک ایسی امت سے مشقت اور تنگی کو دور کرنا ہے جو ناخواندہ ہے، لکھنا پڑھنا اچھی طرح سے نہیں جانتی۔ دوسری طرف وہ انواع جن کو اس مذہب والوں نے ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر کا تعلق خط اور لکھنے سے ہے ان چیزوں کو سوائے محققین علماء کے اور کوئی نہیں جانتا تو اس میں ناخواندہ امت کے لئے کس طرح کی آسانی وسہولت ہے؟ بلکہ اس سے تو ان پر تکلیف ومشقت اور بڑھ گئی۔

۳......علامہ ابن قتیبہ اور علامہ ابن الجزری رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان وجوہِ سبعہ کے ضمن میں لہجات کے اختلاف کو ذکر نہیں کیا باوجودیکہ احرفِ قرآن میں وجوہِ اختلاف کا بڑا حصہ اس نوع سے متعلق ہے۔ صرف امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی اس نوع کو ذکر کیا ہے۔

۴......ان حضرات نے اختلاف اور تغایر کی وجوہ کو سات میں منحصر کرنے میں بہت زیادہ تکلف سے کام لیا ہے بایں طور کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ: احرف فی نفسہ ایک الگ چیز ہیں اور وہ وجوہ جن کو ان حضرات نے ذکر کیا ہے یہ ایک دوسری چیز ہے جو ان احرفِ سبعہ کی مغایر اور بالکل دوسری چیز ہے۔

۵......ہمارے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ ان تمام وجوہِ سبعہ کو صرف تین وجوہ کی طرف لوٹا دیں، جیسا کہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے:

(الف)......وجہ اول: جہاں لفظ مختلف ہوں لیکن معنی متفق ہوں۔ مثلاً:

هَلُمَّ، أَقْبِلْ، تَعَالَ۔ اور اسی طرح "كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ" اور "كَالصُّوفِ الْمَنْفُوشِ"

(ب)......وجہ ثانی: جہاں لفظ اور معنی دونوں مختلف ہوں۔ لیکن یہ اختلاف تنوع کا ہوگا تضاد کا نہیں ہوگا۔ (کیونکہ قرآن پاک تضاد سے پاک ہے قرآن مجید کے مضامین آپس میں باہم متضاد نہیں ہیں، کما قال اللہ تعالیٰ: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے، [النساء:۸۲])۔ مثلاً:

مَالِكِ اور مَلِكِ، قُلْ اور قَالَ، بَاعَدَ اور بَاعِدُ۔

(ج)......وجہ ثالث: لفظ اور معنی میں اتفاق ہونے کے باوجود لہجات میں اختلاف ہو۔ مثلاً:

امالہ اور فتح، مدّ اور قصر، ادغام اور فکِ ادغام، تحقیق اور تسہیل۔

”الاحرف السبعة“ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں قول راجح کا بیان:

قولِ مختار اور قولِ راجح کو بیان کرنے اور اس پر دلائل قائم کرنے سے پہلے ہمیں اوّلاً یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ احادیث مبارکہ کثرت کے باوجود اور ان کے طرق بہت سارے ہونے کے باوجود کوئی ایک روایت بھی احرفِ سبعہ کی مراد کو کھل کر اور واضح انداز میں بیان نہیں کرتی کہ آخر احرفِ سبعہ سے کیا مراد ہے؟ اور کوئی روایت احرف کے راز سے پردہ نہیں اٹھاتی۔ یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ شارع علیہ السلام کے لئے کسی حکمِ شرعی کے بیان کو اس کی ضرورت کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، حالانکہ امت کو ان احرف کی حقیقت کو پہچاننے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ان کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرسکیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بارے میں وارد ہونے والی تمام احادیث ایک ایسی صریح و واضح عبارت سے کیسے خالی رہ گئیں جو ان احرف کی تفسیر کرتیں اور مراد کو واضح کردیتیں؟ اور صحابہ کرام میں سے تمام راویانِ حدیث نے اس سے صرفِ نظر کیسے کرلیا؟

اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱......صحابہ کرام کے نزدیک الاحرف کا معنی بالکل واضح تھا، اس لئے صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے الاحرف کی مراد کے بارے میں سوال نہیں کیا اور نہ ہی تابعین میں سے کسی نے صحابہ کرام سے اس کے بارے میں کچھ پوچھا؛

۲......دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا معنی واضح نہیں تھا اور اس حدیث کی تفسیر وتشریح بہت مشکل تھی، اس لئے کسی نے نہیں پوچھا۔

دوسرا احتمال طبعی طور پر مردود اور غیر مراد ہے، اس لئے کہ یہ کم عقلی کی بات ہوگی کہ ہم اس بات کا دعویٰ کریں کہ صحابہ کرام اور تابعین تو حدیث شریف کا معنی ومطلب ہی نہ سمجھیں۔ پھر ان کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہونے والے لوگ آگے بڑھیں اور حدیث کی مراد کو واضح کریں، حالانکہ ان حضرات کی سمجھ بہت گہری تھی اور وہ حضرات وحی کو بہت اچھے طریقے سے جاننے اور سمجھنے والے تھے۔

چنانچہ راجح بات یہی ہے کہ حدیثِ احرفِ سبعہ کا مرادی معنی ان حضرات کے نزدیک واضح تھا اس لئے اس بارے میں سوال کرنے سے خاموش رہے، لیکن شروع شروع میں بعض حضرات کے درمیان تعارض کا شبہ ہوا اس

لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے اس حدیث کے ذریعے احرفِ سبعہ کے ساتھ تلاوت کرنے کی رخصت دے کر اس تعارض کو ختم فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جن بعض صحابہ کرام کے درمیان قراءت کے معاملے میں جو اختلاف ہوا تھا اس حدیث کے ارشاد فرمانے کے بعد وہ جھگڑا ختم ہو گیا۔ یہ چیز اس بات پر بالکل واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ ان حضرات نے حدیث احرفِ سبعہ کی مراد کو سمجھ لیا تھا۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آخر حدیثِ احرفِ سبعہ سے مراد کیا ہے؟ ائمہ کرام کے وہ اقوال جو پیچھے مذکور ہو چکے ہیں ان کا انتہائی باریک بینی سے جائزہ لینے اور ٹھنڈے دماغ سے ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہم صرف کسی ایک قول کو لے کر نہ بیٹھیں اور بلا وجہ اس کی طرفداری کر کے اس کے درست ہونے پر دلائل و براہین قائم نہ کریں بلکہ ان اقوال کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی کوشش کریں اور تطبیق کا راستہ اختیار کریں۔ چونکہ اقوال بہت سارے ہیں اور ان میں سے اکثر مراد نہیں ہیں، اس لئے اقوال مختلفہ کو ایک دوسرے کے قریب کرنے سے کوئی ایسا مشترکہ نتیجہ نکالنا ہمارے لئے ممکن ہوگا جس کو اختیار کرنا بہتر ہو اور ان شاء اللہ تعالیٰ حدیث سے وہی معنی مراد ہوں۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ''الاحرف السبعة'' سے مراد:

الوجوه السبعة لقراءة القران الكريم المتغايرة المنزلة قرانا ويمكن القراءة بأى وجه منها.

ترجمہ: ''تلاوتِ قرآن مجید کی وہ سات وجوہ ہیں جو باہم مختلف ہیں، قرآن کی حیثیت سے نازل کی گئی ہیں اور ان وجوہ میں سے کسی بھی وجہ کے مطابق تلاوت کرنا ہمارے لئے ممکن اور جائز ہے۔''

اس کی وضاحت یہ ہے: کہ حدیث شریف میں بیان کردہ لفظ ''السبعة'' اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی سات کا عدد مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آخری حد جہاں تک وجوہ قرآنیہ کا پہنچنا ممکن ہے وہ سات وجوہ ہیں اور یہ وجوہِ سبعہ ایک ہی کلمہ میں اختلاف اور تغایر کی انواع و اقسام میں سے ایک ہی نوع کے ضمن میں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

کلمہ ''اَرۡجِہۡ'' (اعراف:١١١، شعراء:٣٦) میں اختلافی وجوہ: (اس میں قراآت متواترہ چھ ہیں: (١) اَرۡجِہۡ (٢) اَرۡجِہِ (٣) اَرۡجِہُ (٤) اَرۡجِئۡہُ (٥) اَرۡجِئۡہُ (٦) اَرۡجِئۡہِ۔)

اور کلمہ ''يَتَّقۡهِ''(النور:٥٢) میں اختلافی وجوہ: (اس میں قراآتِ متواترہ چار ہیں: (١) يَتَّقۡهُ (٢) يَتَّقۡهِ (٣) يَتَّقِهۡ (٤) يَتَّقِهِ۔) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام کلماتِ قرآنیہ میں ہر جگہ وجوہ اس حد کو پہنچ جائیں (کہیں وجوہ سات سے کم بھی ہو سکتی ہیں، بلکہ زیادہ تر سات سے کم وجوہ ہی قراآتِ متواترہ میں پائی جاتی ہیں۔)

ہماری ذکر کردہ راجح وجہ میں لفظ ''الوجوه'' حدیث شریف میں مذکور لفظ ''الاحرف'' اس کا واحد ''الحرف'' کے معانی محتملہ میں سے ایک معنی کو ترجیح دینے کے لئے ہے، اس لئے کہ الفاظِ حدیث کے تتبع اور تلاش سے صرف

یہی معنی ٹھیک بیٹھتا ہے (یعنی حرف کے لغۃً جو بہت سارے معانی پیچھے ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے حدیث شریف کے زیادہ مناسب ''حرف'' سے ''وجہ'' مراد لینا ہے) اور یہی نامور قرّاء کرام کا مذہب ہے۔ مثلاً:

علامہ ابو حاتم سجستانی، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابو بکر باقلانی، علامہ ابو الفضل رازی، علامہ ابن الجزری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

اور ''المتغایرۃ'' کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان وجوہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سے ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو اختلاف کو ایک ہی نوع میں منحصر قرار دیتے ہیں، جیسے مترادف ہونا۔ مثلاً:

هلم، اقبل، تعال.......وغیرہ سب کے معنی تقریباً یکساں ہیں یعنی بمعنی ''آؤ''۔

اور ''المنزلۃ'' کے لفظ سے ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث شریف میں دی گئی رخصت سے مراد الفاظِ قرآنی میں تصرف کا جائز ہونا ہے اور یہ رخصت منزل من اللہ کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

اور ''القراءۃ'' کا لفظ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس پر روایاتِ حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً:

''أقرأني جبريل..........جبریل علیہ السلام نے مجھے پڑھایا'' اور ''وأن اللّٰه يأمرك أن تقرأ أمتك۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت پڑھے.......'' ایک اور روایت میں ہے ''أن تقرئ أمتك.....آپ اپنی امت کو پڑھائیں.....'' بعض دوسری روایات میں اس طرح آیا ہے ''فاقرؤوا منها ما تيسر......ان میں سے جو تمہیں آسان لگے وہ پڑھو.......''

چنانچہ اس طرح کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ احرف ایسی چیز ہیں جو قراءت سے تعلق رکھتے ہیں اور امت پر آسانی صرف قراءت کی وجوہ مختلفہ کی صورت میں متحقق ہوتی ہے، اس لئے کہ بنیادی مشقت اور گرانی قراءت میں ہے۔

اور ہمارا قول: ''العدد السبعة مراد..........''

اس پر تمام روایات واحادیث دلالت کرتی ہیں بایں طور کہ حدیث کے الفاظ ''.........على سبعة احرف'' تواترِ لفظی کی قبیل سے ہو گئے ہیں۔ ان احرف کے نازل کرنے میں تدریج، جن حروف کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ''أقرأني جبريل على حرف فلم أزل أستزيده و يزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف'' میں اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے اور جن کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''إن اللّٰه يأمرك أن تقرئ أمتك القران على حرف..........'' میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، یہ تدریج وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث میں لفظ ''السبعة'' سے سات کا عدد ہی مراد و مقصود ہے ورنہ تدریج کا کوئی مطلب نہیں رہے گا۔

اور ہمارا قول: "أقصى حد يمكن أن تبلغه الوجوه هو سبعة........." یہ اکثر علماء کا قول ہے، اس لئے کہ قراءت اور روایت کے اعتبار سے قرآن کی دو قسمیں ہیں:

۱......قرآن پاک کے وہ مقامات جہاں سب کا اتفاق ہے۔قرآن مجید کا اکثر حصہ ایسا ہی ہے۔

۲......اختلافی موقع، جہاں دو یا دو سے زیادہ وجہیں آئی ہیں، اس زیادتی کی آخری حد سات تک ہے۔مثلاً:

"مَالِكِ" اور "مَلِكِ" دو وجہیں، "الصِرٰط" صاد کے ساتھ، سین کے ساتھ اور اشمام کے ساتھ، تین وجہیں ہیں۔ "يَتَّقِهِ" میں چار وجہیں۔"جِبْرِيْلَ" میں پانچ وجہیں اور "اَرْجِهْ" ، "يَهِدِّيْ" ، "يَخِصِّمُوْنَ" میں چھ وجہیں ہیں۔

ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ہر وہ چیز جو کتاب اللہ میں ثابت رکھی گئی ہو یا روایت کی گئی ہو وہ قراءتِ قرآنیہ میں سے شمار نہیں کی جائے گی، اگر چہ وہ صحیح روایت ہی سے ثابت ہو، کیونکہ علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی روایت کا قراءتِ قرآنیہ ہونے کے لئے تواتر سے ثابت ہونا اور مصاحف عثمانیہ کے رسم کے مطابق ہونا شرط ہے۔

پس اگر تمام قراآت ان دو ضابطوں پر پوری طرح اتریں تو آپ ان قراآت کو ایسا پاؤ گے گویا کہ ان کے پَر لگ گئے ہیں (یعنی مشہور اور مقبول ہوگئی ہیں) اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ تمام قراآت میں سے تقریباً صرف ایک عشر کی مقدار ہی ان دو ضابطوں پر پوری اترتی ہیں۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے قول: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" (الفاتحة:۴) اس میں علامہ ابو حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے پندرہ قراآت ذکر کی ہیں، لیکن ان میں سے قراآتِ متواترہ صرف دو ہی ہیں: ''مَلِكِ'' بغیر الف کے اور ''مٰلِكِ'' الف کے ساتھ۔

اور قول باری تعالیٰ: "وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ" (المائدة:۶۰) اس میں علامہ ابو حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بائیس (۲۲) قراآت ذکر کی ہیں اور ان میں سے صرف دو ہی قراآت متواترہ ہیں یعنی "وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ" عین، باء، دال تینوں کا فتحہ "فَعَلَ" کے وزن پر اور الطاغوت کی تاء مفعول منصوب ہے۔اور دوسری قراءت "عَبُدَ الطَّاغُوْتِ" عین اور دال مفتوح باء مضموم ہے بروزن ''فَعُلَ'' اور الطاغوت کی تاء (مضاف الیہ ہونے کی بناء پر) مجرور۔

اسی طرح کلمہ "أُفٍّ" (الاسراء:۲۳، الانبیاء:۶۷، الاحقاف:۱۷) اس میں علامہ ابو حیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے چالیس (۴۰) لغات ذکر کی ہیں اور ان میں سے قراآت متواترہ صرف تین ہیں، ''أُفَّ'' فاء مشدد اور مفتوح، ''أُفِّ'' فاء مشدد اور مکسور، ''أُفٍّ'' فاء مشدد، مکسور اور منون۔

مذکورہ بالا طریقہ کار کے مطابق آپ ان وجوہِ قراآت کو جو متواتر ہیں اور پڑھی پڑھائی جاتی ہیں ان کو کبھی بھی

سات سے متجاوز نہیں پاؤ گے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا کلمہ بھی پایا جائے جس میں سات وجہیں پڑھی جاتی ہوں کیونکہ اس وجوہ سبعہ منزلہ میں سے بہت ساری وجوہ عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہوگئی ہیں۔ چنانچہ شاید ان احرفِ منزلہ کے افراد میں سے جو باقی رہ گئے ہیں مواضع اختلاف میں ان وجوہ کی آخری حد چھ(۶) تک ہے، کیونکہ قرآن مجید میں کسی بھی کلمہ میں چھ(۶) سے زیادہ وجوہ متواترہ ثابت نہیں ہیں۔

کیا مصاحف عثمانیہ احرفِ سبعہ پر مشتمل ہیں یا نہیں؟

اس بارے میں علماء کرام کی تین آراء ہیں:

(الف)..... علامہ طبری، علامہ طحاوی، علامہ ابن حبان اور علامہ ابن عبدالبر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ صرف اور صرف حرفِ قریش پر مشتمل ہے۔

ان حضرات کا استدلال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہے جو آپ نے قریش والوں کی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ''اگر تمہارا اور زید کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس وقت اس کو قریش کی لغت کے مطابق لکھو، کیونکہ قرآن مجید ان کی زبان (لغتِ قریش) میں نازل ہوا ہے۔''

ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ یقیناً احرفِ سبعہ ابتدائے اسلام میں اس لئے نازل کئے گئے تاکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں امت کے لئے آسانی ہو اور ان پر سے تنگی اور مشقت اٹھ جائے۔ جب لوگوں کی زبانیں لغتِ قریش کی عادی ہوگئیں اور آسانی سے زبانیں لغت قریش میں رواں ہونے لگیں تو اس وقت تمام قبائل کو لغتِ قریش کے مطابق ہی قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا حکم دیا گیا۔

چونکہ بہت ساری لغات کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرنا باہمی لڑائی جھگڑوں کے بھڑک اٹھنے اور مسلمانوں کے درمیان آپس میں پھوٹ پڑنے کا مقام تھا اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی لغت پر لوگوں کو جمع کیا اور وہ لغت، قریش کی لغت ہے۔ باقی رہیں موجودہ دور میں پائی جانے والی قراآت، یہ باوجود متعدد اور کثیر ہونے کے، سب کی سب صرف ایک ہی حرف (لغتِ قریش) کی مختلف صورتیں ہیں۔

اس قول کا ردّ:

۱......ان حضرات کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول ''اذا اختلفتم'' سے مقصود رسم اور کتابت میں اختلاف کا واقع ہونا ہے، الفاظ کی ذات اور کلمات کی بناء میں اختلاف مراد نہیں ہے۔ دلیل اس کی کلمہ ''فاکتبوہ'' ہے۔ (یعنی رسم و کتابت میں اختلاف کو بتلانا ہے نہ کہ قراءت میں اختلاف کو بیان کرنا ہے)

۲......حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول: ''نزل بلسانهم'' کا مطلب یہ ہے کہ شروع شروع میں ان کی

لغت میں اترا ہے، یا مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کا اکثر حصہ لغت قریش میں نازل ہوا، اس لئے کہ لغت قریش ہی تمام عربی لہجات کے لئے ایک نمونہ تھی۔ اس صورت میں "نزل بلسانھم" کل بول کر جزء مراد لینے کی قبیل سے ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول میں ہے: "یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ" (البقرۃ:۱۹) یہاں اصابع یعنی انگلیاں (کل) بول کر انگلیوں کے پورے (جزء) مراد لیا گیا ہے۔

۳......اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ نے تمام مصاحف کو حرفِ واحد کے مطابق لکھنے کا حکم دیا اور باقی احرفِ ستہ کو ترک کرنے کا حکم دیا ہو، بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں قراآتِ متعددہ مختلفہ کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام احرف باقی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے تھے۔

(ب)..... حضرات فقہاء، قرّاء کرام اور متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ تمام احرفِ سبعہ پر مشتمل ہیں:

ان حضرات کے دلائل درجِ ذیل ہیں:

۱......امت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ان احرف میں سے کسی کو کالعدم قرار دے، کیونکہ ان سب کا نزول بطور قرآن ہوا ہے۔

۲......دوسری دلیل یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ ان مصاحف سے نقل کئے گئے تھے جن کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جمع فرمایا تھا اور وہ مصاحف احرفِ سبعہ پر مشتمل تھے۔

بہر حال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کو اس میں پائے جانے والے لحن سے پاک کرنا چاہا تھا، اس لئے صحابہ کرام کو ایسی قراءت پر جمع فرمادیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے ثابت ہیں اور ان کے سوا قراآت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کے مراد لینے کو اپنے اس کلام سے واضح فرمایا ہے:

''یقیناً مصاحف عثمانیہ تمام احرفِ سبعہ پر مشتمل تھے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مصاحف میں سے ہر ایک مصحف ان احرفِ سبعہ پر کلاً یا بعضاً مشتمل تھا جو اس مصحف کے رسم کے مطابق ہوں (یعنی اگر سارے احرفِ سبعہ رسم کے موافق ہوں تو یہ مصحف سارے احرفِ سبعہ پر مشتمل ہوگا اور اگر بعض احرفِ سبعہ رسم کے موافق ہوتو بعض احرفِ سبعہ پر مشتمل ہوگا) اس طور پر کہ تمام مصاحف عثمانیہ اپنی مجموعی حیثیت سے ان احرفِ سبعہ میں سے کسی ایک حرف سے بھی خالی نہیں ہونگے (بلکہ سارے احرفِ سبعہ ان میں موجود ہونگے)۔

اس قول کا ردّ:

اس قول کا ردّ دو طرح سے کیا جا سکتا ہے:

۱......احرفِ سبعہ میں سے ہر ایک حرف کے مطابق تلاوت کرنا امت پر واجب نہیں ہے اور قرآن مجید کا احرفِ سبعہ پر نازل ہونا تلاوت کے معاملے میں امت پر آسانی کے واسطے رخصت کے طور پر تھا۔

۲...... یہ بات بھی معلوم ہے کہ احرفِ سبعہ میں سے بہت کچھ عرضۂ اخیرہ اور اس سے پہلے بھی منسوخ ہو گیا تھا اور جو کچھ ان میں باقی رہ گیا تھا وہ مصاحف عثمانیہ میں باقی و ثابت رکھا گیا ہے اور جو منسوخ ہو گیا تھا اس کی تلاوت کو ترک کر دیا گیا تھا۔

(ج)..... جمہور کا قول:

متقدمین ومتاخرین میں سے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ مجموعی طور پر ان احرفِ سبعہ پر مشتمل ہیں جو عرضۂ اخیرہ میں باقی رکھے گئے تھے۔ چنانچہ ہر ایک مصحف فی نفسہ تمام احرفِ سبعہ پر مشتمل نہیں ہے بلکہ احرفِ سبعہ میں سے جو ثابت و باقی ہیں وہ ان تمام مصاحف عثمانیہ میں منتشر طور پر پائے جاتے ہیں۔

جمہور کے دلائل:

۱...... یقیناً مصاحف عثمانیہ کی کتابت ان صحیفوں سے مکمل ہوئی جو صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جمع کیے گئے تھے اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ ان صحیفوں میں جو کچھ تھا وہ احرفِ سبعہ میں سے تھا۔

۲.....حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی ایسی صحیح یا ضعیف روایت منقول نہیں ہے جس میں آپ نے باقی احرف کو کالعدم قرار دینے کا حکم دیا ہو۔

۳.....مصاحف عثمانیہ میں پائے جانے والے اختلافات اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ ان مصاحف میں احرفِ سبعہ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر مصاحف صرف ایک ہی لغت کے مطابق ایک ہی حرف میں لکھے جاتے تو ان میں یہ اختلاف نہ پائے جاتے۔

۴...... مصاحف عثمانیہ میں لغت قریش کے علاوہ دوسرے بہت سارے لہجات اور لغات کے مطابق کلمات قرآنیہ کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مصاحف عثمانیہ کی کتابت صرف لغت قریش میں منحصر نہیں تھی۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہی وہ قول ہے جو درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ صحیح احادیث اور مشہور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں اور اسی کی گواہی دیتی ہیں۔''

فصل ثانی

قرآت کی اختلافی وجوہ اور ان کے فوائد

☆☆ پہلی بحث: قرآت کی اختلافی وجوہ.

☆☆ دوسری بحث: قرآت کے اختلافات میں پائے جانے والے فائدے اور حکمتیں.

☆☆ تیسری بحث: قرآت پر کئے جانے والے بعض شبہات کے جوابات.

پہلی بحث

قرآت کی اختلافی وجوہ

تلاوت قرآن مجید کی اختلافی وجوہ کے وجود وثبوت میں علماء کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ان اختلافی وجوہ کی تعیین وحصر میں اختلاف ضرور ہے۔وہ علماء کرام جنہوں نے احرفِ سبعہ کے مختلف معانی میں سے وجوہ سبعہ والے معنی کو ترجیح دی ہے انہوں نے وجوہ کو سات میں منحصر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں مندرجہ ذیل حضرات میں سے ہرایک کے بارے میں اس حوالے سے ذکر کر چکا ہوں کہ یہ حضرات ان وجوہ میں سے اکثر میں تو مشترک ہیں البتہ بعض حضرات بعض وجوہ کے ذکر کرنے میں منفرد ہیں:

۱......امام ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۵۵ھ)

۲......امام ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۷۶ھ)

۳......امام قاضی ابو بکر ابن الطیب باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۰۳ھ)

۴......امام ابو الفضل رازی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۵۴ھ)

۵......امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۳۳ھ)

ان میں سے ابن قتیبہ، رازی اور ابن الجزری رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کو چوتھی بحث میں ہم ذکر کر چکے ہیں ان کا ہم یہاں اعادہ نہیں کریں گے۔باقی امام سجستانی اور باقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال کو ہم یہاں ذکر کریں گے، پھر عمومی طور پر ہم ہر قول کے ماخذ کو ذکر کریں گے۔

سب سے پہلے ہم امام ابو حاتم سجستانی کے قول کو ذکر کرتے ہیں:

امام ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’پھر میں نے ان وجوہ میں غور وفکر کیا جن میں عرب کی لغات باہم ایک دوسرے کی مخالف ہیں تو میں نے ان وجوہ کو سات قسم کا پایا، نہ اس سے کم ہیں نہ اس سے زیادہ۔ان تمام اقسام کے ساتھ قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔وہ اقسام درج ذیل ہیں:

۱......ایک لفظ کو دوسرے ایسے لفظ سے تبدیل کرنا جو اس پہلے لفظ کے مرتبے میں ہو۔مثلاً:

”فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ“ (الجمعۃ:۹) کو ”فَامْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ“ سے بدل دینا۔اور ”کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ“ (القارعۃ:۵) کو ”کَالصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ“ سے بدلنا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے لفظ ”حوت“ اور

"سمك" بمعنی مچھلی، "العشب" اور "الکلأ" بمعنی گھاس چارہ، "النوم" اور "الرقود" بمعنی سونا، "الوعر" اور "الخشن" بمعنی سخت، کھردرا، "السکین" اور "المدی" بمعنی چھری۔وغیرہ وغیرہ۔

۲......ایک حرف کو اس جیسے دوسرے حرف سے تبدیل کرنا۔مثلاً:

"التابوت" (البقرۃ:۲۴۸) اور "التابوہ"۔لغت سے اس کی مثال: "قھرنی" اور "کھرنی"، "الربا" اور "الرما"

۳......کلمات یا حروف میں تقدیم وتاخیر۔کلمات میں تقدیم وتاخیر کی مثال:

"فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ" (التوبۃ:۱۱۱) (امام حمزہ، امام کسائی اور امام خلف رحمہم اللہ تعالیٰ مجہول کو مقدم اور معروف کو مؤخر کرکے "فَيُقْتَلُوْنَ وَيَقْتُلُوْنَ" پڑھتے ہیں اور باقی حضرات اس کے برعکس پڑھتے ہیں)۔لغت سے اس کی مثال:

سُلِبَ زيدٌ ثوبُه اور سُلِبَ ثوبُ زيدٍ۔حروف میں تقدیم وتاخیر کی مثال:

"اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ" (الرعد:۳۱) اور "اَفَلَمْ يَاْيَسِ الَّذِيْنَ" (یہ سیدنا بزّی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک وجہ ہے)۔لغت سے اس کی مثال:

صعق اور صقع، جبذ اور جذب۔

۴......کسی حرف کی کمی یا زیادتی۔مثلاً۔

"مَا اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطَانِيَهْ" (الحاقۃ:۲۸،۲۹) (ان آیات کے آخر میں ہاء سکتہ کا اضافہ ہے)۔لغت سے اس کی مثال:

تعرفینه، تعطینه۔اوران میں سے بعض حضرات بعض حروف کو ترخیم کے طور پر ساقط کردیتے ہیں۔مثلاً:

"يَامَالِ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ" (الزخرف:۷۷) "مالك" کے کاف کو گرا کر پڑھتے ہیں۔اسی کے قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے:

"فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ" (ھود:۱۰۹) لغت سے اس کی مثال:

"یا صاحب" کی جگہ "یا صاح"۔

۵......حرکات بنائیہ کا اختلاف۔مثلاً:

"بِالْبُخْلِ" (النساء:۳۷) اور "البَخَلِ" اسی طرح "مَيْسَرَةٍ" (البقرۃ:۲۸۰) اور "مَيْسُرَةٍ" نیز اس کی قبیل میں سے بعض حضرات کا "قِيْلَ" اور "غِيْضَ" جیسے کلمات میں اشمام کرنا بھی ہے۔لغت سے اس کی مثال: نَعَم اور نَعِم۔

۶......اعراب (رفع، نصب، جر) کا اختلاف ۔مثلاً:

"مَا هٰذَا بَشَرًا" (یوسف:۳۱) اور "مَا هٰذا بَشَرٌ" اسی طرح "اِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" (طٰہٰ:۶۳) (اس میں چار قراآت ہیں: (۱) "اِنَّ هٰذٰنِ" امام نافع، امام ابن عامر، امام شعبہ، امام حمزہ، امام کسائی، امام ابوجعفر، امام یعقوب اور امام خلف العاشر رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے ۔(۲) "اِنْ هٰذٰنِّ" امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے ۔(۳) "اِنْ هٰذٰنِ" امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے سیدنا حفص رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے ۔(۴) "اِنَّ هٰذَيْنِ" امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے ۔)

لغت سے اس کی مثال: مَازَيْدٌ حَاضِرٌ (أي مَازَيْدٌ حَاضِرًا) اور مررت برجلان، اور قبضت منه درهمان، حارث بن کعب کی لغت کے مطابق ۔

۷......تفخیم اور اظہار کے ذریعے آواز کو بالکل واضح اور مکمل کرنا یا تقلیل، ادغام، فتح اور امالہ کے ذریعے آواز کو ذرا متوسط کرنا ۔پھر بہت سارے حروف میں اظہار اور ادغام کے بارے میں اہل عرب کے مذاہب مختلف ہیں ۔

دوسرے نمبر پر ہم قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ذکر کرتے ہیں:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے قراآت میں اختلاف کی وجوہ میں غوروفکر کیا تو ان کو میں نے سات پایا:

۱......ان میں سے ایک صورت وہ ہے جس میں حرکت تبدیل ہو جائے مگر اس کلمہ کا معنی اور خطی صورت برقرار رہے ۔مثلاً:

"هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ" (ھود:۷۸) اور "اطهرَ" یعنی راء کے رفع اور نصب کے ساتھ پڑھنا۔اسی طرح "وَيَضِيقُ صَدْرِيْ" (الشعراء:۱۳) اور "يضيقَ صدري" یعنی قاف کے ضمہ اور اس کی فتحہ کے ساتھ پڑھنا۔

۲......ایک اور صورت وہ ہے جس میں خطی صورت تبدیل نہ ہو جائے اور اعراب کے ساتھ معنی تبدیل ہو جائے ۔مثلاً:

"رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" (سبا:۱۹) اور "ربنا بٰعَدَ" یعنی صیغہ امر اور صیغہ ماضی کے ساتھ پڑھنا۔

۳......ان صورتوں میں سے ایک صورت وہ ہے جس کی خطی صورت برقرار رہے اور حروف کے اختلاف کی وجہ سے معنی تبدیل ہو جائے ۔مثلاً:

"كَيْفَ نُنْشِزُهَا" (البقرۃ:۲۵۹) اور "نُنْشِرُهَا" یعنی زاء اور راء کے ساتھ پڑھنا۔

۴......منجملہ ان صورتوں میں ایک صورت وہ ہے جس میں خطی صورت تبدیل ہوجائے اور معنی میں تبدیلی نہ ہو۔ مثلاً:

"كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ" (القارعة:۵) اور "كَالصُّوفِ الْمَنْفُوشِ"۔

۵......ایک اور صورت وہ ہے جس میں خطی صورت اور معنی دونوں تبدیل ہوجائیں۔ مثلاً:

"وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ" (الواقعة:۲۹) اور "طَلْعٍ مَّنْضُودٍ" حاء اور عین کے ساتھ دو قراآت۔

۶......تقدیم اور تاخیر کی صورت۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

"وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" (ق:۱۹) اور "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ"۔

۷......کمی اور زیادتی کی صورت۔ مثلاً:

"لَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ نَعْجَةً" (ص:۲۳) اور "لَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ نَعْجَةً أُنْثَى"۔

اوجہ کے بارے میں ذکر کردہ اقوال پر گرفت:

(الف)......اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وجوہ سات میں منحصر ہیں البتہ ان سات کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔

(ب)......اوجہ کے ضمن میں لہجات کے اختلاف کے ذکر کرنے میں علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ منفرد ہیں اور امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔ اس معاملے میں امام ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔ اور ساتویں وجہ میں امام سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف بعض اصولی اختلافات ہی کو ذکر کیا ہے۔ باقی رہے امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ تو وہ اصولی اختلاف کو ان اختلافات میں سے نہیں مانتے ہیں جن میں لفظ اور معنی کی نوعیت بدلتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اگر یہ مان لیں کہ ان سے بھی لفظ واحد میں تغیر ہوجاتا ہے تو پھر یہ ان سات قسموں میں سے پہلی قسم (حرکات میں تغیر ہوجائے لیکن لفظ کے معنی اور صورت میں نہ ہو) میں داخل ہوں گے۔"

(ج)......ان وجوہ میں سے بعض وجوہ کی مثالیں ذکر کرنے کے لئے قراآتِ شاذہ یا قراآتِ ضعیفہ یا قراآتِ منکرہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔

(د)......تعددِ احرف کی حکمت ناخواندہ امت سے تنگی اور مشقت کو اٹھانا ہے، جبکہ وہ انواع جن کو علماء کرام نے ذکر فرمایا ہے ان میں سے اکثر کا تعلق خط اور لکھنے سے ہے، ان چیزوں کو علماء محققین میں سے خاص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں تو اس صورت میں اس امت کے لئے آسانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی ہو۔

(ھ)......ان حضرات نے اوجہ کو سات میں منحصر کرنے کی کوشش کرنے میں بہت زیادہ تکلف سے کام لیا ہے

یہاں تک کہ ہمارے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ درحقیقت اوجہ فی نفسہ ایک الگ چیز ہیں اور وہ انواع واقسام جن کو ان حضرات محققین نے ذکر کیا ہے وہ ان سے بالکل ہی ایک الگ چیز ہیں جو ان اوجہ سے بالکل مختلف اور مغایر ہیں۔

(و)......ہمارے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم ان سات انواع کو صرف تین انواع میں جمع کر سکتے ہیں جیسا کہ امام ابوعمرو الدانی اور امام ابن الجزری رحمہما اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔اور وہ تین انواع یہ ہیں:

۱......پہلی قسم یہ ہے کہ صرف تلفظ میں فرق ہو، معنی اور مصداق میں فرق نہ ہو بلکہ ایک ہی رہے۔مثلاً:

''الصراط'' اور ''القدس'' اور اسی طرح قراآت کی وہ تمام تبدیلیاں جن کی بابت علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب اس لفظ کی صرف لغات ہیں، یعنی لغت کی تبدیلی سے معنی نہیں بدلتے، چنانچہ ''الصراط'' کو صاد، سین اور اشمام کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ''القدس'' کو دال کے ضمہ اور سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

۲......دوسری قسم یہ ہے کہ لفظ و معنی میں تبدیلی ہو لیکن مصداق متحد رہے۔مثلاً:

''كَيْفَ نُنْشِزُهَا'' (البقرة:۲۵۹) راء اور زاء کے ساتھ دو قراآت۔الانشار کے معنی الاحیاء یعنی زندہ کرنا اور الانشاز بمعنی التحريك للنقل یعنی منتقل کرنے کے لئے حرکت دینا، زندگی بھی حرکت کا نام ہے تو ان دونوں کے درمیان مصداق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

۳......تیسری قسم یہ ہے کہ لفظ، معنی اور مصداق تینوں میں فرق ہو جائے اور شئ واحد میں وہ دونوں جمع نہ ہوں لیکن ان میں ضدیت اور تناقض نہ ہو بلکہ تنوع اور تغایر کا اختلاف ہو۔مثلاً:

''وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا'' (یوسف:۱۱۰) تشدید اور تخفیف کے ساتھ۔پس ذال کی تشدید والی قراءت پر ظن کے معنی یقین کے ہیں اور جمع کی تینوں ضمیریں رسولوں کے لئے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ رسولوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب ان کی قوم نے ان کو پوری طرح جھٹلا دیا ہے۔تخفیف کی صورت میں ظن کے معنی شک اور وہم کے ہیں اور تینوں ضمیریں مرسل الیہم یعنی کفار و مشرکین کے لئے ہیں، یعنی کفار کو یہ وہم ہو گیا کہ رسولوں نے جو خبریں ہمیں دی ہیں ان میں ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔

چنانچہ اس صورت میں نہ کوئی تناقض ہے اور نہ تضاد، اگرچہ ان دونوں کا ایک چیز میں جمع ہونا ممتنع ہے۔

دوسری بحث

قراآت کے اختلاف میں پائی جانے والی حکمتیں اور فوائد

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے حضرات نے قراآت کے اختلافات میں پائی جانے والی حکمتیں اور فائدوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں چند اہم اور مشہور فوائد و حکم درج ذیل ہیں:

۱...... یہ اختلافات قرآن مجید کی صداقت وحقانیت پر عظیم الشان اور واضح ترین وقطعی دلیل اور مکمل ترین علامت ونشانی ہیں، اس لئے کہ جدا جدا قراآت میں طرح طرح کے اختلاف ہوتے ہوئے بھی قرآن میں ذرہ برابر ضدیت ومخالفت اور تناقض نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ "(السجدة: ۱تا ۳)

ترجمہ: "الم. رب العالمین کی طرف سے یہ ایک ایسی کتاب اتاری جارہی ہے جس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔ کیا لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں! یہ تو وہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (النساء: ۸۲)

ترجمہ: "کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔"

۲...... اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی صداقت وحقانیت پر واضح ترین اور قطعی دلیل ہے، کیونکہ ان وجوہ کے متعدد ہونے کے باوجود اور ان کی ادا کے متنوع ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام وجوہ کو اسی طرح ادا فرمایا جس طرح وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں۔ ان وجوہِ متعددہ کا نزول بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "هكذا انزلت"۔ یعنی اسی طرح نازل کیا گیا ہے۔

۳...... اس سے باقی امتوں کے مقابلہ میں اس امت کی عزت وبزرگی اور شرافت وفضیلت ظاہر ہوتی ہے، اس

لئے کہ اسی نے قرآن کریم کو حروفِ مختلفہ کے ساتھ حاصل کیا اور اس کو محفوظ کیا اور اس کی ضبط کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ یہ ایک عظیم الشان اور بہت بڑی فضیلت وخصوصیت ہے جو تمام امتوں میں سے صرف اسی امت کو حاصل ہے۔اس میں یہ امت منفرد شان کی حامل ہے۔

۴......حق تعالیٰ نے جو کتابِ عزیز اور کلامِ منزل کی حفاظت وصیانت کا ذمہ لیا تھا، اختلافِ حروف اور وجوہ کثیرہ سے اس کے بارے میں قدرتِ الٰہی کا کرشمہ اور حفاظتِ قرآن مجید کا بھید نہایت ممتاز اور نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ" (الحجر:۹)

ترجمہ: ''حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

۵......سب سے بڑی اور عظیم حکمت قرأت کے معاملے میں امت کے لئے آسانی اور تخفیف کرنا ہے۔اس میں اسی طرح لغات اور لہجات کے اختلاف کی رعایت رکھی گئی ہے، جس طرح مختلف طبقہ ہائے انسانی مثلاً بڑے بوڑھے، چھوٹے بچے، بڑی بڑھیا اور بالکل جاہل ان پڑھ وغیرہ کی رعایت رکھی گئی ہے۔

۶......اس میں امت کے لئے قرآن مجید کا یاد کرنا اور آگے اس کا نقل کرنا آسان ہوگیا، کیونکہ ایک ہی کلمہ میں اس کی مختلف اور متعدد وجوہ وقراآت کا یاد کرلینا زیادہ آسان ہے اور اس کے مقابلے میں مختلف قراآت کے معانی و مطالب کو ظاہر کرنے کے لئے مستقل جملوں اور آیتوں کا یاد کرنا اور نقل کرنا دشوار ہے۔

۷......انتہاء درجہ کی بلاغت اور کامل درجہ کا اعجاز نیز مکمل ترین اور حسین ترین اختصار کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ ایک کلمہ مختلف وجوہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، حالانکہ ان (مختلف وجوہ) کا رسم الخط ایک ہی ہے۔تو اس طرح ہر قراءت لفظ کے تکرار اور خط کو دہرائے بغیر ایک مستقل حکمِ شرعی پر دلالت کرتی ہے۔مثلاً:

"وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ" (المائدۃ:٦)

پس "ارجلکم" میں نصب والی قراءت پاؤں دھونے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے اور جر والی قراءت مسح علی الخفین کے جواز پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ شارع علیہ السلام نے اس کو ظاہر فرمایا ہے۔

۸......بعض اوقات اس سے کلامِ مجمل کا بیان اور کلامِ مبہم کی وضاحت ہوتی ہے۔مثلاً:

"فَامۡضُوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ" یہ اگرچہ شاذ قراءت ہے لیکن اس نے ایک قراءتِ متواترہ کے معنی کو واضح کردیا ہے، یعنی "فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ" (الجمعۃ:۹) یعنی اس قراءت متواترہ سے یہ وہم ہورہا تھا کہ آذان کے بعد جمعہ کے لئے دوڑ کر جانا چاہیئے لیکن یہاں یہ معنی مراد نہیں ہے، بلکہ صرف چلنا کافی ہے گو آہستہ ہی ہو۔تو ''فامضوا'' سے ''فاسعوا'' کی وضاحت ہوگئی۔

۹......احکام فقہیہ میں ان قراآت کا خاص اثر ہے، جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً:

(الف)....کسی متفق علیہ حکم کا ظاہر کرنا۔جیسا کہ ایک شاذ قراءت میں ہے:

”وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَءَةٌ وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِنْ اُمٍّ“ (النساء:۱۲) اس قراءت سے خوب ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں وہ بہن بھائی مراد ہیں جو اخیافی (ماں شریک) ہوں اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

(ب)....کبھی مختلف فیہ مسئلہ میں ایک حکم کو ترجیح دی جاتی ہے۔مثلاً:

”اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ“ (المائدۃ:۸۹) قسم کے کفارہ میں جو غلام آزاد کیا جاتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر اس کا مسلمان ہونا شرط ہے۔(اور اس قراءتِ شاذہ سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے)

(ج)....دو مختلف حکموں کو جمع کرنا۔مثلاً:

”وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ“ (البقرۃ:۲۲۲) اس میں ”يَطْهُرْنَ“ اور ”يَطَّهَّرْنَ“ تشدید اور تخفیف کے ساتھ دو قراآت ہیں۔پس یہاں دونوں قراآت کے حکموں کو جمع کرنا چاہیئے، چنانچہ تخفیف والی قراءت اصل اور مطلق طہارت پر دلالت کرتی ہے اور یہ حیض کا خون بند ہونے کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے اور تشدید والی قراءت طہارت کے مؤکد ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور طہارت میں مبالغہ غسل کے ذریعے ہوتا ہے۔چنانچہ دونوں حکموں کو جمع کرنا چاہیئے۔(لہٰذا تخفیف والی قرأت ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کے حیض کا خون پورے دس دن پر بند ہوا ہو اور تشدید والی قراءت ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کے حیض کا خون دس دن سے کم پر بند ہوا ہو۔پہلی قسم کی عورتوں سے انقطاعِ حیض کے ساتھ ہی صحبت کرنا جائز ہے اور دوسری قسم کی عورتوں سے غسل کرنے یا پوری ایک نماز کا وقت گزرنے کے بعد صحبت کرنا جائز ہے)

۱۰......صرفی اور نحوی قواعد کے صحیح ہونے کی دلیل بننا۔مثلاً: ”وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ“ (النساء:۱) چنانچہ ”الارحامِ“ میں جر والی قراءت کوفیین کی دلیل ہے۔(کیونکہ ان کے نزدیک ضمیر مجرور پر حرفِ جارّ کے اعادہ کے بغیر عطف کرنا جائز ہے) اور ”الارحامَ“ میں نصب والی قراءت بصریین کی دلیل ہے۔(کیونکہ ان کے نزدیک ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ حرفِ جارّ کے عطف جائز نہیں ہے بلکہ اعادہ حرفِ جارّ واجب ہے البتہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے اعادہ نہ کریں تو دوسری بات ہے)۔

۱۱......اہل حق کے لئے حجت اور اہل باطل اور کجروی اختیار کرنے والوں کی تردید کا سبب بن جانا۔مثلاً:

”وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا“ (الدھر:۲۰) ایک شاذ قراءت ”مَلِكًا“ میم کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔یہ اس بات کی اعلیٰ ترین دلیل ہے کہ دارِ آخرت میں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ضرور نصیب ہوگا۔(پس معتزلہ کا انکار مردود ہے)

۱۲......ان قراءات میں مختلف عربی لغات ولہجات کی مثالیں مذکور ہیں اس وجہ سے قراءات لغتِ عربیہ کو ضائع ہونے اور مٹ جانے سے محفوظ رکھتی ہیں، اس لئے قرآن مجید اور قراءات کا اہل عرب پر بہت بڑا احسان ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قراءات کا متنوع ہونا کئی آیتوں کے قائم مقام ہونا ہے۔ یہ بلاغت کی انواع میں سے ایک نوع ہے، اس کے جمال وخوبصورتی سے ایجاز یعنی بلاغت واختصار کی ابتداء ہوتی ہے اور اعجاز کے کمال تک منتہی ہوتی ہے۔ قراءات سب کی سب معجزہ ہیں اور ہر ایک قراءت کے ساتھ قرآن کی مثل لانے کا چیلنج (فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ [البقرة:۲۳]) برقرار ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قراءات کے متعدد ہونے کے ساتھ معجزات بھی متعدد ہو جاتے ہیں۔

تیسری بحث

قراآت پر کئے جانے والے بعض اعتراضات کے جوابات

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ دشمنانِ اسلام ہمیشہ سے مختلف وسائل کو بروئے کار لا کر اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح سے بھی مسلمان آپس میں اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کے پیچھے لگے رہیں اور اپنے دین ومذہب کا سب سے پہلا سرچشمہ یعنی قرآن مجید کے بارے میں شکوک وشبہات کے میدانِ تیہہ میں سرگردان و پریشان پھرتے رہیں۔ ان کی یہ ساری کوششیں اس امید پر ہوتی ہیں کہ شاید ان کو کہیں سے ایسے کمزور ایمان والے لوگ مل جائیں جو اسلام کے مدعی ہوں اور انہیں مسلمان سمجھا جاتا ہو، تاکہ وہ لوگ اپنے گھٹیا افکار اور خسیس عقائد اور شبہات کو ان کمزور ایمان والے لوگوں کے ذریعے عام مسلمانوں میں پروان چڑھائیں۔ انتہائی افسوس اور غم کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں میں کافروں کو مطلوب اس طرح کے افراد مل جاتے ہیں جو ان دین کے لٹیروں اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان اعتراضات وشبہات کو قبول کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک کے مستشرقین (یعنی وہ فرنگی جو مشرقی زبانوں اور علوم کے ماہر ہوں) کے وجود میں آنے کے بعد یہ معاملہ اور زیادہ گھمبیر ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ ضعیف الایمان لوگ ان دشمنان اسلام سے بھی زیادہ اسلام اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

ہم یہاں پر بعض ان شبہات واعتراضات کو ذکر کریں گے جن کو دشمنانِ اسلام نے اختلافِ قراآت اور قرآن مجید کے احرفِ سبعہ پر نازل ہونے پر وارد کئے ہیں، پھر ہم علماء کرام کے کلام کی روشنی میں ان اعتراضات پر رد اور جواب ذکر کریں گے۔

پہلا شبہہ

سرچشمۂ قراآت پر

بعض مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ قراآت کا سرچشمہ لغات اور لہجے ہیں۔ اس بات میں ان مستشرقین کے شاگرد طٰہٰ حسین نے ان کی تقلید کی ہے، چنانچہ اس کا کہنا ہے:

''اور حق بات یہ ہے کہ یہ قراآتِ سبعہ وحی سے ثابت نہیں ہیں، نہ کم میں نہ زیادہ میں۔ لہٰذا ان کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہے اور نہ فاسق ہے اور نہ ہی اپنے دین میں تنقیص کرنے والا ہے، سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے کہ ان قراآت کا سرچشمہ صرف اور صرف لہجے اور ان لہجوں کا اختلاف ہے ....اور یہ قراآت ان احرفِ سبعہ میں سے نہیں ہیں جن کے مطابق قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ وہ احرفِ سبعہ اور چیز ہیں اور یہ قراآت ایک دوسری چیز ہیں۔''

اس شبہہ کا ردّ و جواب:

(الف)....اس طرح کے شبہات پر ردّ کرنے کے لئے مفردات القرآن پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالنا ہی کافی ہے۔ چنانچہ قراآت کے فرشی اختلافات کا مشاہدہ کرنے سے یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہو جائے گی کہ تمام قراآت لغات اور لہجات کی قبیل سے نہیں ہیں اگرچہ اصولی اختلافات اکثر لہجات کی قبیل سے ہیں۔ مثلاً: فتح، امالہ، تحقیق، ابدال، تسہیل، صلہ، اسکان وغیرہ وغیرہ۔

باقی رہے قراآت کے فرشی اختلافات تو ان میں سے اکثریت کا تعلق لہجوں سے نہیں ہے، اس کی دلیل کے لئے ہم سورۂ بقرۃ میں آنے والی بعض قراآت کو بطور مثال کے پیش کرتے ہیں:

۱...... ''وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ'' (البقرۃ:۹) يَخْدَعُونَ اور يُخٰدِعُونَ دو قراآت ہیں۔

۲...... ''وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَٰعَةٌ'' (البقرۃ:۴۸) اس میں ''یقبل'' مذکر اور ''تقبل'' مؤنث دو طرح سے قراآت پڑھی جاتی ہے۔

۳...... ''نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ'' (البقرۃ:۵۸) ''نغفر'' نون کے ساتھ ''یغفر'' یاء کے ساتھ اور ''تغفر'' تاء کے ساتھ تین قراآت ہیں۔

۴...... ''وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ'' (البقرۃ:۸۱) ''خطیئتہ'' مفرد اور ''خطیئتہ'' جمع دو قراآت ہیں۔

۵...... ''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ'' (البقرۃ:۱۷۷) ''البرَّ'' منصوب اور ''البرُّ'' مرفوع دو طرح پڑھا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی فرشی قراآت ہیں۔ ان تمام مذکورہ بالا قراآت میں کونسے لہجے کے اختلافات پائے جاتے ہیں؟ کیا اب بھی ایک بیمار ذہن والے نام نہاد اسکالر کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ قراآت کا سرچشمہ لہجات ہیں؟ اس بات میں کوئی شک باقی نہیں ہے کہ اس طرح کے اقوال الحاد، زندقہ اور دین سے نکل جانے کی صورتیں ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اس کے علاوہ یہ اقوال درحقیقت اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنے کی کمزور کوشش اور شریعت کے سرچشمہ (قرآن

مجید) پر طعن و تشنیع کرنے کی ایک رکیک جسارت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (التوبۃ:۳۲)

ترجمہ: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔''

(ب)......رہے اصولی اختلافات، وہ اگر چہ لہجات کی قبیل سے ہیں لیکن وہ اس نوع سے تعلق رکھتے ہیں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً نے امت پر آسانی اور وسعت کے واسطے اجازت مرحمت فرمائی تھی اور اس کے علاوہ اس نوع کا سرچشمہ اور اساس نقل اور روایت ہے نہ کہ قیاس اور اجتہاد۔ چنانچہ ان قراء کرام سے ذوات الیاء کلمات میں امالہ نہ کرنے کی روایت بھی کی گئی ہے جن قراء کرام نے ان اصولی اختلافات میں امالہ کرنے کو اختیار کیا ہے۔ یہ صرف اور صرف اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے نزدیک روایت کی رُو سے ذوات الیاء میں امالہ کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔

مثلاً: امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ وہ ان کلمات میں امالہ کرتے ہیں جو مصاحف عثمانیہ میں یاء کے ساتھ لکھے گئے ہیں، خواہ ان کلمات کا الف یاء سے بدل کر آیا ہو یا بدل کر نہ آیا ہو، البتہ بعض کلمات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ان مستثنیات میں سے ''سَجٰی'' (الضحیٰ:۲) کا کلمہ بھی ہے۔ چنانچہ امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس میں امالہ نہیں کرتے ہیں اگر چہ یہ مرسوم بالیاء ہے، کیونکہ اس کلمہ میں امالہ کا ثبوت روایت کی رُو سے نہیں ہے۔

بہت سے مواقع میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ قراءت کے ائمہ کرام میں سے کسی امام کے لئے بعض حروفِ قرآنی ایک ہی وجہ کے ساتھ روایت کئے جاتے ہیں یہانتک کہ یہ چیز اس امام کے لئے اس کے منجملہ اصولوں میں سے ایک اصل بن جاتی ہے لیکن پھر بھی آپ ان کو ایک یا چند جگہ اس اصول کی مخالفت کرتے ہوئے پائیں گے۔ ان کے جواز کی وجہ سوائے روایت کی اتباع کرنے کے اور کوئی جواز کی صورت نہ پائیں گے۔ مثلاً:

امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ پورے قرآن مجید میں کلمہ ''یَحْزُنُ'' کو یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں لیکن صرف ایک جگہ سورۂ انبیاء میں ''یُحْزِنُ'' یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور امام نافع بن ابی نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں وہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے بالکل برعکس پڑھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کلمہ کو پورے قرآن مجید میں یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں لیکن سورۂ انبیاء میں اسی کلمہ کو یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

سیدنا حفص بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں تمام الفات کو خالص الف پڑھتے ہیں اور کہیں بھی امالہ نہیں کرتے لیکن صرف ایک جگہ یعنی سورۂ ھود آیت نمبر ۴۱ میں کلمہ ''مَجْرٖھَا'' میں امالہ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہی سیدنا

حفص بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی ہمزہ کی تسہیل نہیں کرتے ہیں بلکہ ہر جگہ تحقیق کے ساتھ پڑھتے ہیں، چاہے دو ہمزے دوکلموں میں ہوں یا ایک ہی کلمہ میں ہوں، سوائے ایک جگہ سورۂ فصلت آیت نمبر۴۴ میں کلمہ "ءَاَعْجَمِیٌّ" کے، کہ اس میں دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہیں، یہاں ان سے یہی منقول ہے۔ البتہ "ءٰٓ الْئٰنَ" (یونس:۵۱،۹۱) اور "ءٰٓ اللّٰہُ" (یونس:۵۹، النمل:۵۹) اور "ءٰٓ الذّٰکَرَیْنِ" (الانعام:۱۴۳، ۱۴۴) ان کلمات میں بالخلف دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہیں یعنی ان کلمات میں ان سے دو وجہیں منقول ہیں: (۱) تحقیق اور (۲) دوسرے ہمزہ کی تسہیل۔

اسی طرح قراء کرام کے اصول میں سے کوئی ایسا اصل نہیں پائیں گے جو ہر جگہ ایک ہی نہج پر جاری وساری ہوتا ہو بلکہ ایسے مستثنیٰ کلمات ومواضع آپ کو ملیں گے جو اس اصول کے مخالف ہونگے۔ یہ چیز اس بات پر بالکل وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ قراآت کے بارے میں اصل چیز روایت اور نقل ہے، قیاس اور اجتہاد کا اس باب میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس بات کے دلائل کہ قراآت کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے:

یہ بات ضروریات دین میں سے ہے اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ قرآن مجید وحی ربانی ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً پر حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ" (الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵)

ترجمہ: "بے شک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے امانت دار فرشتہ اسے لے کر اترا ہے (اے پیغمبر) تمہارے قلب پر اتارا ہے تا کہ تم ان (پیغمبروں) میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبردار کرتے ہیں ایسی عربی زبان میں اترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔"

حضرت جبریل علیہ السلام کا فرض منصبی اور ذمہ داری نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اور قرآن مجید کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کرنا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کی فرض منصبی اور کام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن مجید کی تعلیم دینا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ" (المائدۃ:٦٧)

ترجمہ: "اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو، اور اگر ایسا نہیں

کرو گے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" (الحجر: ۹۴)

ترجمہ: "جس بات کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے علی الاعلان لوگوں کو سنا دو اور جو لوگ (پھر بھی) شرک کریں ان کی پروا مت کرو۔"

(ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کرے یا ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ لے آئے۔ یہ وہ بات ہے جس پر تمام امت اسلامیہ کا اتفاق ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

(الف).....دعویٰ مذکورہ بالا کی تائید کے لئے قرآن مجید سے دلائل:

یہاں پر ہم چند آیاتِ قرآنیہ کو ذکر کرتے ہیں جو پوری وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کو اپنی طرف سے قرآن مجید میں کسی حرف یا کلمات کی تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (یونس: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: "اور وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے آملنے کی توقع نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جبکہ وہ بالکل واضح ہوتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: "یہ نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو" (اے پیغمبر) ان سے کہہ دو کہ: "مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو کسی اور چیز کی نہیں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے"۔ کہہ دو کہ: "اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ اللہ تمہیں اس سے واقف کراتا۔ آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں، کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ

تَحْجِزِيْنَ ـ" (الحاقة:٤٤ يا ٤٧)

ترجمہ: ''اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ان کے بچاؤ کے لئے آڑے آ سکتا۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ ـ" (النجم:۳تا۵)

ترجمہ: ''یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے یہ تو خاص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے انہیں ایک ایسے مضبوط طاقت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے جو قوت کا حامل ہے۔''

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قراآت قرآن مجید کا حصہ ہیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ یہ قراآت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی وحی ہیں۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نہ کسی حرف کو اپنی طرف سے تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کلمہ کو بدل سکتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور بدرجہ اولیٰ کسی کلمہ قرآنی کو تبدیل نہیں کر سکتا۔

(ب)..... احادیث سے استدلال:

قرآن مجید کے احرفِ سبعہ پر نازل ہونے سے متعلق احادیث جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں وہ اس بات پر واضح، صاف اور بے غبار دلالت کرتی ہیں کہ قراآت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کو اس بارے میں تبلیغ و تعلیم کے سوا کسی قسم کی تغییر و تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے، وہ احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ ان قراآت کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے حاصل کیا اور سیکھ لیا ہے۔ پھر صحابہ کرام سے تابعین نے ان قراآت کو حاصل کیا اور تابعین سے ان کے بعد والے لوگوں نے حاصل کیا یہاں تک کہ نسل در نسل منتقل ہو کر تواتر کے ساتھ یہ قراآت ہم تک پہنچیں۔ حضرت عمر بن خطاب اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں:

''قراءت سنت متبعہ ہے کہ پچھلا پہلے سے اخذ کرتا چلا آیا ہے، پس تمہیں جس طرح سکھایا جائے اسی طرح پڑھو۔''

ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ احادیث ذکر فرمائی ہیں جس میں قراءت میں نئی چیزیں نکالنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

۱..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ:

''اتباع کرو اور نئی چیزیں ایجاد مت کرو، تحقیق (قراآت کے بارے میں) تمہاری کفایت کی گئی ہے۔'' یعنی جو

قراآت منقول ہیں انہی کی تلاوت کرو، وہی تمہارے لئے کافی وشافی ہیں اور قیاس واجتہاد کے ذریعے کوئی نئی قراءت ایجاد مت کرو۔

۲.....حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

''یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً تمہیں اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ تم قرآن مجید کو اسی طرح پڑھو جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے۔''

(ج) قراآت تمام کی تمام منزل من اللہ ہیں اس میں قیاس واجتہاد کو کوئی دخل نہیں ،اس بارے میں علماء کرام کے اقوال:

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اوران قراآت میں سے جو قرأت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے اس کو قبول کرنا ضروری اور لازمی ہے.................اوراس پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ ایسی ہر قرأت اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے کیونکہ ہر صحیح قرأت کا دوسری کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ تعلق ہے۔پس ہر آیت کی طرح ہر قرأت پر بھی ایمان لانا واجب ہے..........''

اور آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

''اس بیان سے قراء اور فقہاء کے اختلاف کا فرق بھی واضح ہو گیا۔پس درحقیقت قراآت کی اختلافی وجوہ میں سے ہر ایک حق وصحیح اور منزل من اللہ اور بلاشبہ کلام الٰہی ہے(کیونکہ قراء کا اختلاف روایت کا ہے) اور فقہاء کا اختلاف اجتہادی ہوتا ہے اور درحقیقت ان کی اختلافی وجوہ میں سے ایک ہی وجہ صحیح اور حق ودرست ہوتی ہے(نہ کہ تمام وجوہ) اور گو ہر مذہب دوسرے کی نسبت سے درست ہے مگر خطا کا احتمال ضرور رکھتا ہے، لیکن قراءت کا ہر اختلاف دوسرے کی نسبت سے بھی اور واقع اور نفس الامر میں بھی حق اور صواب ہے۔اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان لائے ہیں..........''

قراآت کو قبول کرنے کے واسطے تواتر کے شرط ہونے کے بارے میں علماء کرام کے اقوال اس بات کی قطعی اور واضح دلیل ہیں کہ قراآت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قراآت کے امام قرآن کے کسی حرف میں اس وجہ پر عمل نہیں کرتے جو لغت میں زیادہ مشہور ہو اور عربیت میں قیاس کے زیادہ موافق ہو بلکہ اس پر عمل کرتے ہیں جو اثر و نقل کے اعتبار سے ثابت تر اور روایت کے لحاظ سے صحیح تر ہو۔جب کوئی حرف ان قراء سے اس طرح ثابت ہو جائے تو اس کو نہ عربیت کا قیاس رد کرسکتا ہے اور نہ لغت کی

شہرت۔ اس لئے کہ قراءت سنت متبعہ ہے جس کو قبول کرنا واجب ہے اور اس پر اعتماد کرنا لازم ہے۔''

آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، اثارِ صحابہ اور اقوالِ علماء کی روشنی میں علماء کرام نے قراآت میں قیاسِ مطلق پر عمل کرنے کو ناجائز بتلایا ہے۔ قیاسِ مطلق وہ قیاس ہے جس کے لئے قراءت وادا میں نہ تو کوئی اصل ہو جو اس کا مرجع بن سکے اور نہ کوئی مضبوط رکن ہو جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ (بلکہ بلا سند ہی ایک مستقل اور منقول قاعدہ پر قیاس کر کے دوسرا مستقل قاعدہ اپنی طرف سے بنالیا جائے۔ یہ قیاس ناجائز اور قابل ردّ ہے)

اسی وجہ سے امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وما لقياس في القرأت مدخل　　　فدونك ما فيه الرضا متكفلا

ترجمہ: ''اور قیاس کا قراءتِ قرآن میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس تو اس نقل کو لازم پکڑ لے جس میں ائمہ کی رضامندی ہے، اس حال میں کہ تو (اس نقل کی حفاظت کا) ذمہ دار بننے والا ہو۔''

یہی وجہ ہے کہ بہت سے ائمہ قراآت کو یہ کہنا پڑا کہ:

''اگر یہ پابندی نہ ہوتی کہ جس طرح ہم نے پڑھا ہے اسی طرح پڑھیں تو ہم فلاں حرف کو اس طرح اور فلاں حرف کو اس طرح پڑھتے۔''

کیا قراءت میں اجتہاد جائز ہے؟

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قراآت میں اور وجوہ کو ثابت کرنے کے لئے اجتہاد اور رائے کو عمل میں لانا جائز ہے بشرطیکہ وہ لغتِ عربیہ کے مطابق درست ہو اور اس کے ساتھ تکلم کرنا درست معلوم ہوتا ہو۔

شاید اس بارے میں ان لوگوں کا مستدل قرآن مجید کے احرفِ سبعہ پر نازل ہونے سے متعلق احادیث کے بارے میں غلط فہمی سے دوچار ہونا ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے کہ ہر کوئی قرآن مجید کو اپنی لغت اور لہجے میں جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے اگر چہ وہ قراءت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے منقول نہ ہو۔

اسی وجہ سے بعض حضرات نے قیاس مقبول کے ساتھ تلاوت کرنے کی اجازت دی ہے۔ قیاس مقبول کا مطلب یہ ہے کہ غیر منقول کو منقول پر قیاس کرنا۔ اور اس کا مقصد دونوں حرفوں کے درمیان کسی ایسی علت مشترکہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس قراءت کو جائز بتلانا ہوتا ہے جو علت جائز اور اس مقام کے مناسب ہو۔ مثلاً: دونوں کا ایک معنی میں شریک ہونا اور ایک دوسرے کا مترادف ہونا۔ جیسے: ''وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ'' (الانشراح:۲) والی آیت میں ''وضعنا'' کی جگہ ''حللنا'' پڑھنا۔ یا کسی ضعیف وجہ کو قوی وجہ پر قیاس کر لینا۔ جیسا کہ میم ساکن اصلی کے بعد باء ہو (جیسے: هم به) تو اس میم میں اخفاء شفوی اور اظہار دونوں صحیح ہیں (اخفاء اولیٰ ہے) اس پر قیاس کرتے ہوئے

بعض کند ذہن لوگوں نے (انبیاء اور الیمٌ بما جیسی مثالوں میں) نون ساکن اور تنوین کے بدلہ میں آنے والی میم میں بھی اظہار کو جائز قرار دے دیا۔ (جو محض بے سند ہے کیونکہ ایسے موقعوں میں اخفاء کا وجوب فن کی کتابوں میں مصرح ہے)

نیز کسرہ اور یائے ساکنہ کے بعد آنے والی راءِ ساکنہ کی ترقیق پر قیاس کرتے ہوئے کسرہ اور یاء سے پہلے آنے والی راء ساکنہ کو بھی باریک پڑھتے ہیں۔ (جیسے: فِرْعون اور خیْرٌ میں وقفاً راء مرقق ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے مرْیم اور بین المَرْءِ جیسی مثالوں میں بھی راء کو باریک پڑھتے ہیں)

اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ قول مردود ہے اور اس کے کہنے والے کے منہ پر اس کو مارا جائے گا، کیونکہ قرآن پاک کے الفاظ قیاس اور اجتہاد کے ذریعے نہیں لئے جاتے۔ گذشتہ صفحات میں جو کچھ ہم علماء کرام کے اقوال ذکر کر کے آئے ہیں اور اسی طرح علامہ امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جو شعر مذکور ہوا ہے یہ سب کچھ اس طرح کے جاہلوں کے تخیلات کو رد کرنے کے لئے کافی وشافی ہیں جو جان بوجھ کر یا جہالت کی وجہ سے ایسے ساقط الاعتبار اور مردود اقوال لے آتے ہیں جن کے پیچھے اسلام کی بنیاد کو ختم کرنے کی نیت وکوشش پوشیدہ ہوتی ہے۔

امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے جن قراء کرام، علماء لغت اور ائمہ عربیت سے ملاقات کی ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہیں پایا جو کسی کو اس بات کی اجازت دیتا ہو کہ وہ ایسی قراءت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے جس قراءت کے ساتھ سلف صالحینؒ نے تلاوت نہ کی ہو، اگر چہ وہ قرأت عربیت کی رُو سے جائز ہو، بلکہ میں نے ان حضرات کو دیکھا کہ وہ اس معاملے میں سختی سے کام لیتے ہیں اور اس بات سے سخت منع کرتے ہیں (کہ کوئی نئی قراءت ایجاد کر کے اس کے موافق تلاوت کرے) اور ان کے مشائخ میں جو حضرات پہلے گزرے ہیں ان کی نسبت سے بھی اس چیز کو وہ ناپسند فرماتے تھے۔ تاکہ اہل باطل اور کجروی اختیار کرنے والے لوگ قرآن مجید میں اپنی رائے کے مطابق کچھ کہنے کی جرأت نہ کریں، اور جو لوگ اس طرح کام کرتے تھے (یعنی اپنی رائے سے قراءت بناتے تھے) ان کو یہ حضرات بدعت کی طرف منسوب کرتے تھے اور ایسے لوگوں کو اہلِ سنت والجماعت سے خارج اور اہلِ قبلہ سے جدا اور امتِ مسلمہ کے مخالف قرار دیتے تھے۔''

امام باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی قاری اللہ تعالیٰ کے قول: ''وجاء ربك'' کی جگہ ''وافی ربك'' پڑھے یا اس قسم کی کوئی اور قراءت پڑھے تو یہ بالاجماع ناجائز ہے۔''

بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’قراآت تمام کی تمام توقیفی ہیں (یعنی قیاس کو اس میں دخل نہیں بلکہ منقول و ماثور ہیں) اور اختیاری نہیں ہیں... ....اور ان ائمہ کرام کی قرأت کے صحیح ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ کہ قراآت سنت متبعہ ہیں اس میں اجتہاد اور قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہے.......... اور یقیناً یہ اسی طرح ہی تھا کیونکہ قراءت ایک ایسی سنت وطریقہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے مروی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے بغیر کوئی قرأت ثابت نہیں ہو سکتی۔‘‘

یہ بات بھی معلوم ہے کہ کتاب اللہ، سنتِ رسول یا اجماعِ امت سے کوئی نص موجود نہ ہو تو اس وقت قیاس شرعی دلیل وحجت ہے لیکن یہ قیاس اپنے ثبوت میں ظنی ہے یعنی قیاس ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں، اور قیاس کو مستقل بنفسہ اصل اعتبار کرتے ہوئے یا بنیادی مصدر ومنبع قرار دیتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کتاب اللہ، سنت رسول یا عقل سلیم سے ثابت شدہ کوئی خاص دلیل موجود ہو (تو اس وقت قراآت کے باب میں قیاس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں) حالانکہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی جو قراآت کے باب میں قیاس کی طرف رجوع کرنے کو جائز رکھتی ہو۔

قراآت کے باب میں تو عقلِ سلیم بھی قیاس کرنے کو منع کرتی ہے اور اس پر بندش لگاتی ہے کیونکہ قرآن کی قرآنیت صرف اور صرف ان چیزوں سے ہوتی ہے جو یقینی اور قطعی بات تک پہنچائیں یعنی جس سے یقین قطعی حاصل ہو، اور یہاں قیاس ایسا نہیں ہے وہ کسی قطعی ویقینی نتیجے تک نہیں پہنچاتا۔

اگر بالفرض قراآت میں قیاسِ لغوی کا کوئی دخل اور اثر ہوتا تو امامِ لغت ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ’’بارئکم‘‘ کو ہمزہ کے سکون کے ساتھ نہیں پڑھتے اور اسی طرح ’’یامرکم، یامرھم، تامرھم، ینصرکم، یشعرکم‘‘ کو راء کے سکون کے ساتھ نہ پڑھتے جو کہ دیگر ائمہ کرام کے لئے مرفوع ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اہلِ لغت کے نزدیک ان کلمات کے ساکن الراء اور ’’بارئکم‘‘ کے بسکون الهمزہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے اس روایت کو امام سیبویہؒ، امام مبرّدؒ وغیرہ نے ردّ کیا ہے۔

اسی طرح امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت یوں نہ ہوتی:

’’وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلُ اَوْلَادَهُمْ شُرَكَآئِهِمْ‘‘ (الانعام:۱۳۷) مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مفعول کے ساتھ فصل کر کے ’’قتلُ اولادَھم شرکائِھم‘‘ پڑھا ہے۔

اور امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں نہ پڑھتے:

’’لِيُجْزٰى قَوْماً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ‘‘ (الجاثیۃ:۱۴) یعنی ’’یُجزیٰ‘‘ کو مجہول پڑھتے ہوئے ’’قوماً‘‘ کو منصوب پڑھا ہے۔

اور نہ ہی امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں قراءت فرماتے:

"وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ" (النساء:۱) یعنی "الارحامِ" مجرور۔ کیونکہ یہ تمام وجوہ وہ ہیں جو اہلِ لغت کے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوئی ہیں اور وہ اپنے آپ کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے کوئی چھٹکارا یا تاویل کا راستہ ڈھونڈنے میں بہت دقت محسوس کرتے ہیں، لیکن امام ابوعمرو ابن العلاء اور امام کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے نحوی قاریوں کے لئے ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہی کیونکہ یہ سنداً و روایۃً ثابت ہیں اور ایسی چیز کا انکار کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام قراآت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور ان کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔ ان قراآت کو قیاس یا اجتہاد کے ذریعے بطورِ قرآن لینا جائز نہیں ہے۔ یہ قراآت اگرچہ مختلف لغات اور لہجوں پر مشتمل ہیں لیکن اس کے باوجود کسی لغت یا لہجہ کو بطورِ قرآن اختیار کرنا یا اس کے مطابق قراءت کرنا جائز نہیں ہے الّا یہ کہ منقول اور مستند روایت سے ثابت ہو تو اس کا لینا اور اس کے مطابق قراءت کرنا جائز ہے۔

دوسرا شبہہ

قراآت کے اختلافات اور ان کے متعدد ہونے کے اسباب

سب سے پہلے ہم یہاں پر قراآت میں اختلاف کے اسباب سے متعلق لوگوں کے اقوال کو ذکر کریں گے اور اس کے ضمن میں اس سے متعلق مستشرقین کے اقوال کو ذکر کرکے ان کا ردّ کریں گے اور اس کے بعد قراآت میں اختلافات کے اساسی و بنیادی سبب کو ذکر کریں گے۔ بعض حضرات نے قراآت میں اختلافات کے بارے میں متعدد اسباب ذکر کئے ہیں۔ وہ اسباب درج ذیل ہیں۔

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی قرأت کا مختلف ہونا:

احادیث میں یہ بات وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً مسلمانوں کو قرآن مجید سکھانے میں ایک ہی لفظ کا التزام نہیں فرماتے تھے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے احرفِ سبعہ پر نازل ہونے سے متعلق احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے ان تمام صحابہ کرام کی تصویب فرمائی ہے جن کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ قراءتِ قرآن سے متعلق اختلاف ہوا ہے اور ان سب ہی حضرات نے قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے سیکھا تھا۔

اس بات کی سب سے بہترین دلیل کثرت کے ساتھ پائی جانے والی قراآتِ متواترہ ہیں کیونکہ یہ تمام قراآتِ

متواترہ سندِ صحیح متواتر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے روایت کی گئی ہیں۔

۲......نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کا صحابہ کرام کی قرأت کو برقرار رکھنے کی وجہ سے قراآت کا مختلف ہونا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ ہر قوم کو ان کی لغت کے مطابق اور ان کی دائمی عادت کے مطابق قرآن مجید پڑھائیں اور اس کی تعلیم دیں۔ چنانچہ ہذلی یوں پڑھتے تھے "عتی حین" حاء کی جگہ عین کے ساتھ۔ اور اسدی "تِعلمون، تِسود" تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ تمیمی ہمزہ کی تحقیق کرتے تھے اور قریشی تسہیل کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان قبائل کے لئے لغات میں وسعت عطا فرما دی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں ان پر آسانی کا معاملہ فرمایا تھا۔

۳......نزول کا مختلف ہونا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً ہر سال رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دَور فرماتے تھے اور صحابہ کرام نے ہر دَور کی قراآت کو حاصل کیا اور سیکھا تھا۔ چنانچہ ان حضرات میں سے کوئی کسی حرف کے مطابق تلاوت کرتا تھا اور کوئی کسی دوسری حرف کے مطابق تلاوت کرتا تھا۔ پھر وہ تمام حضرات آخری دَوروں پر متفق ہو گئے تو نتیجے میں بہت ہی کم احرف میں اختلاف رہا جن کے الفاظ بھی باہم ملتے جلتے تھے۔ شاید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جھگڑے کا واقعہ نزول کے مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے فرمایا کہ "کذلك انزلت" یعنی اسی طرح نازل کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں بہت ہی کم اور تھوڑے احرف میں باہم اختلاف ہوا تھا اور صحابہ کرام نے ان اختلافات کو مختلف مصاحف میں ضبط کر لیا تھا۔

۴......صحابہ کرام سے روایت کرنے میں اختلاف ہونا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی زبان مبارک سے قرآن مجید حاصل کرنے اور سیکھنے میں صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف رہا ہے۔ ان میں سے کسی نے صرف ایک وجہ کو حاصل کیا اور کسی نے دو یا دو سے زیادہ وجوہ کو حاصل کیا۔ جس طرح صحابہ کرام میں سے مصاحفِ عثمانیہ کے قراء قراآت مختلفہ کا علم رکھتے تھے اسی طرح تابعین ان حضرات سے قرآن مجید حاصل کرنے اور سیکھنے میں مختلف ہو گئے، اور اس کے بعد بالکل اسی طرح تبع تابعین نے اپنے

اساتذہ کرام تابعین سے علم قرآت حاصل کیا اور یہ سلسلہ آگے چلتا گیا........ یہاں تک کہ معاملہ ان مشہور ائمہ کرام تک پہنچا جنہوں نے اپنے آپ کو قرآت کے لئے وقف کر دیا تھا اور اسی کے ساتھ خاص ہو کر رہ گئے تھے۔

۵......لغات اور لہجوں کا مختلف ہونا:

بعض علماء کا یہی مسلک ہے کہ قرآت کے اختلاف کا سبب اہل عرب کی لغات اور لہجوں کا مختلف ہونا ہے۔ ان حضرات نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو تمام قبائلِ عرب کی لغات میں اتارا ہے۔

مستشرقین کے شاگردوں میں سے بعض معاصرین نے اس روایت کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور وہ اس قرآت کے اختلاف کا سبب اختلافِ لغات کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ لغات اور لہجوں کا اختلاف تمام قرآت میں نہیں ہے بلکہ بعض قرآت میں ہے۔ ڈاکٹر عبد الہادی الفضلی کہتے ہیں:

''جہاں تک میں سمجھتا ہوں اختلاف کی یہ قسم درحقیقت تقریر النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو ہوتا ہوا دیکھ کر سکوت اختیار فرمالیں) کے تحت داخل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کی قرآت کو برقرار رکھنے کے ضمن میں آتی ہے،........ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ذکر کردہ اسباب کے قائلین قرآت کے اختلاف کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی قرأت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو قرار دیتے ہیں اور یہ کہ یہ قرآت امت پر رحمت اور آسانی کے واسطے تھیں۔''

۶......مصاحف کا نقطوں اور حرکات سے خالی ہونا اور کلماتِ قرآنیہ کے بنیادی ڈھانچے میں قرّاء کرام کا اجتہاد سے کام لینا:

مشہور مستشرق گولڈ زیہر کا یہی مذہب ہے کہ قرآت کے مختلف ہونے کی وجہ درحقیقت مصاحف کا حرکات و نقاط سے خالی ہونا اور اس کے نتیجے میں قرّاء کرام کا کلماتِ قرآنیہ کی تعیین میں اجتہاد سے کام لینا تھا۔

بعض نام نہاد مسلمان معاصرین نے اس سے کافی اثر لیا اور اسی بات کے قائل ہوگئے۔ ان لوگوں پر ردّ کرنے کی طرف بہت سے حضرات نے خصوصی توجہ دی۔ ان میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱......محمد طاہر کردیؒ نے تاریخ القرآن میں ان پر ردّ کیا ہے۔

۲......عبد الوہاب حمودہؒ نے ''القرآت واللھجات'' میں ان پر ردّ کیا ہے۔

۳......عبد الفتاح القاضیؒ نے ''القرآت فی نظر المستشرقین و الملحدین'' میں ان پر ردّ کیا ہے۔

ان تمام ردود کا خلاصہ:

(الف)..... یقیناً قراآتِ مختلفہ قرآن مجید میں نقطے ڈالنے اور اعراب لگانے سے پہلے سے موجود تھیں بلکہ مصاحفِ عثمانیہ کے لکھنے اور ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی قراآت مختلفہ موجود تھیں۔اس لئے کہ اس وقت قرآن مجید کے نقل کرنے میں اعتماد اور بھروسہ حفظ اور یادپر ہوتا تھا مصاحف اور کتابوں میں محفوظ کرنے پر مدار نہیں تھا۔اس بات کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں بعض صحابہ کرام کا بعض قراآت کے بارے میں دوسرے بعض صحابہ کرام سے جھگڑا وغیرہ ہونے کا تذکرہ ہے۔

(ب)..... قراآت کے بارے میں اعتماد و بھروسہ نقل و روایت پر ہے۔اسی وجہ سے وہ قراآت قبول نہیں کی جاتیں جو من گھڑت ہوں یا کلماتِ قرآنیہ کی شکل وصورت اور رسم سے اجتہاد کے ذریعے نکالی گئی ہوں۔اس بات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تمام قراء کرام کا بعض کلمات کے رسمِ صریح کے خلاف ہونے کے باوجود ان کے نقل کرنے پر اتفاق ہے۔مثلاً:

"اِلٰفِھِم" کا کلمہ جو سورۂ قریش میں ہے، تمام مصاحف عثمانیہ میں پہلی جگہ "لایلاف قریش" میں رسماً یاء کا اثبات ہے اور دوسری جگہ "الفھم" میں یاء رسماً محذوف ہے۔اس بات میں تمام مصاحف عثمانیہ متفق ہیں لیکن اس کے باوجود پہلی جگہ امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس یاء کو قراءۃً حذف کرتے ہیں اور نہیں پڑھتے ہیں باوجودیکہ مرسوم ہے، اور دوسری جگہ امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام قراء عشرہ یاء کا قراءۃً اثبات کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں باوجودیکہ مرسوم نہیں ہے۔اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ نقل اور روایت کی رُو سے ایسا ہی ہے۔

صفاقسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد بن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''تلاوت کا رسم کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ رسم سنت متبعہ ہے کبھی تلاوت اس کے موافق ہوتی ہے اور کبھی اس کے مخالف ہوتی ہے۔دیکھئے! اہل رسم نے "وجایٓء" (الزمر:۶۹، الفجر:۲۳) میں یاء سے پہلے الف لکھا ہے اور اسی طرح "لَااَذۡبَحَنَّهٗ" (النمل:۲۱) میں اور "وَلَااَوۡضَعُوۡا" (التوبۃ:۴۷) میں ''لا'' لام کے بعد الف لکھا ہے اور قراءت اس رسم کے خلاف ہے یعنی الف پڑھا نہیں جاتا۔اس طرح کی اور مثالیں بہت ہیں۔''

امام ابوشامہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قراءت نقل کا نام ہے پس جو نقل ظاہری رسم کے موافق ہوگی وہ زیادہ مضبوط ہوگی اور صرف رسم کی اتباع واجب نہیں ہے جب تک کہ نقل کے ذریعے اس کو تائید وحمایت حاصل نہ ہو۔''

(ج)..... گولڈ زیہر نے ابتداءً جو دعویٰ کیا اس میں اور آخر میں جس نتیجے تک وہ پہنچا ان دونوں میں تناقض اور تضاد ہے (اور ایسی چیز قابلِ التفات نہیں ہوتی ہے) چنانچہ اس نے قراآت کے بارے میں اپنی آراء کو ایک ایسی

حدیث کے ذکر کرنے کے ساتھ ختم کر دیا ہے جو اس کے تمام اخذ کردہ نتائج کو منہدم کر دیتی ہے اور اس کے تمام باطل نظریات کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ اس نے اخیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو ذکر کیا جو آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ سے قرآن مجید کی کسی آیت کو ایک ایسے معنی کے مطابق تبدیل کرنے کے بارے میں پوچھا گیا جس معنی کا انہوں نے ارادہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا:

''یقیناً آج کے دن نہ قرآن مجید میں تغییر کی جاسکتی ہے اور نہ تبدیلی کی جائے گی۔''

(ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر "وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ" کی جگہ "وَطَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ" یعنی حاء کی جگہ عین پڑھا، تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ مصحف میں تبدیلی نہ کریں؟ یعنی مصحف میں حاء لکھا ہے ہم اس کو عین سے تبدیل نہ کریں؟ تو آپ نے فرمایا: "ما ینبغی للقران أن یهاج" یعنی قرآن مجید میں تبدیلی کرنا ٹھیک نہیں ہے)

اس طرح گولڈ زیہر کے اس قول کے ذریعے اس کے دعویٰ اور مذہب کا ردّ ہوتا ہے اور یہ بات اس کی دعویٰ کے خلاف ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''کسی بھی قراءت کی صحت کا دعویٰ اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی قراءت اس قرآن کے دائرے میں داخل ہوسکتی ہے جو قرآن معجز ہے اور اپنی مثل لانے کے لئے کوشش کرنے والوں کو چیلنج کرتا ہے، جب تک کہ کسی قابلِ اعتماد نقلی دلیل (روایت) سے اس قراءت کی صحت کے دعویٰ کو مستند اور ثابت نہ کیا جائے۔''

اس کے علاوہ اس مستشرق کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں جو اس بات کی صراحت و وضاحت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ سلم تسلیماً کے بعد قراآت کے معاملہ میں مسلمانوں کی اپنی کوئی رائے اور اجتہاد کا اعتبار نہیں ہے اور صرف اسی چیز پر عمل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے ثابت ہے اور صرف وہی چیز مقبول ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے خود پڑھا ہے۔

مذکورہ بالا تمام باتوں سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ قراآت میں اختلافات رسم الخط اور مصاحف میں نقاط و حرکات نہ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ قراآت میں اختلافات کی وجہ نقل اور روایت تھی۔

(د).....مصاحفِ عثمانیہ کے آپس میں اختلافات باعتبار رسم الخط کے بہت ہی کم ہیں۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ کے مصاحف کے درمیان صرف پانچ جگہ رسم الخط کے اعتبار سے اختلاف ہے۔

مصحفِ مدینہ اور مصحفِ عراق کے درمیان بارہ (۱۲) جگہ رسم الخط کے اعتبار سے اختلاف ہے۔

مصحفِ شام اور مصحفِ عراق کا آپس میں چالیس (۴۰) جگہ اختلاف ہے۔

باقی رہیں قراآت تو وہ اتنی زیادہ ہیں کہ حدِ شمار سے بھی زیادہ ہیں۔

(ھ).....مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اختلاف ان قراآت میں اختلاف کی بنیاد پر قائم ہے جو قراآتِ مختلفہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے روایت کی گئیں ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قراآت اوران میں اختلافات کا منشأ اور بنیاد مصاحف کے رسم کا مختلف ہونا نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ درحقیقت قراآت کے اختلافات کے بنیادی طور پر دو بڑے بڑے اسباب ہیں جیسا کہ ڈاکٹر عبدالہادی الفضلی کا مذہب یہی ہے۔وہ دو بنیادی اسباب یہ ہیں:

۱.....نزول کا متعدد ہونا: (ایک ہی کلام کا بار بار نازل ہونا)

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی اپنی تلاوت اور بعض تقریر (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خاص طریقے سے پڑھتے ہوئے سنا اور اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ خاموش رہے) بھی داخل ہیں،اور صحابہ کرام سے روایت کردہ بہت سی قراآت بھی اسی میں داخل ہیں۔

۲.....لہجوں کا متعدد اور کئی سارے ہونا:

اس میں بہت کم نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کے افعال میں سے داخل ہیں اور اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے اس میں داخل ہیں۔(یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قراءت میں لہجات کا اختلاف بہت کم تھا البتہ دوسرے لوگ جو مختلف لہجات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر نہیں فرمائی وہ بہت کثرت سے ہیں)

ابو طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اس مقام پر جس بات کو میں حق وصواب سمجھتا ہوں اور جو بات میرے ذہن میں آتی ہے.... حقیقت حال کا علم اللہ ہی کو معلوم ہے.... وہ بات یہ ہے کہ قراآت کے اختلافات کا سبب ایک ہی ہے،اختلاف قراآت کے اسباب متعدد نہیں ہیں،اس سبب کو ''نزول القران علی الأحرف السبعة'' کا عنوان دیا گیا ہے۔لیکن یہ سبب اپنے وجود میں ایک دوسرے سبب کا محتاج ہے اور وہ دوسرا سبب مختلف لغات اور لہجوں کا پایا جانا ہے۔چنانچہ تمام قرآنی اختلافات اس کے تحت آجاتے ہیں،خواہ وہ اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کے تلاوت کرنے کی وجہ سے ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی وجہ سے ہو یا تعددِ نزول کی وجہ سے ہو۔باقی رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کا اختلاف،سو وہ ان حضرات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے حاصل کرنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے پر موقوف ہے۔(تو اختلاف کی یہ نوعیت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی قراءت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے تحت داخل رہی) پھر ان تمام باتوں کے باوجود اس چیز کو لیا گیا اور قبول کیا گیا جو تواتر کے ساتھ روایت کی گئی ہو یا شہرت کے ساتھ روایت کی گئی ہو یعنی متواتر یا مشہور ہو۔پہلا جمہور کا مذہب ہے۔

ان کے ہاں قراءت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تواتر سے ثابت ہو، اور دوسرا علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے کہ قراءتِ صحیحہ کے لئے شہرت کافی ہے، تواتر شرط نہیں۔ ان کے علاوہ باقی قراآت پر (جو کہ نہ متواتر ہوں اور نہ مشہور ہوں) شاذ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

اس مقام پر اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کا صحابہ کرام کی قراآت پر سکوت فرما کر اس کی توثیق فرمانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس صحابی کی قراءت پر سکوت فرما کر اس کی توثیق فرماتے تھے جو اس قراءت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے سیکھے بغیر صرف اپنے اجتہاد اور رائے سے اپنی لغت اور لہجے کے مطابق پڑھتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید احرفِ مختلفہ پر مشتمل ہونے کے باوجود بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی وحی ہے اس میں کسی قسم کے قیاس اور رائے و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہے۔

فصل ثالث

رسم المصحف العثمانی

☆☆......پہلی بحث: رسم کی تعریف اور اس کے قواعد.

☆☆......دوسری بحث: رسم عثمانی کے التزام کا حکم.

پہلی بحث

رسم کی تعریف اور اس کے قواعد و فوائد.

رسم کی لغوی تعریف:

رسم کے لغوی معنی "الأثر" یعنی نشان، اثر، پرانی یادگار کے ہیں۔ اسی معنی میں جمیل بن معمر العذری شاعر نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

ورسمِ دارٍ وقفتُ فی طَلَلِه		كدتُ أقضی الحیاةَ من جَلَلِه

ترجمہ: ''بہت سے ایسے گھر کے نشانات جس کے دھندلے نقوش کے پاس میں کھڑا رہا اور قریب تھا کہ میں اس (گھر کے دھندلے نشانات کو دیکھ کر اپنی محبوبہ کے یاد آنے اور ماضی کی حسین یادگار یادیں تازہ ہونے) کی وجہ سے مرجاتا۔''

اس شعر میں رسم "آثار الدار" یعنی گھر کے نشانات کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اسی طرح رسم سے مراد الفاظ کے لکھنے کا نشان بھی لیا جاتا ہے اور لفظِ "الخط، الكتابة، السطر، الرقم" بمعنی لکھنا ''الرسم'' کے مترادف الفاظ ہیں۔ الرسم کی اصطلاح کا زیادہ استعمال مصاحفِ قرآنیہ کی لکھائی پر ہوتا ہے۔

رسم کی اصطلاحی تعریف:

"تصویر کلمة بحروف هجائها، بتقدیر الابتداء بها والوقوف علیها؛ لتتحول اللغة المنطوقة إلى آثار مرئیة."

ترجمہ: ''کسی کلمہ پر وقف و ابتداء کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کلمہ کی شکل و صورت کو حروفِ ہجائیہ کے ذریعے بنانا، تاکہ بولی جانے والی زبان دیکھے جانے والے نقوش میں تبدیل ہو جائے، رسم کہلاتا ہے۔''

رسم عثمانی سے کیا مراد ہے؟

"الوضع الذی ارتضاه عثمان رضی الله عنه فی عهده فی كتابة كلمات القرآن الكريم وحروفه، حینما أمر بنسخ المصاحف."

ترجمہ: ''رسم عثمانی سے مراد وہ وضع اور ہیئت ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے قرآن مجید کے

کلمات اور اس کے حروف کو لکھنے کے لئے اس وقت پسند فرمایا جس وقت آپ نے قرآن مجید کے نسخوں کو لکھنے کا حکم فرمایا۔''

رسم کی قسمیں:

رسم کی دو قسمیں ہیں:

(الف).....رسم قیاسی:

یہ وہ رسم ہے جس میں خط تلفظ کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً: نستعین.

(ب).....رسم اصطلاحی:

یہ وہ رسم ہے جس میں خط تلفظ کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً: ابدال یا کسی حرف کی زیادتی یا کمی یا فصل و وصل اور اسی طرح کی دوسری صورتیں جن کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے۔

مصاحف عثمانیہ سے کیا مراد ہے؟

مصاحف عثمانیہ سے مراد قرآن مجید کے وہ نسخے ہیں جن کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں لکھنے کا حکم دیا تھا اور ان کے سوا دوسرے مصاحف کو جلانے کا حکم دیا تھا تا کہ اُمت مسلمہ کو ان مصاحف پر جمع کرلیں اور ان پر سب کا اتفاق ہو۔ یہ کام آپ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کرنے کے بعد کیا۔ تمام حضرات نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا، اور کتابتِ مصاحف کے فریضے اور مشن کو آپ نے حضرت زید بن ثابت انصاری، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سپرد فرمایا اور ان حضرات کو اس بات کا حکم دیا کہ مصاحف کی کتابت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مصاحف سے نقل کر کے کرلیں اور یہ کام مصاحف میں جو کچھ ہے اس کو دوسرے حاملین قرآن صحابہ کرام کے سامنے پیش کرنے کے بعد ہونا چاہیے، اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کے سامنے لکھے ہوئے صحیفوں کو منگوا کر اس کے صحیح ہونے کا پوری طرح یقین کر لینے کے بعد مصاحف تیار کئے جائیں۔ چنانچہ ان حضرات نے مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں قرآن مجید کے متعدد نسخے تیار کر لئے اور صحیح قول کے مطابق ان حضرات کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخوں کی تعداد چھ (۶) تھی۔ جب ان حضرات صحابہ کرام نے اپنے فرضِ منصبی اور مشن کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے دیا تو ایک ایک نسخہ بڑے بڑے اسلامی شہروں کی طرف روانہ کیا اور ایک نسخہ مدینہ

منورہ میں رہنے دیا، اس کا نام ''المدنی العام'' رکھا گیا، اور ایک نسخہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے پاس رکھا، اس کو ''المدنی الخاص'' یا ''المصحف الإمام'' کہا جانے لگا۔ اس کے علاوہ دوسرے شہروں کی طرف ہر ایک مصحف کے ساتھ حاملین قرآن میں سے ایک قاری کو روانہ فرما دیا تا کہ یہ قاری اس شہر والوں کو اس مصحف کے مطابق قرآن مجید پڑھائے۔

جس قدر ممکن ہو سکا مصاحف عثمانیہ کے لکھنے والوں نے قراآتِ مختلفہ کو ایک ہی رسم کے ساتھ باقی رکھنے کی کوشش کی اور جہاں کہیں مختلف قراآت کو ایک ہی رسم کے ساتھ باقی رکھنا ممکن نہ ہوا تو اس کو مصاحف میں دو مختلف رسموں کے ساتھ باقی رکھا۔ مثلاً: بعض حروف یا بعض کلمات کی زیادتی یا بعض جگہوں میں ان حروف وکلمات کی کمی۔ جس چیز نے قراآتِ مختلفہ کو ایک ہی رسم کے ذریعے بڑے پیمانے پر باقی رکھنے میں ان حضرات کی مدد کی وہ رسم عثمانی کا نقاط اور حرکات سے خالی ہونا اور قرآن مجید کے آیات کی کتابت ایک ایسے خاص املائی طریقے پر کرنا ہے جو دو یا دو سے زیادہ وجہوں کا احتمال رکھتا ہو۔

مصاحف عثمانیہ کے رسم کا اکثر حصہ قیاسی ہے یعنی قواعد عربیہ اور جدید املائی خط کے مطابق ہے، البتہ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو اس کے خلاف ہیں (یعنی رسم قیاسی کے مطابق نہیں ہیں بلکہ وہ رسم توقیفی منجانب اللہ ہے) ان میں جس طرح لکھا گیا ہے اس کی اتباع کرنا ہم پر واجب ہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی حکمت ہمیں معلوم ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کی حکمت کا ہمیں علم نہیں ہے۔ یہ کام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اتفاقی طور پر صادر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ ایک واقعی حکم کی وجہ سے تھا جو بذریعہ وحی ان کو دیا گیا تھا یعنی یہ کام بامر اللہ اور توقیفی تھا، جیسا کہ علامہ دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (اتحاف فضلاء البشر میں) فرمایا ہے۔

رسمِ مصحفی کے قواعد:

علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مصحف کے رسم کے قواعد کو چھ (٦) قاعدوں میں منحصر کرنے کی کوشش کی ہیں اور وہ چھ قاعدے یہ ہیں:

١...... الحذف. (حذف کرنا)

٢...... الزیادۃ. (بڑھانا)

٣...... الھمز. (ہمزہ کے قاعدے، اس لئے کہ ہمزہ کی اپنی کوئی متعین شکل نہیں ہے)

٤...... البدل. (ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا)

٥...... الفصل والوصل. (دو کلموں کو ملا کر یا جدا جدا کر کے لکھنا)

۶ ......جس جگہ دو قراآت ہوں تو ان کو کسی ایک قراءت کے مطابق لکھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا قواعد کی مختصر تشریح:

۱......حذف کرنے کا قاعدہ:

وہ حروف جو مصحف میں کتابۃً حذف کیے جاتے ہیں، یہ ہیں:

الف، واو، یاء، لام.

الف کے حذف کرنے کی مثالیں:

"یأیُّها الناس، هأنتم، اللّٰه، مُسْلِمٰتٍ، رَجُلٰنِ".

واو کے حذف کرنے کی مثالیں:

"لا یستوٗن، الغاوٗن، داوٗد، فَأوٗا."

یاء کے حذف کرنے کی مثالیں:

"غَیْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ، وَأَطِیْعُوْنِ، فَارْهَبُوْنِ، یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ."

لام کے حذف کرنے کی مثالیں:

"اَلَّیل، الَّذِیْ."

زیادہ کرنے کے قاعدے:

وہ حروف جو کبھی کبھی بڑھائے جاتے ہیں وہ تینوں حروف مدہ یعنی واو، الف، یاء ہیں۔

الف کے بڑھانے کی مثالیں:

"مُلٰاقُوا، بَنُوْا اِسْرَآئِیْل، اُولُوا الاَلْبَاب، تَفْتَؤُا، شُفَعٰؤُا".

واو کے بڑھانے کی مثالیں:

"اُولُوْا، اُولٰئِكَ، اُوْلَآءِ، اُوْلَاتِ."

یاء کے بڑھانے کی مثالیں:

"نَبَاِی، اٰنَآءِ ی، تِلْقَآءِ ی، بِاَیِّیکُمْ، بِاَیْیدٍ".

۳......ہمزہ کے قاعدے:

ہمزہ کبھی الف کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:

اَلْبَاْسَآءِ، لَتَنُوْٓاُ، اُنْزِلَ.

اور ہمزہ کبھی واؤ کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:

اُوْتُمِنَ، تَقْرَؤُهٗ، لُؤْلُؤٌ، يَبْدَؤُا.

اور ہمزہ کبھی یاء کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:

اِئْذَنْ، سُئِلَ، شَاطِئِ.

اور کبھی سطر پر ویسے ہی نشان لگا دیا جاتا ہے۔ (یعنی عین کے سر کا نشان) مثلاً:

"مِلْءُ، الْخَبْءَ، دِفْءٌ."

۴......بدل کے قاعدے:

الف کو واؤ سے بدل کر لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:

الصَّلٰوةَ، الزَّكٰوةَ، الْحَيٰوةِ.

اور کبھی الف کو یاء لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:

يَا حَسْرَتٰى، يَا اَسَفٰى، اِلٰى، حَتّٰى.

کبھی کبھی بعض کلمات میں گول تاء کو لمبی تاء کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:

" شَجَرَتَ، اِبْنَتَ، قُرَّتُ عَيْنٍ، فِطْرَتَ، جَنَّتِ النَّعِيمِ، اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ."

۵......وصل اور فصل کے قاعدے:

اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

مثلاً: "اَنْ" کو "لا" کے ساتھ ملا کر لکھنا۔ جیسے: "اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ"

یا "اَمْ" کو "مَا" کے ساتھ ملا کر لکھنا۔ جیسے: "اَمَّا اشْتَمَلَتْ" (الانعام: ۱۴۳،۱۴۴)

یا "اِنْ" کو "مَا" کے ساتھ ملا کر لکھنا۔ جیسے: "وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ" (الرعد اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں میں)

یا "عَنْ" کو "مَا" کے ساتھ ملا کر لکھنا۔ جیسے: "عَمَّا يُشْرِكُوْنَ"

یا "عَنْ" کو "مَا" سے جدا کر کے لکھنا۔ جیسے: "عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ" (الاعراف: ۱۶۶)

یا "اِنْ" کو "مَا" سے جدا کرنے لکھنا۔ جیسے: "وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ" (الرعد: ۴۰)

یا "مَا" کو "حَيْثُ" سے جدا کرنے لکھنا۔ جیسے: "وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا" سورۃ بقرۃ میں دو جگہ آیت (۱۴۴) اور (۱۵۰) قرآن مجید میں اس کی اور کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

۶......جس میں دو قراآت ہوں اس کا قاعدہ:

وہ کلماتِ قرآنیہ جو ایک سے زیادہ قراآت پر مشتمل ہوں اوران کا نقاط اور حرکات سے خالی ہونا ان کو ہر قراءت کا احتمال رکھنے والا بناتا ہو ایسے کلمات کو کاتبین مصاحف نے تمام مصاحف میں ایک ہی رسم کے مطابق لکھ دیئے۔ مثلاً: ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' اور ''الصِّرٰطِ الْمُسْتَقِيْمَ'' ان میں سے ایک قراءت تحقیقاً رسم کے مطابق ہوگی اور دوسری قراءت تقدیراً رسم کے مطابق ہوگی۔ اگر کوئی قراءت ایک رسم کے ساتھ صرف ایک ہی وجہ کا احتمال رکھتی ہو تو ایسے کلمات کو ان حضرات نے بعض مصاحف میں ایسے رسم کے ساتھ لکھا ہے جو ایک قراءت پر دلالت کرتا ہو اور دوسرے مصاحف میں دوسرے رسم کے ساتھ لکھا ہے جو دوسری قراءت پر دلالت کرتا ہو۔ مثلاً:

''وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ'' اور ''وَاَوْصٰى بِهَا اِبْرٰهٖمُ'' (البقرۃ:۱۳۲) یا ''وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا'' اور ''قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا'' (البقرۃ:۱۱۶) یعنی 'وقالوا' واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے۔

رسمِ عثمانی کے فوائد:

رسمِ عثمانی کے بہت سے فائدے ہیں اور کلماتِ قرآنیہ کو اس خاص وضع و ہیئت کے ساتھ لکھنے میں بہت سے فائدے ہیں جس وضع کو مصاحف کے لکھتے وقت صحابہ کرام نے اختیار فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض فائدے درج ذیل ہیں:

۱......اس طریقہ کار کی وجہ سے ایک ہی کلمہ میں پائی جانے والی متنوع اور مختلف قراآت پر ایک ہی رسم کے ذریعے بقدر امکان دلالت ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی رسم ایک وجہ سے زیادہ کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس کلمہ کو اصل کے خلاف دوسرے طریقے سے لکھا گیا۔ مثلاً:

قول باری تعالیٰ: ''قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ'' (طٰہٰ:۶۳) یہاں کلمہ ''هٰذٰنِ'' کو تمام مصاحف عثمانیہ میں بغیر الف اور یاء کے لکھا گیا ہے۔ اس میں تین قراآت ہیں:

(الف)......هٰذَانِ: ذال کے بعد الف کا اضافہ اور نون مخفف۔

(ب)......هٰذَانِّ: ذال کے بعد الف کا اضافہ اور نون مشدد۔

(ج)......هٰذَيْنِ: ذال کے بعد یاء کا اضافہ اور نون مخفف۔

یہ تینوں وجوہ تقدیراً رسم کے مطابق ہیں۔

اور کلمہ 'ان' مخفف 'اِنْ' اور مشدد 'اِنَّ' دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور یہ تحقیقاً رسم کے مطابق ہے۔ دونوں کلموں کو ملانے سے مندرجہ ذیل چار قراآت نکل آتی ہیں:

(الف)..... اِنَّ هٰذٰنِ: امام نافع، امام ابن عامر، امام شعبہ، امام حمزہ اور امام کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

(ب)..... اِنْ هٰذٰنِّ: امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

(ج)..... اِنْ هٰذٰنِ: امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے سیدنا حفص رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے۔

(د)..... اِنَّ هٰذَيْنِ: امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

۲......رسم عثمانی سے معانی مختلفہ سمجھ میں آتے ہیں۔مثلاً: "اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ" میں کلمہ "اَمْ" کو "مَنْ" سے جدا کرنا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہاں "اَمْ" منقطعہ "بَلْ" کے معنی میں ہے، "اَوْ" کے معنی میں نہیں ہے۔

۳......اس سے کبھی کلمہ کی حرکت اصلیہ پر دلالت ہوتی ہے۔مثلاً: "وَاِيْتَائِ" ہمزہ کے بعد یاء اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ اس کا ماقبل مکسور ہے، اور "سَاُوْرِيْكُمْ" میں ہمزہ کے بعد واؤ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ماقبل مضموم ہے۔

یا حرف اصلی پر دلالت کرتا ہے۔مثلاً: "الصلوٰة"، "الزكوٰة" الف کے بجائے واؤ سے لکھے جاتے ہیں۔ (تاکہ پتا چلے کہ حرف اصلی واؤ ہے)

۴......کبھی بعض فصیح لغات کا فائدہ دیتا ہے۔چنانچہ "رَحْمَت، سنت" جیسے کلمات میں ہائے تانیث مدورہ (ۃ) کو تاء مفتوحہ یعنی دارز تاء (ت) کی شکل میں لکھنا قبیلہ طی کی لغت (کے فصیح ہونے) پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ایسے کلمات میں ان کے ہاں وقف تاء کے ساتھ ہوتا ہے، اس ہاء تانیث کو وہ وقف میں ہاء سے تبدیل نہیں کرتے۔

۵......اس رسم کے ذریعے لوگوں کو اس بات پر ابھارا جاتا ہے کہ قرآن مجید کو اہل قرآن رجال کی زبانوں سے اور قابل اعتماد حفاظ کے سینوں سے مشافہۃً براہ راست حاصل کریں، کیونکہ قرآن مجید کو صحیح طریقہ سے صرف مصاحف سے حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تجوید کے احکام اور اداءِ قرآن کا طریقہ پہچاننا اور سمجھنا صرف اور صرف براہ راست کسی قاری سے سننے پر موقوف ہے۔

کیا سورتوں کے ابتداء میں پائے جانے والے حروف مقطعات کی صحیح ادائیگی صرف مصحف دیکھنے سے ممکن ہے؟ اور قاری سے سیکھے بغیر ان کا درست تلفظ کرنا ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔خواہ اس مصحف کا رسم کیسا ہی ہو، اور پڑھنے والا تہذیب جدید کی کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ ہو۔قرآن مجید کو حاملین قرآن قراءکرام سے براہ راست حاصل کرنے میں ایک اور خصوصیت بھی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما تک سند کا متصل ہونا ہے۔یہ اس امت کی وہ خاص خصوصیت ہے جو دوسری امتوں میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

دوسری بحث

مصحفِ عثمانی کے رسم کے التزام کا حکم

یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ کلمات قرآنیہ کے بہت بڑے حصے کا رسم اس کے تلفظ کے مطابق ہے، یعنی ان کا رسم قیاسی ہے۔ باقی رہے وہ کلمات جو اپنے تلفظ کے خلاف لکھے جاتے ہیں تو ایسے کلمات کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے کلمات کو مصاحف میں جدید املائی رسم الخط یعنی رسمِ قیاسی کے مطابق لکھنا جائز ہے یا ان کے لکھنے میں رسمِ عثمانی کی اتباع کرنا واجب ہے؟

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اس بارے میں علماء کرام کی تین رائے ہیں:

(الف)......جمہور علماء کرام کا قول:

جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ مصاحف کے لکھنے میں رسمِ عثمانی کی اتباع کرنا واجب ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

وہ اس بارے میں مختلف دلائل سے استدلال فرماتے ہیں ان میں سے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کے بہت سے کاتبینِ وحی تھے۔ ان کاتبینِ وحی نے اس وحی کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سامنے اسی رسم (رسم توقیفی) کے موافق لکھا۔ ان حضرات نے جو کچھ جس طرح لکھا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا بلکہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی کو لکھنے کے طریقے کے بارے میں رہنمائی فرماتے تھے۔ ان روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہدایت فرماتے ہیں:

”روشنائی دوات کو ٹھیک کرو، قلم کو درست کرلو، باء کو سیدھا لکھو، سین کے شوشوں کے درمیان برابر فاصلہ رکھو، جیم کو ٹیڑھا مت کرو، لفظ ”اللہ“ کو خوبصورت بناؤ اور قلم کو اپنے بائیں کان پر رکھ لو، اس لئے کہ یہ آپ کو زیادہ یاد دلانے والی چیز ہے۔“

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسم توقیفی ہے اور صحابہ کرام کے لئے اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے امت مسلمہ پر اس رسم کی اتباع کرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا واجب ہے۔

۲...... پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے معاملے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قائل کرلیا کہ یہ کام وقت کی اہم ضرورت ہے تو آپ نے اس معاملے میں شرح صدر کے بعد قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے اور لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مصحف صدیقی کی کتابت اسی رسم کے ساتھ مکمل ہوئی جس رسم کے مطابق قرآن مجید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کے سامنے لکھا گیا تھا اور اس وقت صحابہ کرام کے کثرت سے ہونے کے باوجود اس حوالے سے کسی ایک صحابی نے بھی مخالفت نہیں کی۔

۳...... اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب دورِ خلافت آیا تو آپ نے قرآن مجید کو جمع کرنے اور ان وجوہ کے مطابق جو وجوہ صحابہ کرام کے مابین مشہور اور ثابت تھیں قرآن مجید کی کتابت کرنے کے لئے ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل دی، اور ان حضرات کے لئے جمع قرآن کے واسطے قاعدے اور قانون بنائے۔ چنانچہ پورا قرآن مجید ان وجوہ و احرف کے مطابق جمع کیا گیا جو ان حضرات کے ہاں ثابت تھے۔ صحیح قول کے مطابق چھ مصاحف تیار ہوگئے۔ یہی وہ مصاحف تھے جن کا نام ''مصاحف عثمانیہ'' پڑ گیا، اور امت مسلمہ ان مصاحف کے رسم کی تقلید و پیروی کرتی ہے۔ ان مصاحف کی کتابت رسمِ عثمانی کے ساتھ مشہور ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس رسمِ عثمانی پر اجماع و اتفاق کرلیا اور صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ صحابہ کرام کا اجماع واجب الاتباع ہوتا ہے۔

۴...... پھر معاملہ اسی نہج پر چلتا رہا اور حضرات تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں اس پر عمل ہوتا رہا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت کو درست نہیں سمجھا۔ اس حوالے سے علماء امت کی تصریحات بہت کثرت سے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے رسمِ مصحف کی مخالفت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''میں اس کو درست نہیں سمجھتا ہوں بلکہ اسے کاتبین سلف کے نہج پر لکھا جائے۔''

علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''اس مسئلہ کے بارے میں علماء امت میں سے کوئی بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخالف نہیں ہے۔''

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہی برحق ہے ....''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''واو یا الف یا یا ء وغیرہ میں مصحف عثمانی کے رسم الخط کی مخالفت کرنا حرام ہے۔''

امام جعبری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے مصحف عثمانی کے رسم الخط کے واجب الاتباع ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل

کیا ہے۔اس کی تائید میں علماء کرام کے اقوال بہت کثرت سے ہیں اور یہیں سے علماء کرام نے رسم کی موافقت کو ان تین بنیادی ارکان وشرائط میں شمار کیا ہے جن ارکان پر قراآت کی قبولیت کا مدار ہے۔

(ب)......بعض لوگوں کا مذہب:

بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ مصاحف کو رسم قیاسی میں فنِ خط کے ماہرین کے ہاں رائج قواعد وضوابط کے مطابق لکھنا جائز ہے۔ان حضرات کے استدلالات درج ذیل ہیں:

۱......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے مصاحف کو اس فنِ خط کے مطابق لکھا جو ان کے ہاں رائج تھا اور ان حضرات کو اس فن میں مہارت حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ کلمات قرآنیہ کے لکھنے میں ان سے غلطیاں واقع ہوئیں تو ہم پر اس رسم میں ان کی اتباع کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ایسی غلطیوں میں ان کی مخالفت کرنا ہم پر لازم ہے، کیونکہ ان حضرات کا رسم لوگوں کو خلط ملط، التباس واشتباہ اور حیرت وسرگردانی میں ڈال سکتا ہے اور جس کی وجہ سے ان کے لئے صحیح اور درست طریقے سے تلاوت کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

۲......کوئی ایسی دلیل شرعی موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہوجائے کہ کسی متعین رسم کے مطابق مصحف کا لکھنا واجب ہے۔

(ج)......بعض متاخرین اور بعض معاصرین کا مذہب:

بعض متاخرین اور بعض معاصر علماء کا مذہب یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے مصاحف کو املاء ورسم کے عام قواعد وضوابط کے مطابق لکھنا واجب ہے، لیکن ساتھ ساتھ ان حضرات کے نزدیک سلف صالحین کی چھوڑی ہوئی عمدہ اسلامی یادگار میں سے ایک یادگار کے طور پر قدیم رسمِ عثمانی کی حفاظت کرنا بھی واجب ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے خواص کے لئے مصاحف کو رسم عثمانی کے مطابق لکھا جاتا ہے۔علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ رائے قرآن مجید کی نسبت سے دو جہت سے احتیاط کی رعایت رکھنے پر قائم ہے:

۱.....ایک جہت سے قرآن مجید کو ہر زمانے میں رائج ومعروف رسم الخط کے مطابق لکھنے سے عام لوگ قرآن مجید کے بارے میں اشتباہ وخلط میں پڑنے سے محفوظ اور دور رہیں گے۔

۲.....اور دوسری جہت سے ابتدائے اسلام والے ماثور ومنقول رسم کو باقی رکھنے کا سامان اس میں موجود ہے جس کو اس قدیم رسم کے پہچاننے والے لوگ پڑھتے ہیں اور وہ لوگ بھی پڑھتے ہیں جن کے بارے میں اشتباہ والتباس کا خوف نہیں ہوتا۔''

راجح قول:

مذکورہ بالا اقوال میں سے راجح قول جمہور کا ہے۔اس قول کے راجح ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

۱...... یقیناً وہ رسم الخط جس کے مطابق صحابہ کرام نے قرآن مجید کو لکھا، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے برقرار رکھا اور بہت پسند فرمایا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی اتباع کرنا امت پر واجب ہے۔

۲......اس رسم الخط پر صحابہ کرام نے اجماع کیا ہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی اور یہ عظیم الشان کام خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا، اور خلفائے راشدین کی اتباع کرنا امت پر واجب ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کا ارشاد ہے:

''تم میری سنتوں کو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑ لو.........''

۳......اس پر تابعین کے زمانے سے امت مسلمہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور اجماع امت ایک شرعی حجت اور دین کے اصولوں میں سے تیسرا اصل ہے اور اجماع امت کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اجماع امت ''سبیل المؤمنین'' یعنی ایمان والوں کا راستہ ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

" وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔" (النساء:۱۱۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔''

۴......رسم عثمانی کے بہت سے فائدے اور بہت سی خصوصیات ہیں۔خصوصاً یہ رسم مختلف قراآت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے ہوئے احرف سبعہ پر مشتمل ہے۔چنانچہ اس رسم کی مخالفت کرنے سے یہ سارے فائدے ضائع اور بے کار ہو جائیں گے۔

باقی رہے دوسرے دو مذاہب والے حضرات تو ان کا مندرجہ ذیل دلائل سے ردّ کرنا ممکن ہے:

۱......ان دو مذاہب سے صحابہ کرام، تابعین اور خیر القرون کے اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے۔

۲......موجودہ رسم واملاء کے قاعدے ہر زمانے اور ہر نئی نسل آنے کے ساتھ تبدیل ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے رہتے ہیں۔اگر ہم قرآن مجید کے رسم کو ان قواعد کے آگے سرنگوں کریں گے تو قرآن مجید میں تحریف کا دروازہ کھلے گا اور قرآن مجید تحریف کی چاند ماری کے لئے ہدف بن جائے گا۔

۳......رسم عثمانی لوگوں کو نہ تو اشتباہ والتباس میں ڈالتا ہے اور نہ ان کو حیرت کی وادیوں میں سرگردان کر دیتا ہے،

کیونکہ تمام مصاحف میں نقاط اور حرکات ڈال دیئے گئے ہیں بایں طور کہ مختلف قسم کی ایسی علامات ایجاد کی گئی ہیں جو حروفِ زائدہ یا حروفِ محذوفہ کے بدلے میں لائے ہوئے حروفِ ملحقہ (جو اصل مصحف میں لکھے ہوئے نہیں ہیں مگر پڑھے جاتے ہیں ان پر دلالت کرنے کے لئے لائے گئے حروف) پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے لوگوں کے اشتباہ اور التباس میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے۔

تنبیہ:

اصل مصاحف قرآنیہ کی کتابت میں اور مصاحف کے علاوہ کہیں اور قرآن مجید کی آیات لکھنے میں فرق ہے۔ چنانچہ اصل مصاحف قرآنیہ کے لکھنے میں مسلمانوں پر رسم عثمانی کی اتباع کرنا واجب ہے اور کسی کے لئے بھی اس سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے، اس کے دلائل واسباب وہی ہیں جن کو ہم نے جمہور کے مذہب کی تائید میں ذکر کیا ہے۔ باقی مصاحف کے علاوہ کسی اور جگہ قرآن مجید کی آیات لکھنے میں رسم عثمانی کا التزام کرنا مناسب ہے اور اختلاف سے باہر ہونے کی وجہ سے احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ جیسے آیات قرآنیہ کو عام دینی کتابوں کتب تفسیر، علمی رسالوں اور قرآن مجید کے الگ الگ کئے ہوئے پاروں میں لکھنا، جو پارے تعلیم و تعلم کے واسطے تیار کئے جاتے ہیں، خواہ چھوٹوں کے لئے ہوں یا بڑوں کے لئے۔ لیکن ان تمام قسم کی مؤلفات واجزاءِ قرآنیہ میں رسم عثمانی کی اتباع کرنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ بات جائز ہے کہ ان مؤلفات واجزاءِ قرآنیہ میں آیاتِ قرآنیہ کو جدید قیاسی رسم الخط کے مطابق لکھا جائے اور یہ چیز حرام نہیں ہے۔

فصل رابع

ترتیل اور اس کے دو ارکان کا بیان

☆☆......پہلی بحث: کلمہ ''الترتیل'' کا مفہوم.

☆☆......دوسری بحث: رکنِ اوّل: تجوید کی تشریح.

☆☆......تیسری بحث: رکنِ ثانی: وقف کی تشریح.

پہلی بحث

’’الترتیل‘‘ کا مفہوم

قراآت اور ترتیل کے درمیان ایک مضبوط تعلق ہے، اس لئے کہ قراآت، قرآن مجید کے کلمات کو پڑھنے کی مختلف وجوہ اور طریقوں کا نام ہے۔ اور قرآن مجید ترتیل کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

’’وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا‘‘ (الفرقان:۳۲)

ترجمہ: ’’اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔‘‘

قرآن مجید صرف ترتیل ہی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا‘‘ (المزمل:۴)

ترجمہ: ’’اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔‘‘

معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ترتیل کیا ہے؟ اور ترتیل کا کیا حکم ہے؟

ترتیل کی لغوی تعریف:

لغۃً ترتیل رتّل باب تفعیل کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: ’’رَتَّلَ فُلَانٌ كَلَامَهُ‘‘ یعنی اس نے اپنی گفتگو اور بات چیت کو اچھی طرح ترتیب دیا اور جلدی کئے بغیر نہایت اطمینان اور سکون ٹھہراؤ اور سمجھداری سے کھول کھول کر اور صاف صاف ادا کیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: ’’كلامٌ رتل أي مرتّل‘‘ یعنی ترتیل والا کلام، ’’ثَغْرٌ رَتَلٌ‘‘ یعنی سامنے کے دانتوں کا برابر ہونا، ’’رَجُلٌ رَتِلٌ‘‘ یعنی ایسا آدمی جس کے دانتوں کے درمیان کشادگی ہو۔

ترتیل کی اصطلاحی تعریف:

قراءة القرآن الكريم بتمهل واطمئنان مع تدبر المعاني، ومراعاة أحكام التجويد والوقف.

ترجمہ: ’’تجوید اور وقف کے احکام کی رعایت رکھتے ہوئے معانی میں غور و فکر کرنے کے ساتھ ساتھ طمانینت اور سکون کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا ترتیل کہلاتا ہے۔‘‘

چنانچہ ترتیل کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ ’’وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا‘‘ کی تفسیر اور مفہوم کے بیان میں سلف صالحین سے متعدد اقوال مروی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کو خوب صاف صاف پڑھیئے۔''

علامہ مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قرآن مجید پڑھنے میں سکون واطمینان اختیار کریں۔''

امام ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کے ایک ایک حرف کو صفائی سے پڑھیئے اور تلاوت میں طمانیت وسکون اختیار کریں اور ہر حرف کو بعد والے حرف سے جدا اور ممتاز طور پر ادا کریں۔''

امام حسن اور علامہ قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''واضح اور صاف قراءت کیجئے۔'' اور علامہ قتادہ رحمہ اللہ نے اس بات کا اضافہ کیا ہے: ''ٹھہر ٹھہر کر پڑھیئے۔''

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ترتیل کے معنی ہیں حروف کی عمدہ ادا کا خیال رکھنا اور محل وقف (و ابتداء) میں شعور و واقفیت پیدا کرنا۔''

ترتیل کی اہمیت:

ترتیل کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ فرمایا ہے:

"وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا" (الفرقان: ٣٢)

ترجمہ: ''ہم نے قرآن کو نہایت واضح اور صاف ادائیگی سے اتارا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ترتیل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے جو اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ اس ترتیل کی اہمیت کو اور زیادہ پختہ اور واضح کرنے کے لئے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کو اس ترتیل پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، فرماتے ہیں:

"وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا" (المزمل: ٤)

ترجمہ: ''اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔''

مذکورہ بالا آیت میں ترتیل کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ترتیل پر عمل کرنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ مصدر برائے تاکید بھی ذکر فرمایا، یعنی ''ترتیلا'' مفعول مطلق برائے تاکید ہے، یہ اس ترتیل کی عظمت کو بیان کرنے کے واسطے اور اس کا اہتمام کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ہے تاکہ یہ چیز قرآن مجید میں غور و فکر کرنے اور اس کے سمجھنے میں معین و مددگار ثابت ہو۔

مذکورہ بالا آیت کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں خود فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا" (الاسراء:١٠٦)

ترجمہ: ''اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے تاکہ تم اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔''

کلمہ ''مکث'' کا معنی تلاوت اور ترتیل میں ٹھہر ٹھہر کر طمانیت وسکون اختیار کرنے کے ہیں، اس طور پر کہ قاری قراءت کا حق ادا کرے یعنی قرأت ترتیل کے ساتھ کرے، حروف کو واضح طور پر ان کے مخارج سے تمام صفاتِ لازمہ اور صفاتِ عارضہ کے ساتھ ادا کرے اور جس قدر ممکن ہو سکے خوش الحانی وخوش آوازی کے ساتھ تلاوت کو مؤثر و دلنشین بنائے۔اس بات کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے۔فرماتے ہیں:

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" (البقرة:١٢١)

ترجمہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی جبکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہوں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے تو وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

اور تلاوت کا حق یہ ہے کہ کلمات کو ترتیل کے ساتھ پڑھے اور حروف کو تجوید کے ساتھ ادا کرے اور قرآن مجید کے معانی کو سمجھے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے۔اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔فرماتے ہیں:

"وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ" (طٰهٰ:١١٤)

ترجمہ: ''اور قرآن میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے۔''

اس آیت کریمہ میں تلاوت قرآن میں تیزی اور جلدی کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس بات کے خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چیز تلاوت قرآن میں غلطی اور لحن کا سبب بن جائے اور حروف کو ان کے حقوق (صفات لازمہ) اور ان کے مستحقات (صفات عارضہ) ادا نہ کرنے اور حقوق ومستحقات نہ دینے کا ذریعہ بن جائے، اگر ایسا ہو گیا تو اس میں ترتیل کے حکم کی مخالفت ہے۔اس بات کی اور زیادہ وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کی گئی ہے:

" لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ " (القيامة:١٦ تا ١٨)

ترجمہ: ''آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں۔ ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا (تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے)۔''

ان آیات کریمہ میں تلاوت کرتے وقت جلدی نہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کا حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن مجید سیکھنے اور ان سے قرآن مجید حاصل کرنے کی کیفیت کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس پر علماء کرام نے زور دیا ہے کہ قرآن مجید صرف اور صرف براہ راست بالمشافہ حاصل کیا جا سکتا ہے جس طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن حاصل کیا اور سیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ" (النمل:٦)

ترجمہ: ''اور آپ کو بالیقین ایک بڑی حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے۔''

اور "عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى" (النجم:۵)

ترجمہ: ''انہیں ایک مضبوط قوت والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً نے اسی کیفیت کے ساتھ تلاوت کرنے پر ابھارا ہے جس کیفیت کے ساتھ قرآن مجید نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کی جائے جس طرح یہ تازہ تازہ نازل کیا گیا۔''

اور فرمایا:

''جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن مجید کی اس طرح تلاوت کرے جس طرح یہ تازہ تازہ نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہئے کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھے۔''

اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی تلاوت ترتیل والی ہوتی تھی۔ یہ دعویٰ اگرچہ اپنے ثبوت میں کسی نص اور صراحۃً دلیل کا محتاج نہیں ہے کیونکہ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کو ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے کا حکم دیا ہے کما قال: " ورتل القران ترتیلا " (المزمل:۴) تو یہ چیز یقینی اور بدیہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً بالیقین اس حکم پر پوری طرح عمل فرماتے تھے لیکن اس کے باوجود ایسی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جن سے صراحت کے ساتھ یہ بات بالکل واضح اور ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت ترتیل والی ہوتی تھی۔ چند آثار و احادیث درج ذیل ہیں:

۱...... جامع ترمذی وغیرہ میں یعلی بن مملک سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی قراءت کے بارے میں سوال کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سنائی جس میں وہ بڑی وضاحت کے ساتھ ایک ایک حرف کو نمایاں کر کے پڑھتی تھیں۔

۲...... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے ایک اور روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ: ''نبی کریم صلی اللہ

علیہ والہ وسلم تسلیما خوب ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تلاوت فرماتے تھے: الحمد اللہ رب العالمین اس پر وقف فرماتے، الرحمٰن الرحیم پھر اس پر وقف فرماتے..........''

۳.....حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما قرآن کی ایک سورت کی تلاوت اس طرح فرماتے کہ وہ (وقت وزمانہ کے لحاظ سے) قرآن کی طویل ترین سورت سے بھی طویل ترین ہو جاتی۔''

۴.....صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کی قراءت کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کی قراءت کشش صوت کے ساتھ ہوتی تھی۔پھر انہوں نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو پڑھ کر سنایا اور ''اللّٰہ'' اور ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' سب کو مدّ کے ساتھ پڑھا۔

۵.....حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ: ''میں نے کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کو نوافل بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ایک سال باقی رہ گیا تو اس وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی ایک سورت کی تلاوت اس طرح فرماتے کہ وہ (وقت وزمانہ کے لحاظ سے) قرآن کی طویل ترین سورت سے بھی طویل ترین ہو جاتی تھی۔''

مذکورہ بالا احادیث اور ان جیسی دوسری روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کتاب اللہ کو ترتیل کے مطابق اس کیفیت کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے جس کیفیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن مجید سیکھا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کیفیت کے ساتھ قرآن مجید حاصل کیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی جلدی تلاوت کرنے کو "هذًّ كهذِّ الشعر" یعنی شعر کی طرح سمیٹنا اور "نثرا كنثر الدقل" ردی اور خشک کھجور بکھیرنے کی طرح بکھیرنا، سے تعبیر فرماتے تھے۔ترتیل کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ: ''(قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔''(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

ترتیل کا حکم:

اوپر ہم نے جو کچھ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور آثار سلف ذکر کئے ہیں ان کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جمہور علماء عموماً اور قراء کرام خصوصاً ترتیل قرآن کے وجوب کے قائل ہیں۔

امام ابن الباذش رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۴۰ھ) فرماتے ہیں: ''جان لیجئے کہ تجوید کے لازم (واجب) ہونے پر قراء کرام نے اجماع کیا ہے اور تجوید مخارج الحروف اور صفات الحروف کو ٹھیک کرنے کا نام ہے۔''

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اثر نقل فرمایا ہے جس سے تجوید کا واجب ہونا واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''قرآن کو تجوید و عمدگی سے پڑھو اور اس کو عمدہ ترین اور اچھی آوازوں کے ذریعے حسین و مزین بناؤ۔''

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

''اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ امت کے لئے جس طرح قرآن مجید کے معانی کا سمجھنا اور اس کے احکام و حدود پر عمل کرنا ایک عبادت ہے اور یہ ان پر فرض قرار دیا گیا ہے، اسی طرح ان پر قرآن مجید کے الفاظ کا صحیح طور سے پڑھنا اور اس کے حروف کو اسی صفت و طرز پر ادا کرنا بھی لازم و فرض ہے جس پر ان حروف کا ادا کرنا فن قراءت (وتجوید) کے اماموں سے حاصل کیا گیا ہے اور جو کیفیت و صفت متواتر (سلسلہ بسلسلہ) بارگاہ نبوی تک متصل و مسلسل (پے در پے اور لگاتار) ہے (یعنی سند متصل کے ساتھ ثابت ہے) نیز جو کیفیت و صفت انتہائی فصیح و عربی ہے جس کی مخالفت کرنا اور اس سے انحراف کر کے کسی دوسرے طریق کا اختیار کرنا جائز و درست نہیں۔''

اس مقام پر امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو عبداللہ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ قول نقل فرمایا ہے جس کو انہوں نے اپنی کتاب "الموضح" میں ذکر کیا ہے۔ اس قول کے ذریعے آپ تجوید کے لازم و واجب ہونے پر زور دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''قراءت میں ادا کی عمدگی کا خیال رکھنا فرض ہے اور قاری پر واجب و لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اسی طرح کرے جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے تاکہ قرآن مجید اس بات سے محفوظ و مامون رہے کہ اس کی طرف لحن و تبدیلی راہ پائے۔''

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ امام ابن عامر دمشقی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے راوی ہیں ان کا قول نقل کیا ہے کہ سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قرآن مجید تلاوت کرنے والے پر لازم و واجب ہے کہ وہ ترتیل کے ساتھ صاف صاف ٹھہر ٹھہر کر اور غور و فکر و تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے .... اور اپنی زبان کی مدد سے قراءت قرآن کو زینت بخشے اور اپنی

آواز کے ذریعے اس کو خوبصورت بنائے اور حروف کے مخارج کو ان کی جگہوں پر سجائے۔ (حروف کو ان کے اپنے اپنے مخارج سے صحیح طریقے سے ادا کرے)''

ترتیل کے مراتب:

قرآن مجید کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کی جاتی ہے اور قاری کبھی نشاط و چستی کی حالت میں ہوتا ہے تو تیز تیز پڑھتا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کر کے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائے، چنانچہ حدر کے ساتھ پڑھتا ہے، اور کبھی زبان کی مشق کرنا چاہتا ہے اور حرفوں کو درست و سیدھا اور قراءت کو مضبوط کرنا چاہتا ہے تو اس وقت وہ تحقیق کے ساتھ تلاوت کرنے لگتا ہے اور کبھی درمیانی کیفیت میں تلاوت کرنے لگتا ہے یا جس کو تدویر کہا جاتا ہے اس طرح سے تلاوت کرنے لگتا ہے۔ اور تلاوت کبھی اونچی و بلند آواز سے ہوتی ہے اور کبھی آہستہ اور پست آواز سے ہوتی ہے۔
چنانچہ جہری ترتیل کے تین درجات ہیں:

۱......تحقیق:

(حروف کو) سکون واطمینان، آسانی و ٹھہراؤ (کے ذریعے باہم ایک دوسرے سے جداگانہ اور صاف وواضح طور پر ادا کرنے) کے ساتھ تلاوت کرنا۔ ساتھ ساتھ تعلیم کا قصد وارادہ ہو اور معانی میں غور و فکر کرے اور تجوید کے احکام کی رعایت رکھے۔

۲......حدر:

حدر کا مطلب ہے تجوید کے احکام کی رعایت رکھنے کے ساتھ تیز تیز تلاوت کرنا۔

۳......تدویر:

تدویر کا مطلب درمیانی رفتار سے تلاوت کرنا یعنی تجوید کے احکام کی رعایت رکھتے ہوئے تحقیق اور حدر کی درمیانی حالت کے ساتھ تلاوت کرنا۔
سری قراءت (پست اور آہستہ آواز میں تلاوت) کے ترتیل کے بھی اسی طرح تین درجات ہیں، خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز میں ہو۔ اس کو اصطلاح میں ''الزمزمۃ'' (حدر کی ایک قسم) کہا جاتا ہے۔
پس ترتیل قرآن مجید پڑھنے کے ان چاروں اسلوب وطریقوں کو شامل ہے اور ان چار انواع میں سے کوئی بھی نوع ترتیل سے باہر نہیں ہے اور فن تجوید میں کتابیں لکھنے والوں میں سے بہت سے مؤلفین نے ترتیل کے ان مذکورہ چاروں انواع ومراتب سے علیحدہ مستقل نوع ودرجہ قرار دیئے ہیں۔ بہر حال تحقیقی بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی

ہے۔علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے اور محققین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

ترتیل کے دو ارکان:

کلمہ ''الترتیل'' کے مفہوم کو بیان کرنے کے ذیل میں جو مختلف اقوال گزشتہ صفحات میں ذکر کئے گئے ان میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی تھا کہ: ''الترتیل هو تجوید الحروف و معرفة الوقوف''

''یعنی ترتیل حروف کی تجوید اور وقوف کی پہچان کا نام ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی بنیاد پر علماء کرام نے ترتیل کے دو رکن بتلائے ہیں:

۱...... تجوید الحروف.

۲...... معرفة الوقوف.

یاد رہے کہ ان دو ارکان میں سے ہر ایک رکن پڑھنے پڑھانے، بحث و تحقیق اور تصنیف و تالیف کی حیثیت سے ایک مستقل اور جداگانہ علم و فن بن گیا ہے۔آئندہ صفحات میں ہم ان دونوں ارکان میں سے ہر ایک رکن کی اختصار کے ساتھ بغیر کسی تفصیل و طوالت کے تشریح کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی چاہت کے ساتھ ممکن ہے۔

فنسأل اللّٰه تعالیٰ عونه و توفیقه أولاً و اٰخراً.

دوسری بحث

رکنِ اوّل تجوید کی تشریح

تجوید کی لغوی تعریف:

تجوید باب تفعیل سے جوّد یجوّد، کا مصدر ہے، جس کے معنی خوبصورت بنانے کے ہیں، کہا جاتا ہے: جوّد الرجلُ الشیء آدمی نے چیز کو عمدہ کیا اور اس کو نفیس اور اچھا بنایا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: هذا شیء جید یعنی یہ خوبصورت و نفیس چیز ہے۔ اس سے اسم مصدر الجودة (بمعنی عمدگی و نفاست و خوبصورتی) اور یہ الرداءة (خرابی و بدنمائی) کی ضد ہے۔

تجوید کی اصطلاحی تعریف:

"عِلْمٌ بكيفية أداء كلمات القرآن الكريم من حيث إخراج كل حرف من مخرجه، وإعطاؤه حقه ومستحقه".

ترجمہ: ''تجوید کلمات قرآنیہ کی ادا و نطق کی کیفیت جاننے کا نام ہے اس حیثیت سے کہ ہر حرف کو اس کے اپنے مخرج سے اس کی تمام صفاتِ لازمہ اور صفاتِ عارضہ کے ساتھ ادا کرے۔''

چنانچہ تجوید کے معنی ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرنا کہ الفاظ و کلمات عمدہ اور حسین طور پر ادا ہوں اور تلفظ و نطق میں تعدی و زیادتی، رداءت و خرابی اور خلل و غلطی سے پاک صاف ہوں یعنی صحیح و عمدہ اور سنوار کر پڑھنے میں آخری حد و انتہاء تک پہنچ جانا۔

تجوید کا حکم:

تجوید کے احکام اور اس کی جزئیات کا علم حاصل کرنا اور ان کا سیکھنا عام مسلمانوں کی نسبت سے فرضِ کفایہ ہے اور رجال دین یعنی علماء و حفاظ کی نسبت سے فرضِ عین ہے۔ (یعنی علم تجوید کا حاصل کرنا عوام کے لئے فرضِ کفایہ اور خواص کے لئے فرضِ عین ہے)

تجوید پر عمل کرنا اور تلاوت کرنے میں قواعد تجوید کی عملی تطبیق کرنا ہر اس شخص پر فرضِ عین ہے جو قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ بطور عبادت کے پڑھتا ہو، خواہ نماز میں پڑھے یا خارج نماز میں، دونوں کا حکم یکساں ہے یعنی تجوید پر عمل

کرنا فرض عین ہے۔

واضعِ تجوید: (تجوید کا وضع کرنے اور ایجاد کرنے والا)

عمل کے اعتبار سے تجوید کے واضع ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً ہیں اور علمی اعتبار سے اس کے واضع کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، یعنی کس نے سب سے پہلے اس کے قوانین وقواعد وضع کیے؟

بعض کا کہنا ہے کہ امام ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۹ھ) اس کے واضع اول ہیں، بعض کا کہنا ہے کہ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۴ھ) اس کے واضع اول ہیں، اور بعض کے نزدیک امام خلیل بن احمد فراہیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۷۰ھ) اس علم کے واضع اول ہیں۔

علم تجوید کی تدوین: (تجوید کے قواعد وضوابط کو علمی صورت میں ایک جگہ جمع کرنا)

بالکل متعین طور پر یہ بات معلوم نہیں ہوسکی کہ سب سے پہلے کس نے اس علم کو مدوّن کیا اور اس فن میں کوئی کتاب تالیف کی؟ اگرچہ اس علم کے حوالے سے علماء کرام کی کوششیں شروع زمانے سے ہیں البتہ امام خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''العین'' اور ''کتاب سیبویہ'' کو ان کتابوں میں سب سے قدیم مانا گیا ہے جو تجوید کی مباحث پر مشتمل ہیں۔

اس کے علاوہ قراء کرام علم القراآت کی مباحث کے ضمن میں تجوید کی مباحث کو حاصل کرتے چلے آتے تھے۔ اس حوالے سے ابومزاحم الخاقانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۵ھ) کی منظوم کتاب ''الرائیۃ'' اس فن تجوید میں تالیف وتدوین کی سب سے پہلی کوشش تسلیم کی گئی ہے۔ علم تجوید میں جو کتابیں تالیف کی گئی ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆...... الرعاية لتجويد القراءة و تحقيق لفظ التلاوة... مؤلف: امام مکی ابن ابی طالب رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۳۷ھ)

☆...... التحديد في الاتقان والتجويد... مؤلف: امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ)

☆...... الموضح في التجويد... مؤلف: عبدالوہاب بن محمد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۶۱ھ)

☆...... التجويد لبغية المريد... مؤلف: ابن الفحام سکندری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۱۶ھ)

☆...... التمهيد في معرفة التجويد...مؤلف:ابوالعلاء الھمذانی العطار رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۵۶۹ھ)

☆...... عمدة المفيد وعدة المجيد المعروفة "بالنونية"...مؤلف: امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۴۳ھ)

☆...... التمهيد في علم التجويد...مؤلف:امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۸۳۳ھ)

☆...... درة القارئ المجيد في احكام القراءة والتجويد...مؤلف:امام برہان الدین الکرکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۸۵۳ھ)

☆......نهاية القول المفيد في علم التجويد...مؤلف:علامہ محمد مکی نصر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

علم تجوید کے موضوع پر لکھی جانے والی مشہور منظوم تصانیف:

المقدمة مؤلف علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ اور تحفة الأطفال مؤلف سلیمان الجمزوری رحمہ اللہ تعالیٰ، یہ دونوں مطبوع ومتداول ہیں عام طور پر چھاپی جاتی ہیں اور آسانی سے مل جاتی ہیں۔ان کی بہت سی شروحات ہیں بعض مطبوع ہیں اور بعض غیر مطبوع مخطوطات ہیں، ان کے علاوہ امام شہاب الدین الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۹۷۹ھ) کی منظوم تالیف ڈاکٹر ایمن رشدی سوید کی تصحیح کے ساتھ الجمعية الخيرية لتحفيظ القران الكريم جدة سے طبع اوّل ۱۴۱۸ھ میں چھپ چکی ہے۔

باقی رہیں علم تجوید کے موضوع پر معاصرین کی کتابیں، تو ان کی کثرت کا کیا کہنا! چنانچہ کتب خانے اس علم کے موضوع پر لکھی جانے والی سینکڑوں کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔ والحمد لله على ذلك۔اوراس موضوع پر ہر ایک نے لکھا اور طبع کیا اور سب نے اچھا کام کیا، پس ہر ایک اپنی معلومات کے مطابق کوشش میں لگا ہوا ہے اور یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی توفیق اور قول وعمل میں اخلاص کی دعا کرتے ہیں۔

معاصر علماء کرام کی تجوید کے موضوع پر چند اہم تالیفات:

☆......العميد في علم التجويد. مؤلف: شیخ محمود علی بسة۔اس پر شیخ محمد الصادق قمحاوی کا 'فتح المجيد' کے نام سے ایک مختصر حاشیہ ہے۔

☆...... البرهان في تجويد القران...مؤلف: شیخ محمد الصادق قمحاوی۔ اس کتاب کو ایک دوسری کتاب ''العميد'' کا خلاصہ مانا جاتا ہے۔

☆...... هداية القارئ إلىٰ تجويد كلام الباري...مؤلف: ہمارے شیخ، الشیخ عبد الفتاح المرصفی رحمہ اللہ

تعالیٰ .(وفات: ۱۴۰۹ھ) حضرت کی یہ کتاب اس فن میں لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مفید اور جامع کتاب ہے۔تجوید کی مباحث میں سے کوئی بحث نہیں چھوڑی، بہترین پیرائے میں تمام مباحث کو بیان فرمایا ہے اور ہر ایک قول کے قائل کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔اس طرح یہ کتاب تجوید کی کتابوں کے لئے مرجع بن گئی ہے، کیونکہ ان آخری سالوں میں جو کتابیں تجوید کے موضوع پر منظر عام پر آچکی ہیں ان میں سے اکثر کتابوں میں اسی کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆...... ملخص العقد الفريد في فن التجويد...مؤلف: شیخ علی احمد صبرۃ۔ یہ ایک بہت ہی مفید تلخیص ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں، رسائل، تلخیصات اور مذکرات اس فن میں موجود ہیں۔

لحن:

یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن مجید ترتیل کے ساتھ نازل ہوا ہے، اور ترتیل کے دو ارکان میں سے پہلا رکن تجوید ہے، اور تجوید کے بغیر تلاوت کرنا قراءکرام کی اصطلاح میں ''لحن'' کہلاتا ہے، اس لئے لحن سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ اس سے بچا جاسکے۔

لغت کی رُو سے لحن کا مطلب درستگی سے غلطی کی طرف مائل ہونے کے ہیں، اور اسی کے قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

''وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِي لَحۡنِ الۡقَوۡلِ'' (محمد: ۳۰)

ترجمہ: ''اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔''

لحن کی دو قسمیں ہیں:

ا......لحن جلی:

یہ وہ غلطی ہے جو قواعد عربیہ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے پیش آئے۔مثلاً: ایک حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کرنا یا ایک حرکت کو دوسری حرکت سے تبدیل کرنا۔خواہ اس طرح کی تبدیلی سے معنی پر کوئی اثر پڑے یا نہ پڑے، بہر حال ایسا کرنا لحنِ جلی کہلاتا ہے۔

اس بات کو آپ یوں بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ لحنِ جلی ہر وہ غلطی ہے جو حروف کے مخارج اور صفاتِ لازمہ میں غلطی کرنے کی وجہ سے پیش آئے خواہ صفاتِ لازمہ متضادہ ہوں یا غیر متضادہ۔

لحن جلی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس قسم کی غلطی واضح اور ظاہر و باہر ہوتی ہے جس کو علماء تجوید اور دوسرے عام تعلیم یافتہ بھی سمجھتے ہیں۔جلی کے معنی واضح اور ظاہر کے ہیں، اس لئے اس قسم کی غلطی کو لحن جلی کہتے ہیں۔

لحن جلی کا حکم:

لحن جلی بالاجماع حرام ہے۔

۲......لحن خفی:

یہ وہ غلطی ہے جو قواعد تجوید کی مخالفت کی وجہ سے پیش آئے۔آپ اس کو یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ لحن خفی ہر وہ غلطی ہے جو صفاتِ عارضہ کی تطبیق واجراء میں خطاء وغلطی سے پیش آئے۔

لحن خفی کی دو قسمیں ہیں:

(الف)......لحن خفی کی ایک قسم وہ ہے جو تجوید کے متفق علیہا احکام کی مخالفت کرنے کی وجہ سے پیش آتی ہے۔مثلاً: اظہار کی جگہ ادغام کرنا اور ادغام کی جگہ اظہار کرنا، یا اظہار کی جگہ اخفاء اور اخفاء کی جگہ اظہار کرنا یا مدّ کی جگہ قصر اور قصر کی جگہ مدّ کرنا وغیرہ وغیرہ، جو اس طرح کے معروف احکام ہیں ان کے خلاف کرنا لحن خفی کی ایک قسم ہے۔

(ب)......لحن خفی کی دوسری قسم وہ غلطیاں ہیں جو قراءت کے ان باریک اور فنی مسائل میں غلطی کرنے سے واقع ہوجاتی ہیں جن باریکیوں کو صرف ماہر قراءکرام ہی سمجھ سکتے ہیں۔مثلاً: تکریرِ راآت (راء میں تکرار حقیقی کرنا جس سے ایک راء کے بجائے کئی راء ادا ہوں، علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، فرماتے ہیں: وأخف تكريرا إذا تشدد...[المقدمة])، تطنینِ نونات (یعنی نون کے ادا کرتے وقت آواز میں گنگناہٹ پیدا کرنا)، مدّ اور غنہ کرتے ہوئے آواز میں کپکپی پیدا کرنا یا مدّات کی مقداروں کو صحیح طرح ضبط نہیں کرنا اور اسی طرح امالہ صغریٰ اور امالہ کبریٰ کو صحیح اور درست طریقے سے ادا نہ کرنا، یا ہمزہ کی تسہیل درست انداز سے نہ کرنا خواہ وقف میں ہو یا وصل میں........اور اس کے علاوہ اس قسم کی دوسری بہت سی غلطیاں جن کو ماہر قاری حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں، لحنِ خفی کی اس دوسری قسم کے تحت آتے ہیں۔

لحنِ خفی کی وجہ تسمیہ: لحن خفی کی مذکورہ بالا دونوں اقسام کو خفی کہنے کی وجہ ان غلطیوں کا بہت سے لوگوں سے مخفی رہنا ہے یعنی اس طرح کی غلطیوں سے ماہر قراء ہی واقف ہو سکتے ہیں، ان کے علاوہ عام لوگوں سے یہ غلطی پوشیدہ رہتی ہے اور خفی کے معنی پوشیدہ کے آتے ہیں۔

لحن خفی کا حکم:

لحن خفی کی پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ وہ حرام ہے ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن مجید کو تجوید کے مطابق پڑھنا واجب ہے اور اس غلطی سے وجوب کی مخالفت لازم آتی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے: "كل ما اجتمعت عليه القرّاء حرمة مخالفته" یعنی ہر وہ کام جس پر قرّاء کرام کا اجماع ہو اس کی مخالفت حرام ہے۔ چنانچہ اس نوع کی غلطیوں سے اس قاعدے کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

لحن خفی کی دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے، خواص اگر اس کا ارتکاب کریں گے تو وہ قابل ملامت ہونگے اور عوام پر کوئی ملامت وعتاب نہیں ہے، کیونکہ اس کا سیکھنا ایک فنی چیز ہے۔ (جس کے عوام مکلّف نہیں ہیں)

تجوید کے مباحث:

جو کچھ ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں اس سے یہ بات ہمارے علم میں آگئی ہے کہ تجوید کا مطلب ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی تمام صفاتِ لازمہ اور صفاتِ عارضہ کا ادا کرنا ہے۔ جب آپ اس تعریف پر غور کریں گے تو آپ کو پتا چلے گا کہ یہ تعریف دو حصوں اور اجزاء پر مشتمل ہے:

پہلا حصہ: ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا۔

دوسرا حصہ: ہر حرف میں پائے جانے والی صفاتِ لازمہ اور صفاتِ عارضہ کو ادا کرنا۔

اور اس تجوید کے دو ارکان ہیں:

۱......مخارج کی پہچان.

۲......صفات کی پہچان.

علم تجوید کے تمام احکام کا خلاصہ یہی ہے۔ تجوید کے احکام میں سے کوئی بھی حکم ان دو ارکان سے باہر نہیں ہے۔ باقی رہی تجوید کی کتابوں میں ہمزہ وصلی وقطعی کی پہچان کی بحث یا کلمات قرآنیہ کے مقطوع وموصول (یعنی دو کلموں کا ایک دوسرے سے ملا کر لکھنا یا جدا جدا کرنے لکھنا، مثلاً: الّا اور ان لّا) ہونے کی بحث، تو یہ چیزیں علم تجوید کی بنیادی مباحث میں سے نہیں ہیں یہ صرف فوائد ہیں ان کا جاننا قاریٔ قرآن کے لئے اس لئے ضروری ہیں تاکہ وہ وقف اور ابتداء کے مواقع کو پہچان سکے۔

آنے والے صفحات میں ہم تجوید کے دونوں ارکان کا خلاصہ ذکر کریں گے اور جو تفصیلات جاننا چاہے تو اس کے لئے ہماری کتاب "التسهيل في قواعد الترتيل" کا مطالعہ کرنا مناسب ہے۔ تفصیل کے لئے مذکورہ بالا کتاب کی طرف مراجعت کی جائے۔

التجويد

- التجويد
  - المخارج
    - العامة (٥)
      - ١... الجوف
      - ٢... الحلق
      - ٣... اللسان
      - ٤... الشفتان
      - ٥... الخيشوم
    - الخاصة (١٧)
      - ١
      - ٣
      - ١٠
      - ٢
      - ١
  - الصفات
    - الازمة
      - المتضادة (٥+٥=١٠)
        - ١... الهمس و الجهر
        - ٢... الشدة ، التوسط والرخاوة
        - ٣... الاستعلاء و الاستفال
        - ٤... الإطباق والانفتاح
        - ٥... الإذلاق و الإصمات
      - غير المتضادة
        - ١... الصفير
        - ٢... القلقلة
        - ٣... اللين
        - ٤... الانحراف
        - ٥... التكرير
        - ٦... التفشي
        - ٧... الاستطالة
        - ٨... الغنة
    - العارضة
      - المتضادة (٢+٢=٤)
        - ١... المد و القصر
        - ٢... التفخيم وا لترقيق
      - غير المتضادة (٢+٢=٤)
        - ١... الإظهار و الإدغام
        - ٢... الإخفاء ولإقلاب

مخارج الحروف

مخارج کی لغوی تعریف:

مخارج مخرج کی جمع ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں ''نکلنے کی جگہ''۔

مخارج کی اصطلاحی تعریف:

حروف کے نکلنے اور ادا ہونے کی جگہ اور اس کو دوسرے حروف سے ممتاز کرنے کی جگہ۔

یا حرف کے منصۂ شہود میں آنے کی جگہ۔

حروف جمع ہے حرف کی۔ لغت میں حرف کے معنی طرف اور کنارے کے آتے ہیں۔

حرف کی اصطلاحی تعریف:

"صوت یعتمد علی مقطع محقق أو مقدر."

ترجمہ: ''حرف وہ آواز ہے جو کسی مخرج محقق یا مخرج مقدر پر معتمد ہو (رک جائے)

حروف ہجاء کی دو قسمیں ہیں:

(الف)......حروف اصلیہ: یہ کل انتیس (۲۹) حروف مشہور ہیں اور ان کو حروفِ ابا جاد کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

(ب)......حروفِ فرعیہ: یہ وہ حروف ہیں جو دو مخرجوں سے ادا ہوتے ہیں اور دو حرفوں کے درمیان متردد رہتے ہیں، یعنی نہ کامل ایک حرف ہوتے ہیں اور نہ کامل دوسرا حرف، بلکہ دونوں حرفوں کی اس میں آمیزش ہوتی ہے۔

حروف فرعیہ کی اقسام میں سے بعض یہ ہیں:

☆......الهمزة المسهلة بين بين...(ہمزہ کو اس کے اپنے مخرج اور اس کی اپنی حرکت کے موافق حرف علت ﴿یعنی واو پیش کی صورت میں، الف زبر کی صورت میں اور یاء زیر کی صورت میں﴾ کے مخرج کے درمیان ادا کرنا تسہیل یا بین بین کہلاتا ہے۔ والمسهل بين ما هو الهمز والحرف الذي منه أشكلا.....الشاطبية...)

اس کی تین قسمیں ہیں:

۱......تسہیل کالالف...مثلاً: ''ءَ اَنْذَرْتَهُمْ'' ہمزۂ ثانیہ میں تسہیل کالالف۔

۲......تسہیل کالیاء...مثلاً: ''أَءِ نَّكَ'' ہمزۂ ثانیہ میں تسہیل کالیاء۔

۳...... تسہیل کا لواؤ۔ مثلاً: "ءَاَ ءِذَا نُزِلَ" ہمزۂ ثانیہ میں تسہیل کا لواؤ۔

☆...... الألف الممالة: اس کی دو قسمیں ہیں:

۱...... کبریٰ۔ ۲...... صغریٰ۔

مثلاً: موسیٰ، عیسیٰ۔ (امالہ کا مطلب یہاں پر الف کو یاء کی طرف اور زبر کو زیر کی طرف مائل کرنا اور جھکانا ہے۔ اگر یہ میلان زیادہ ہو تو اس کو امالہ کبریٰ، اضجاع کہتے ہیں اور اگر میلان کم ہو تو اسے امالہ صغریٰ، تقلیل اور بین بین کہتے ہیں)

☆...... الصاد المشممة صوت الزای: (صاد مشممہ یعنی صاد کو زاء کی بو دینا۔ اس اشمام کی کیفیت یہ ہے کہ صاد اور زاء سے مرکب کر کے ایک ایسا حرف بنالیا جائے جو سننے میں زاء مفخم معلوم ہو۔ اس کی آواز ظاء کی طرح کامل مفخم ہوگی مگر صفت صفیر کی وجہ سے آواز میں تیزی ہوگی۔ پس مخرج اور صفت صفیر کی وجہ سے یہ ظاء سے ممتاز ہوگی)۔

☆...... الیاء المشممة صوت الواؤ: (اشمام والی یاء۔ اس اشمام کا مطلب یہ ہے کہ قیل، غیض اور ان جیسے کلمات میں پہلے حرف پر مرکب حرکت پڑھی جائے گی، جس میں پہلے ضمہ کا ایک تہائی حصہ ادا ہوگا اور پھر دو تہائی حصہ کسرہ کا ادا ہوگا۔ یعنی پہلے صاف طور پر ضمہ ادا ہوگا پھر کسرہ)۔

حروفِ اصلیہ کے مخارج:

حروفِ اصلیہ کے مخارج کی دو قسمیں ہیں:

(الف)...... العامة: اس سے مراد وہ مخارج ہیں جن کا ایک ہی مخرج مخارجِ خاصہ میں سے ایک یا ایک سے زیادہ مخارج پر مشتمل ہوں۔ جمہور کے نزدیک ان کی تعداد پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱...... الجوف (منہ کے اندر کا خلاء)

۲...... الحلق (گلا)

۳...... اللسان (زبان)

۴...... الشفتان (دونوں ہونٹ)

۵...... الخیشوم (ناک کا بانسہ)

(ب)...... الخاصة: اس سے مراد وہ مخارج ہیں جن میں سے ہر ایک مخرج ایک یا ایک سے زیادہ حروف کے نکلنے اور ادا ہونے والے مخرج و موقع پر مشتمل ہوتا ہے۔ جمہور کے نزدیک ان کی تعداد سترہ (۱۷) ہے اور یہ مخارجِ خاصہ مخارجِ عامہ پر اس طرح تقسیم ہوتے ہیں:

۱...... الجوف: اس میں ایک ہی مخرج ہے اس سے تین حروف (الف مدہ، واؤ مدہ اور یاء مدہ) ادا ہوتے ہیں۔

۲...... الحلق: اس میں تین مخارج ہیں جن سے چھ حروف (ہمزہ، ہاء، عین، حاء، غین، خاء) ادا ہوتے ہیں۔

۳...... اللسان: اس میں دس مخارج ہیں جن سے اٹھارہ حروف (قاف، کاف، جیم، شین، یاء غیر مدہ، ضاد، لام، نون، راء، طاء، دال، تاء، ظاء، ذال، ثاء، صاد، زاء، سین) ادا ہوتے ہیں۔

۴...... الشفتان: اس میں دو مخارج ہیں جن سے چار حروف (باء، میم، واؤ غیر مدہ، فاء) ادا ہوتے ہیں۔

۵...... الخیشوم: اس میں ایک مخرج ہے اس سے غنہ (نون مخفاۃ اور نون مدغم بادغام ناقص) ادا ہوتا ہے۔

صفات الحروف

صفات کی تعریف:

صفات، صفت کی جمع ہے۔اس کے لغوی معنی ہیں: ما قامت بالغیر .(یعنی ہر وہ چیز جو کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہو۔مثلاً: سفیدی دیوار کے ساتھ)

صفات کی اصطلاحی تعریف:

"کیفیة عارضة للحروف عند حصوله فی المخرج۔"

یعنی صفت اس کیفیت کو کہتے ہیں جو حرف کو اس کے اپنے مخرج سے ادا ہوتے وقت پیش آتی ہے۔

صفات کی دو قسمیں ہیں:

۱......**صفات لازمہ**: یہ وہ صفات ہیں جو حروف کو ہر حال میں لازم ہوتی ہیں اور کبھی بھی ان حروف سے جدا نہیں ہوتیں ۔ان صفات کو ذاتیہ(ممیزہ ،مقومہ) بھی کہتے ہیں۔

۲......**صفات عارضہ**: یہ وہ صفات ہیں جو بعض حروف کو بعض احوال میں کسی خاص سبب کی وجہ سے عارض ہوتی ہیں اور بعض حالات میں کسی سبب کی وجہ سے ان حروف سے جدا ہوتی ہیں۔

☆......اولاً: **صفات لازمہ**:

صفاتِ لازمہ کی دو قسمیں ہیں:

۱.....صفات لازمہ متضادۃ: یہ دس صفات ہیں:

ہمس، اس کی ضد جہر ہے۔

شدت، اس کی ضد رخاوت ہے اور ان دونوں کے درمیان توسط ہے۔

استعلاء، اس کی ضد استفال ہے۔

اطباق، اس کی ضد انفتاح ہے۔

اذلاق، اس کی ضد اصمات ہے۔

۲.....صفات لازمہ غیر متضادۃ: جمہور کے نزدیک ان کی تعداد سات ہیں:

۱..صفیر، ۲..قلقلہ، ۳..انحراف، ۴..تکریر، ۵..لین، ۶..تفشی،

۷...استطالت،

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بعض دوسرے صفات کا بھی اضافہ فرمایا ہے اور ان میں سے سب سے اہم صفت غنہ ہے۔

☆......ثانیا: **صفات عارضہ**: ان صفات کو محسنہ، محلیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جو بعض حروف میں بعض احوال میں پائی جاتی ہیں اور بعض احوال و اوقات میں ان حروف سے جدا ہوتی ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱.....صفاتِ عارضہ متضادۃ: یہ کل چار ہیں: مدّ و قصر، تفخیم و ترقیق۔

۲.....صفات عارضہ غیر متضادۃ: یہ بھی کل چار ہیں: اظہار، ادغام، اقلاب، اخفاء۔

بحث ثالث

رکن ثانی یعنی علم الوقف کی تشریح

وقف کی لغوی تعریف:

لغت میں وقف کے معنی "الکف و الحبس" یعنی رکنا۔ کہا جاتا ہے: أوقفت الدابة یعنی میں نے جانور کو روکا۔

وقف کی اصطلاحی تعریف:

"الوقف عبارة عن قطع الصوت عند اخر الكلمة زمنا -يقدر بحركتين- يتنفس فيه عادة، بنية استئناف القرأت لا بنية الإعراض عنها۔"

یعنی اصطلاح قرّاء میں وقف کے معنی ہیں کسی کلمہ پر اتنی دیر کے لئے آواز کو بند کرنا جتنی دیر میں عادۃً سانس لیا جاتا ہے، جس کی مقدار دو حرکات ہیں، اور یہ ٹھہرنا استیناف قراءت کی نیت سے ہو، قراءت ختم کر کے اس سے اعراض کرنے کی نیت سے نہ ہو۔

یہ وقف رؤوس آیات پر ہوا کرتا ہے اور وسط آیت پر بھی ہوتا ہے مگر وسط کلمہ پر اور ایسا ہی اس کلمہ پر جو دوسرے کلمہ سے رسماً متصل ہو، وقف جائز نہیں ہے۔ مثلاً: أينما، انما، ألا..............

علم الوقف کی ابتداء اور اس کی اہمیت:

وقف کی بنیاد اور دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً جب تلاوت فرماتے تھے تو اپنی قراءت ایک ایک آیت پر قطع کر کے پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے: بسم الله الرحمن الرحيم، پھر پڑھتے تھے: الحمد لله رب العلمين پھر وقف کرتے تھے، پھر پڑھتے تھے: الرحمن الرحيم، پھر وقف کرتے تھے، پھر پڑھتے تھے: ملك يوم الدين، پھر وقف کرتے تھے۔"

چنانچہ وقف اور اس کا اہتمام کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً سے ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تلاوت کلام پاک کے وقت اس کا اہتمام کرتے تھے، اور اس کو مشافہۃً یعنی بلاواسطہ براہ راست سن کر آپس میں نقل کرتے تھے اور اس کو اسی طرح اہتمام کے ساتھ سیکھتے تھے جس طرح قرأت کو سیکھتے تھے۔

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اثر نقل فرمایا ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم (صحابہ کرام) نے اپنی زندگی کا ایک طویل زمانہ اس طرح بھی گزارا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص پر قرآن پڑھنے سے پہلے اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً پر جب کوئی سورت نازل ہوتی تو ہر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے اس سورت کے حلال وحرام اور اس کے امرو زجر (نہی) کی تعلیم حاصل کرتا، نیز اس کے وہ مواقع وقوف سیکھتا جن پر تلاوت کے دوران ٹھہرنا چاہیئے۔جس طرح تم لوگ آج لفظ قرآن سیکھتے ہو لیکن آج ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ایمان و یقین کی پختگی سے پہلے ہی ان پر قرآن پیش کیا جاتا ہے اور وہ فاتحہ سے لیکر ختم قرآن تک پڑھ جاتے ہیں مگر نہ انہیں قرآن کے اوامر کا علم ہوتا ہے اور نہ اس کی منہیات کا اور نہ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقف کہاں مناسب ہے۔''

یہ اثر و روایت اس امر کی واضح حجت و برہان ہے کہ وقف کا علم حاصل کرنے کا صحابہ کرام اہتمام فرماتے تھے، بلکہ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وقف کا علم حاصل کرنے پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق واجماع رہا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ورتل القران ترتیلا" (المزمل:۴) کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ''الترتیل هو تجوید الحروف و معرفة الوقوف'' یعنی ترتیل کا مطلب ہے کہ حروف کی تجوید (ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی تمام صفات کو ادا کرنا) اور وقوف و ابتداء کی پہچان۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور ہمارے نزدیک اسلاف کرام کا بھی اس علم کے حاصل کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرنا فقط صحیح ہی نہیں بلکہ تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے ....اور ان کے ارشادات اور تصریحات و ہدایات اس بارے میں مشہور ہیں اور کتابوں میں مدوّن و مندرج ہیں۔''

اور تحقیق ائمہ کرام نے علم الوقف کے سیکھنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے اور اس کی طرف کما حقہ توجہ دینے پر ابھارا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہیں۔بہت سے علماء کرام نے اجازت دینے والے کے لئے اس بات کی شرط عائد کی ہے کہ وہ کسی کو بھی اس وقت تک سند اجازت نہ دے جب تک کہ وہ وقف وابتداء کی خوب پہچان و معرفت حاصل نہ کرے، کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن سے معانی قرآن کو جانا جاتا ہے اور فواصل (مواضعِ وقف) کی معرفت و پہچان کے بغیر ادلہ شرعیہ کا استنباط کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس موضوع پر کتب تالیف کرنے کی ابتداء:

سلف صالحین میں سے صحابہ کرام اور تابعین میں یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ اس علم کے مسائل کو براہ راست ایک

دوسرے سے سن کر حاصل کر کے آگے منتقل کرتے رہے، یہاں تک کہ اس علم کو مدون کرنے کا زمانہ آگیا۔ چنانچہ علماء کرام نے اس علم وفن میں تدوین وتالیف کا کام شروع کیا۔ درج ذیل میں ہم اس موضوع پر لکھی گئی چند کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱...... کتاب ''الوقف والابتداء'' مؤلف: ضرار بن صرد المقرئ الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۹ھ)

۲...... کتاب ''الوقوف'' مؤلف: شیبہ بن نصاح المدنی الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۳۰ھ)

۳...... کتاب ''الوقف والابتداء'' مؤلف: ابوعمرو ابن العلاء البصری رحمہ اللہ تعالیٰ قراء سبعہ میں سے تیسرا قاری۔ (وفات: ۱۵۴ھ)

۴...... الوقف والابتداء'' مؤلف: حمزہ بن حبیب الزیات الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ قراء سبعہ میں سے چھٹا قاری۔ (وفات: ۱۶۹ھ)

ان کے علاوہ اور دوسری بہت سی کتابیں ہیں جن کو کتاب "المکتفیٰ فی الوقف و الابتداء" مؤلف: امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ) کے محقق نے اپنی تحقیق کے مقدمے میں ذکر کیا ہے اور علم الوقف کے موضوع پر تقریباً اٹھہتر (۷۸) کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ وقف اور ابتداء کے موضوع پر کتابیں لکھنے والے تمام حضرات بڑے بڑے قراء کرام، نحو اور لغت کے ماہرین میں سے ہیں اور قراءت ولغت کے ائمہ کرام میں سے بہت کم حضرات ہمیں ایسے ملتے ہیں جنہوں نے اس علم میں کوئی کتاب تصنیف نہ کی ہو۔ اس علم میں کتابیں تصنیف کرنے والوں میں قراء سبعہ میں سے امام نافع مدنی، امام ابوعمرو بصری، امام ابن عامر شامی، امام حمزہ الزیات کوفی اور امام کسائی کوفی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ اسی طرح قراء عشرہ میں سے امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۵ھ) اور امام خلف بن ہشام البزار رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۹ھ) بھی اس موضوع پر کتابیں تالیف کرنے والوں میں سے ہیں۔

اس کے علاوہ شاذ قراآت کے قاریوں میں سے امام یحیی یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۲ھ) اور ماہرین نحو میں سے امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام فراء رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ امام ابوجعفر الرؤاس رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۷۰ھ) امام یحیی بن زیاد الفراء رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۷ھ)، امام معمر بن المثنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۱۰ھ)، امام اخفش سعید بن مسعدۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۱۵ھ) اور امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۸ھ) وغیرہ حضرات نے بھی علم الوقوف پر کتابیں تالیف کی ہیں۔

مزید یہ کہ قراء سبعہ کے رواۃ بھی اس فن میں تصنیف وتالیف کرنے میں برابر کے شریک ہیں، لیکن ان تمام حضرات کی اکثر کتابیں ناپید ہیں اور اس علم میں لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے قدیم ترین کتاب جو ہم تک

پہنچی ہے وہ علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۸ھ) کی کتاب ''الایضاح فی الوقف و الابتداء'' اور علامہ ابن النحاس رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۳۸ھ) کی کتاب ''القطع و الائتناف'' ہے اور یہ دونوں کتابیں تحقیق شدہ اور مطبوع ہیں۔

قریبی زمانے میں ابوجعفر محمد بن سعدان الضریر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۳۱ھ) کی کتاب ''الوقف والابتداء في كتاب الله تعالىٰ'' کے عنوان سے مرکز جمعیۃ الماجد، دبئی، متحدہ عرب امارات سے طبع اوّل ۲۰۰۲ء میں چھپ چکی ہے، اور یہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے زیادہ قدیم ہے۔

عمومی طور پر وقف کی قسمیں:

وقف کی تین قسمیں ہیں:

١.....فقہاء کا وقف۔

٢.....نحویوں کا وقف۔

٣.....قرّاء کا وقف۔

فقہاء کا وقف:

فقہاء کے ہاں وقف سے مراد مال یا زمین یا کسی ایسی چیز کو روکے رکھنا جس سے نفع اٹھانا کسی متعین جہت سے ممکن ہو۔ (جیسے زمین وغیرہ وقف کرنا) اور اس کے مشروع ہونے کی دلیل یہ آیت ہے: ''لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون''۔ (آل عمران: ٩٢)

نحویوں کا وقف:

کلمہ کے آخر میں بات کو منقطع کرنا یعنی آواز کا قطع کرنا، اور اس کلمہ پر وقف کرنا متعین صورت کے ساتھ ہونا ہے۔ مثلاً: تمہارا یہ کہنا: ''رأيتُ زيدا'' تو آپ وقف کر کے یوں کہیں گے: ''رأيتُ زيدا'' کا ''زيدَ'' یا ''زيدْ''۔

قرّاء کا وقف:

اس مقام پر یہی وقف مقصود ہے اور اس کی لغوی و اصطلاحی تعریف پیچھے گزر چکی ہے۔ اس کی تقسیم کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں، اور ان میں سے پسندیدہ قول یہ ہے کہ وقف کی چار قسمیں ہیں:

١.....وقفِ اضطراری:

یہ وقف کی وہ صورت ہے جو قاری کو سانس کی تنگی یا بھولنے یا کھانسی وغیرہ کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ چنانچہ اس

حالت میں قاری محل بے محل کسی بھی کلمہ پر وقف کرنا چاہے وقف کرسکتا ہے لیکن جس کلمہ پر وقف کیا ہے اسی سے ابتداء کرنا اس کے لئے ضروری ہے بشرطیکہ اس کلمہ سے ابتداء کرنا درست ہو یعنی آگے سے نہ پڑھے بلکہ اس صورت میں پیچھے سے لوٹا کر پڑھے۔ مثلاً: "أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ" اگر کسی نے "هُدًى" پر وقف کیا تو پھر "هُدًى" سے اعادہ نہیں کرے گا بلکہ "عَلَىٰ هُدًى" سے لوٹا کر پڑھے گا۔

۲......وقف انتظاری:

وقف انتظاری کا مطلب یہ ہے کہ قاری جملہ تامہ کے معینہ مقطع یعنی کسی محل وقف منصوص پر قراآت و روایات اور طرق و اوجہ کو پورا کرنے کی غرض سے وقف کرلے پھر باقی آیت کو پورا کرلے، ایسے وقف کو وقف انتظاری کہتے ہیں۔ اس طرح کا وقف قراآت اور روایات کو جمع کرنے کے واسطے ہوتا ہے۔

۳......وقف اختباری:

جب قاری کسی محل پر کیفیتِ وقف کو سمجھنے سمجھانے اور کلمہ کے وصل وقطع اور ثابت ومحذوف کے افہام وتفہیم کی غرض سے وقف کرلے تو اس وقف کو وقف اختباری کہتے ہیں۔ اس پر ضرورت کے وقت ہی وقف کیا جاتا ہے۔ مثلاً: ممتحن کا سوال کرنے کی غرض سے یا طالب علم کو کیفیت وقف سکھانے کے لئے۔ جیسے: تاء مطولہ اور تاء مدورہ پر وقف کرنا (سنت الله، سنة الله) تو تاء مطولہ میں تاء کو ثابت رکھ کر اس پر وقف کیا جائے گا اور تاء مدورہ کو ہاء سے تبدیل کرکے اس پر وقف کیا جائے گا۔

۴......وقفِ اختیاری:

جب قاری محلِ وقف پر اپنے قصد و ارادہ سے وقف کرلے اور مذکورہ بالا وقف کے اسباب وعوارض میں سے کوئی سبب پیش نہ آئے تو ایسے وقف کو وقف اختیاری کہتے ہیں۔

وقف کو مختلف اقسام اور انواع میں تقسیم کرنے کے بارے میں کئی اقوال ہیں لیکن راجح اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ (بلحاظ معنی) وقف کی چار قسمیں ہیں:

تام، کافی، حسن، قبیح۔

ان چاروں انواع میں سے پہلی تین قسمیں وقف جائز کی ہیں اور آخری قسم (قبیح) وقف غیر جائز کی قسم ہے۔ اور اس وقف کی اس قسم کو باقی اقسام کے تکملہ اور تتمہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ قاری وقفِ قبیح سے واقف ہو کر اس سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

۱......وقفِ تام:

جب کسی ایسی آیت یا کسی جملہ کے آخر میں وقف کیا جائے جس کا معنی ومفہوم مکمل وواضح ہو اور اس کو مابعد سے کسی قسم کا لفظی یا معنوی تعلق نہ ہو تو ایسے وقف کو وقفِ تام کہتے ہیں۔

اس قسم کا وقف اکثر آیتوں کے آخر میں اور سورتوں کے اختتام پر اور قصص کے اختتام پر پایا جاتا ہے۔ مثلاً: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" پر وقف کرنا۔ "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پر وقف کرنا اور "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" پر وقف کرنا، یہ سب وقف تام کی مثالیں ہیں۔ کبھی کبھی وقف تام آیت مکمل ہونے سے پہلے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً: "وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً" (النمل:۳۴) اور کبھی وسط آیت میں ہوتا ہے۔ مثلاً: "لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ۔" (الفرقان:۲۹)

وقفِ تام کا حکم:

اس وقف کا حکم یہ ہے کہ اس پر وقف کرنا بہتر ہے اور اس کے مابعد سے پڑھنا درست ہے۔ ماقبل سے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲......وقفِ کافی:

جب کسی ایسی آیت یا کسی جملہ کے آخر میں وقف کیا جائے جس کا معنی ومفہوم مکمل ہو لیکن مابعد سے معنوی تعلق باقی ہو اور لفظی تعلق ختم ہو چکا ہو تو ایسے وقف کو وقف کافی کہتے ہیں۔ مثلاً: "اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" (البقرۃ:٦) پر وقف کرنا۔ اور کبھی کبھی اس قسم کے وقف کی معنوی کیفیت (کافی ہونے) میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔ مثلاً: "فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" میں وقف کافی ہے اور "فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا" میں وقف اکفی یعنی پہلے کی نسبت زیادہ کافی ہے اور "بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ" (البقرۃ:۱۰) میں وقف کرنا پہلے والے دونوں کی نسبت زیادہ کافی ہے۔

وقفِ کافی کا حکم:

اس پر وقف کرنا بہتر ہے اور اس کے مابعد سے پڑھنا درست ہے ماقبل سے اعادہ کرنے اور لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳......وقفِ حسن:

جب کسی ایسی آیت کے جملہ پر وقف کیا جائے جس کا معنی مکمل ہو گیا ہو مگر اس کا مابعد سے لفظی اور معنوی دونوں قسم کا تعلق ہو تو ایسے وقف کو وقف حسن کہتے ہیں۔ مثلاً: سورۂ فاتحہ کے شروع میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پر وقف کرنا یا

"هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" (البقرۃ:۲) پر وقف کرنا وقف حسن ہے۔

وقف حسن کا حکم:

اگر وقف حسن کسی آیت کے آخر میں ہو، مثلاً: "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" یا "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (الفاتحہ:۱) تو اس پر وقف کرنا اور اس کے مابعد سے ابتداء کرنا بہتر ہے، بلکہ جمہور کے نزدیک یہی سنت ہے، جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً ایک ایک آیت پر وقف کرتے جاتے تھے۔

اور اگر وقف حسن کسی آیت کے آخر میں نہ ہو، مثلاً: "الحمد للہ" تو اس پر وقف کرنا جائز ہے البتہ اس کے مابعد سے پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ قاری کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ ماقبل مناسب مقام سے اعادہ کرلے اور ماقبل سے لوٹا کر اس کو مابعد سے ملائے۔

اسی طرح ہر جگہ متبوع کو چھوڑ کر تابع سے ابتداء کرنا درست نہیں (یعنی موصوف کو چھوڑ کر صفت سے ابتداء کرنا یا مبدل منہ کو چھوڑ کر بدل سے ابتداء کرنا وغیرہ وغیرہ)

۴......وقف قبیح:

کسی ایسی جگہ وقف کرنا جس کا معنی ومفہوم مکمل نہ ہو اور اس کا مابعد سے لفظی اور معنوی دونوں قسم کا تعلق ہو، وقف قبیح کہلاتا ہے۔ مثلاً:

مضاف الیہ کو چھوڑ کر مضاف پر وقف کرنا اور خبر کو چھوڑ کر مبتداء پر وقف کرنا یا فاعل کو چھوڑ کر فعل پر وقف کرنا، جیسے: "الحمد للہ" میں "الحمد" پر وقف کرنا یا "بسم اللہ" میں "بسم" پر وقف کرنا یا "رب العلمین" میں "رب" پر وقف کرنا، یہ سب وقف قبیح کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ہر اس جگہ وقف کرنا جس سے معنی ومفہومِ کلام واضح نہ ہو اور سمجھ میں نہ آئے، وقفِ قبیح کہلاتا ہے۔

وقفِ قبیح کا حکم:

وقف قبیح کا حکم یہ ہے کہ ایسے مواقع پر قصداً اور اختیاری طور پر وقف کرنا جائز نہیں ہے مگر بضرورت شدیدہ اس کی گنجائش ہے۔ جیسے قاری کی سانس ٹوٹ جائے، چھینک آئے یا اور کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے جس کی وجہ سے آگے پڑھنے سے قاصر رہے۔ اسی طرح جہاں ضرورت کی وجہ سے وقف قبیح کے محل پر وقف کیا ہے تو قاری کے لئے اس کے مابعد سے ابتداء کرنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ ماقبل کسی مناسب مقام سے اعادہ کرنا واجب ہے۔

وقف اقبح القبیح:

جہاں پر وقف وابتداء سے کوئی ایسا معنی مفہوم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے مخالف ہو، اقبح القبیح کہلاتا ہے۔

مثلاً: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا......." (البقرۃ:۲۶) اس آیت میں "لَا یَسْتَحْیٖ" پر وقف کرنا، یا "اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" (البقرۃ:۲۵۵) میں "لَا اِلٰہَ" پر وقف کرنا۔

چنانچہ جو شخص ان جیسے مقامات پر جان بوجھ کر اپنے قصد واختیار سے وقف کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اس پر استغفار لازم ہے اور العیاذ باللہ اگر کوئی اس خلاف مقصود معنی کا قصد وارادہ بھی کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

نوٹ:

وقف اپنی ذات کے اعتبار سے خواہ کہیں بھی کر لے نہ واجب ہے اور نہ حرام۔ قرآن مجید میں کہیں بھی ایسا مقام نہیں ہے جہاں پر وقف کرنا قاری پر واجب ہو اور اس کے ترک کرنے پر قاری گناہ گار ہو جائے اور نہ ہی پورے قرآن مجید میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پر وقف کرنا قاری کے لئے حرام ہو اور وقف کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو جائے، البتہ یہ وقف وجوب یا حرمت کے ساتھ متصف اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مرادی معنی کے خلاف مفہوم کا قاری قصد وارادہ کرے، ورنہ نہیں۔

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولیس فی القران من وقف وجب، ولا حرام غیر ماله سبب

ترجمہ: "اور نہیں ہے قرآن میں کوئی ایسا وقف جو واجب ہو اور نہ کوئی ایسا وقف جو حرام ہو، سوائے اس وقف کے جن کے (وجوب یا حرمت کے) لئے سبب ہو۔" (اور سبب سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی جگہ وقف یا وصل کرنے سے قبیح معنی کا توہم ہوتا ہو اور پڑھنے والا اس معنی کا قصد بھی کر لے تو پہلی صورت میں وقف حرام اور دوسری صورت میں وقف واجب ہے)

وقف المتکلف:

بعض قاری اور بعض اہل عربیت نحاۃ نے خواہ مخواہ وقف کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے ایسے اوقاف اور مقامات ابتداء مقرر کر لئے ہیں جو کتاب اللہ کے سیاق وسباق سے میل نہیں کھاتے ہیں۔

مثلاً:

"وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا" (البقرۃ:۲۸۶) میں کلمہ "انت" پر وقف کر کے "مولنا" سے ابتداء کرنا۔ یا "قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ لَا تَقْتُلُوْہُ" (القصص:۹) میں کلمہ "لا" پر وقف کر کے "تقتلوہ" سے ابتداء کرنا۔ یا "ثُمَّ

جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا" (النساء:۶۲) اس آیت میں "یحلفون" پر وقف کرکے "باللّٰہ" سے ابتداء کرنا۔ یا آیت "فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" (البقرۃ:۱۸۵) اس آیت میں "فَلَا جُنَاحَ" پر وقف کرکے "عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ" سے اعادہ کرنا۔

وقف المعانقۃ:

ایسے دو قریبی مقامات جہاں دونوں جگہ وقف کرنا درست ہو، وقف معانقہ کہلاتا ہے۔ مثلاً:

"لَارَيْبَ ؞ فِيْهِ ؞ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" (البقرۃ:۲) یہاں "لَارَيْبَ" پر وقف کرنا بھی درست ہے اور "فیہ" پر وقف کرنا بھی درست ہے۔

وقفِ معانقہ کا حکم:

وقف معانقہ کا حکم یہ ہے کہ دونوں جگہوں میں سے کسی ایک جگہ پر وقف کرنا جائز ہے اس طور پر کہ اگر ان میں سے کسی ایک جگہ پر وقف کروگے تو دوسری جگہ پر وقف کرنا جائز نہیں، جس طرح دونوں جگہ ایک ساتھ وقف کرنا جائز نہیں ہے۔

وقف کی کیفیت:

کیفیت کے اعتبار سے وقف کی تین قسمیں ہیں:

۱......وقف بالاسکان:

حرف موقوف علیہ پر وقف بالاسکان ہر حرکت میں جائز ہے، خواہ مرفوع ہو یا منصوب ہو یا مجرور۔ (خواہ حرکات بنائیہ ہوں۔ یعنی حرف موقوف علیہ پر سکون خالص کے ساتھ وقف کرنا وقف بالاسکان کہلاتا ہے) مثلاً: "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"، "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"، "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"۔

۲......وقف بالاشمام:

جب حرف موقوف علیہ مضموم ہو اور اس پر وقف بالاسکان کرنے کے فوراً بعد اس کی حرکت ضمہ کی طرف دونوں ہونٹوں کو ملا کر گول کرکے اشارہ کیا جائے تو اس کو وقف بالاشمام کہتے ہیں۔ یہ صرف مرفوع یعنی ضمہ پر جائز ہے۔ مثلاً: "وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"۔

۳......وقف بالروم:

حرف موقوف علیہ پر وقف کرتے ہوئے حرکت کا بعض حصہ ادا کرنا وقف بالروم کہلاتا ہے۔اس بعض کی مقدار اردو ثلث تجویز کی گئی ہے۔اس بعض حرکت کو اس طرح خفی آواز سے پڑھا جاتا ہے کہ قریب والا اور توجہ سے سننے والا تو سن سکتا ہے مگر دور والا آدمی اس کو نہیں سن سکتا۔یہ صرف مرفوع ومجرور (پیش وزیر) میں جائز ہے اور زبر میں جائز نہیں ہے۔مثلاً: ''يَوْمِ الدِّيْنِ''، ''نَسْتَعِيْنُ''۔

وقف بالاشمام اور وقف بالروم دونوں کی صحیح اور درست کیفیت براہ راست ماہر شیوخ سے سن کر اور دیکھ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

جب حرف موقوف علیہ منون منصوب (دو زبر والی) ہو، جیسے: ''عليماً حكيماً'' (النساء:۱) اور ''اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا'' (النباء:۶) تو ایسے کلمات پر تنوین کو الف سے تبدیل کر کے وقف کیا جائے گا، یعنی ''حَكِيْمَا، مِهٰدَا'' وغیرہ۔اس کو مدّ عوض کہتے ہیں۔اور اگر حرف موقوف علیہ تائے مربوطہ (تائے مدورہ یعنی گول تاء) ہو تو اس تاء کو ہاء سے بدل کر وقف کریں گے۔مثلاً: ''وبالاخرةِ'' کو ''وبالاخرهْ'' پڑھنا۔

وقف وابتداء کے موضوع پر چند مطبوع کتابیں:

۱......الايضاح في الوقف و الابتداء...مؤلف: علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۸ھ) ڈاکٹر محی الدین رمضان کی تحقیق سے ساتھ ۱۳۹۱ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

۲...... القطع الإيتناف...مؤلف: علامہ ابن النحاس رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۳۸ھ) ڈاکٹر احمد خطاب العمر کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۹۸ھ میں طبع ہوئی ہے۔

۳...... المكتفى في الوقف و الابتداء...مؤلف: امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۴۴ھ) ڈاکٹر یوسف مرعشی کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۴...... المقصد لتلخيص ما في المرشد ... مؤلف: شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۹۲۶ھ)۔کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔

۵......منار الهدى في الوقف و الابتداء...مؤلف: علامہ احمد بن عبد الکریم الاشمونی رحمہ اللہ تعالیٰ (گیارہویں صدی ہجری کے بڑے علماء کرام میں سے ہیں) یہ کتاب بھی کئی بار چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

سکتہ اور قطع:

سکتہ کی لغوی تعریف:

لغت میں سکتہ کے معنی ہیں خاموش ہو جا اور رک جانا۔

سکتہ کی اصطلاحی تعریف:

بنیتِ قرأت سانس لئے بغیر کسی کلمہ پر تھوڑی دیر کے لئے آواز کو بند کرنا اور ٹھہرنا، وقف کے مقابلے میں ذرا کم مدت کے لئے ہو، سکتہ کہلاتا ہے۔

سکتہ کی دو حالتیں ہیں:

۱......ایک سکتہ وہ ہوتا ہے جو کسی کلمہ کے بیچ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ طیبہ کے طریق سے امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہمزہ متحرک ماقبل ساکن ہو تو اس ساکن پر سکتہ کرنا۔ مثلاً: ''اَلْقُرْاٰن''۔

۲......سکتہ کی دوسری صورت وہ سکتہ ہے جو وصل کی حالت میں کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ مثلاً: ''مَنْ اٰمَنَ'' میں ''مَن'' کے نون پر سکتہ کرنا۔ ''بَلْ رَانَ'' میں ''بَل'' کے لام پر سکتہ کرنا۔

اس قسم کا سکتہ عام طور پر ان جگہوں میں ہوتا ہے جہاں ہمزہ سے پہلے ساکن حرف ہو، خواہ وہ ساکنِ صحیح ہو۔ جیسے: ''مَنْ اٰمَنَ''، ''اَلْقُرْاٰن''۔ یا مشابہ صحیح ہو اور وہ حرف لین ہوتا ہے۔ مثلاً: ''خَلَوْا اِلٰی''، ''هَيْئَةِ الطَّيْرِ''۔ یا حرف مدّ ہو۔ مثلاً: ''قَالُوْا اٰمَنَّا''، ''لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْءُ''۔

عمومی طور پر امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں سیدنا امام حفص رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے اور امام ابن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے اور امام خلف العاشر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں سیدنا ادریسؒ کی روایت سے ہمزہ ماقبل ساکن میں ان تمام حضرات سے دو وجہوں میں سے ایک میں وجہ طیبہ کے طریق سے سکتہ نقل کیا گیا ہے اور یہ سکتہ اس وقت ہے جبکہ ہمزہ کا ماقبل ساکن حرف مدہ نہ ہو۔ اگر حرف مدہ ہوگا تو پھر سکتہ طیبہ کے طریق سے بھی درست نہیں۔

شاطبیہ کے طریق سے امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں سیدنا خلادؒ کی روایت سے بعض صورتوں میں بالخلف اور امام عاصمؒ کی قراءت میں سیدنا حفصؒ کی روایت سے بعض خاص مواقع میں سکتہ آیا ہے۔

شاطبیہ کے طریق سے امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت میں سیدنا حفص رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مواضع سکتہ:

(الف)......سکتے کے چار متفق علیہ مواضع:

۱...... "وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا سكتة قَيِّمًا" (الکھف:۱،۲) اس میں "عِوَجًا" کی تنوین کو الف سے تبدیل کرکے "عِوَجَا" پر سکتہ کرنا۔

۲...... "مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا سكتة هَٰذَا" (یس:۵۲) میں "مَرْقَدِنَا" کے الف پر سکتہ کرنا۔

۳...... "وَقِيلَ مَنْ سكتة رَاقٍ" (القیامۃ:۲۷) میں "مَنْ" کے نون پر سکتہ کرنا۔

۴...... "كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم" (المطففین:۱۴) میں "بَلْ" کے لام پر سکتہ کرنا۔

ان میں سے پہلی دو جگہوں میں سکتہ صرف حالت وصل میں ہوگا اور حالت وقف میں سکتہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ قاری کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اختیار ہے:

۱...... یا تو کلمہ اولیٰ پر وقف کرے اور سانس لے لے، اس صورت میں یہ سکتہ نہیں ہوگا بلکہ وقف ہی ہوگا، اور بعد والے کلمہ سے ابتداء کرے۔

۲...... یا پہلے والے کلمہ کو مابعد سے ملائے اور وقف نہ کرے اس صورت میں اس پر سکتہ ہی ہوگا۔

باقی رہا تیسری اور چوتھی جگہ تو وہاں پر سکتہ ہی متعین ہے کیونکہ ان دونوں مواقع میں وقف کرنا جائز نہیں ہے۔

(ب)......سکتہ کے اختلافی مواقع:

۱...... سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کے درمیان یعنی "إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (سكتة) (الانفال:۷۵) بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" (التوبۃ:۱) میں علیم کے میم پر سکتہ کرنا۔

۲......"مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ سكتة هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ" (الحاقۃ:۲۸،۲۹) میں "مَالِيَهْ" کی ہاء پر سکتہ کرنا۔

ان دونوں مقامات میں سکتہ کرنا صرف حالت وصل میں ہے۔ وقف کی صورت میں سکتہ نہیں ہوگا۔

قطع کی لغوی تعریف:

قطع کے لغوی معنی الابانۃ، والازالۃ یعنی جدائی اور الگ ہونے کے ہیں۔ اہل عرب جب درخت کاٹ کر الگ کردیتے ہیں تو کہتے ہیں: "قطعتُ الشجرۃَ" یعنی میں نے درخت کاٹ لیا۔"

قطع کی اصطلاحی تعریف:

قراء کی اصطلاح میں قطع کے معنی ہیں قرأت کو راً سا اور کلیۃً بند کرنا۔ یعنی قرأت کا اختتام کرنا۔

قطع صرف اور صرف یا تو سورتوں کے اواخر میں ہوتا ہے یا آیات کے اواخر میں ہوتا ہے، اور ان آیات کے اواخر کو رؤوس آیات بھی کہا جاتا ہے۔ (علماء کرام فرماتے ہیں کہ قطع کا محل راسِ آیت، ختمِ رکوع، ختمِ ربع، ختمِ نصف، ختمِ ثلث، ختمِ جزء، ختمِ سورۃ اور ختمِ منزل ہے۔)

جب قاری دوبارہ تلاوت کرنے لگے تو اس کے لئے أعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا مستحب ہے۔

وقف، سکتہ اور قطع کے درمیان فرق:

وقف، سکتہ اور قطع میں سے ہر ایک کی تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان تینوں کے درمیان کچھ فرق ہے اور وہ فرق یہ ہیں:

۱...... وقف اور سکتہ دونوں کے دونوں دوبارہ تلاوت کرنے کی نیت کے ساتھ ہوتے ہیں اور قطع تلاوت سے اعراض کرنے کی نیت سے ہوتا ہے کہ فی الحال دوبارہ تلاوت کرنے کی نیت نہیں ہوتی ہے۔

۲...... وقف اور قطع دونوں میں سانس لیا جاتا ہے اور سکتہ کی حالت میں جدید سانس نہیں لیا جاتا ہے۔

۳...... وقف میں خاموش رہنے کی مقدار دو حرکات ہیں اور سکتہ میں خاموش رہنے کی مقدار دو حرکتوں سے کم ہوتی ہے۔

۴...... قطع کے بعد اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا مستحب ہے اور وقف وسکتہ کے بعد استعاذہ نہیں کیا جاتا ہے اور کبھی وقف بول کر قطع بھی مراد لیا جاتا ہے۔

پانچویں فصل

توجیہ القراآت

☆☆......پہلی بحث: علم الاحتجاج یعنی علم توجیہ القراآت اور اس کی تاریخ.

☆☆......دوسری بحث: قراآت کی توجیہ بیان کرنے کی صورتیں.

پہلی بحث

علم توجیهه القرآت کی تعریف اور اس کی تاریخ

الاحتجاج کی لغوی تعریف:

''الاحتجاج'' باب تفعیل احتج کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: دلیل قائم کرنا، استدلال کرنا۔ اصل میں یہ "الحجة" سے ماخوذ ہے بمعنی دلیل و برہان۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "لئلا یکون للناس علیکم حجة" (البقرة:۱۵۰)

ترجمہ: ''تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع۔''

کہا جاتا ہے: "احتج علیه" یعنی اس پر حجت و دلیل قائم کی۔

الاحتجاج کی اصطلاحی تعریف:

"هو علم يبحث فيه عن لمية القراءات ببيان عللها و توجيهها من حيث اللغة و الإعراب."

ترجمہ: ''علم الاحتجاج (علم توجیہہ القرآت) وہ علم ہے جس میں قرآت کی لمیۃ (علت سے معلول پر استدلال کرنے، سبب اور وجہ بیان کرنے) سے بحث کی جاتی ہے، اس لمیۃ سے بحث لغت اور تراکیب کی حیثیت سے ان قرآت کی توجیہہ اور علت و سبب بیان کرنے کے ذریعے ہوتی ہے۔''

کبھی کبھی اس علم الاحتجاج پر ''علم علل قرآت'' کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے۔ (اور اس کو ''علم توجیہہ القرآت'' بھی کہا جاتا ہے)

یہ ایک ایسا علم ہے جو قرآت کی سمجھ اور درایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاری نے ان بہت ساری قرآت میں سے ۔ جو ان کے نزدیک صحیح اور درست تھیں اور وہ ان کا ماہر تھا ۔ ایک متعین قراءت کو کیوں اختیار کیا؟

کبھی اس خاص قراءت و وجہ کو اختیار کرنے کا سبب نحوی یا لغوی ہوگا اور کبھی اس کا سبب معنوی اور نقلی ہوگا جس میں قاری ان احادیث و آثار کی بھی رعایت رکھتا ہے جن سے اس قراءت و وجہ کو اختیار کرنے میں استیناس کرتا ہے یعنی ان کو ایک قسم کی دلیل و حجت بناتا ہے۔

چنانچہ ''الاحتجاج'' کا مطلب یہ ہوا کہ لغت اور تراکیب نحوی کی حیثیت سے اس خاص قراءت و وجہ جس کو

قاری نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور اختیار کیا ہے اس کی علت وسبب اور وجہ بیان کرنا ہے۔
اس علت ووجہ بیان کرنے سے مقصود قراءت کے صحیح ہونے کی دلیل وثبوت پیش کرنا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ قراءت کے صحیح ہونے کی دلیل اس کی سند کا صحیح اور متواتر ہونا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی قراءت صحیح اور درست اس لئے ہے کیونکہ وہ تواتر سے ثابت ہے یا شہرت سے ثابت ہے یا اگر وہ اخبار آحاد میں سے ہے تو اس کی سند صحیح ہے اور اس قراءت کے صحیح ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قاری نے اس کو پسند کرنے کی کوئی علت اور وجہ بیان کی ہے۔
اور ''الاحتجاج'' یعنی توجیہہ القراآت یہ قراآتِ متواترہ اور قراآتِ شاذہ سب کو شامل ہے اور علماء کرام نے قراآتِ متواترہ اور قراآتِ شاذہ دونوں قسم کی قراآت کی توجیہیں بیان کی ہیں اور اس موضوع پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

الاختیار (یعنی کسی قاری کا کسی خاص قراءت کو پسند کر کے اسی کو اپنا مشغلہ بنانا) اور اس کا مطلب:

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے قراء کرام جو ''الاختیار'' سے مفہوم و اصطلاح مراد لیتے ہیں اسے پیش کردوں۔ ہمیں یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ تمام قراآت وحی کا حصہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ یہ بات بھی ہمیں پتہ چل چکی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً سے قرآن مجید کو ان احرف کے ساتھ سیکھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک اس حرف (وجہ وقراءت) کی تلاوت کرتا تھا جس کو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً سے حاصل کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس چیز کا التزام کیا اور اس پر دوام وہمیشگی اختیار کی، اسی وجہ سے بعض احرف (وجوہِ قراآت) کی بعض صحابہ کرام کی طرف نسبت کی جانے لگی۔ چنانچہ کہا جانے لگا کہ: حرف ابی وحرف ابن مسعود............ یعنی حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت .... وغیرہ وغیرہ۔
پھر تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا زمانہ آگیا اور انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم ان صحابہ کرام سے حاصل کی جن سے ان حضرات کی ملاقات ہوئی۔ چنانچہ ان کے پاس لاأ حرف (وجوہ قراآت) متعدد اور کئی سارے جمع ہو گئے تھے۔
پھر اس کے بعد ان تابعین کے شاگردوں کا زمانہ آگیا اور انہوں نے اپنے اساتذہ کرام تابعین سے وجوہِ قراآت حاصل کرنے اور ان کو سیکھنے میں توسع سے کام لیا اور اس میں بڑی کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا۔ پھر انہوں نے جو کچھ سیکھا تھا ان میں سے بعض وجوہِ قراآت کو اختیار کیا اور اپنے لئے پسند کیا اور اس کی تلاوت پر مداومت کرنے لگے اور اس کو اپنے لئے لازم وخاص کر لیا۔ یہ زمانہ ائمہ قراء کا زمانہ تھا اور یہ حضرات کتاب اللہ کی تعلیم اور سکھانے

کی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بعض شاگردوں کو وہ قراآت پڑھائیں جس کا انہوں نے خود التزام کیا تھا، اور دوسرے بعض شاگردوں کو وہ قراآت پڑھائیں جو ان کے لئے مناسب اور درست تھیں اور ان کی طبائع، لغت اور لہجے کے اعتبار سے انہی قراآت میں پروان چڑھ چکیں اور ان کی عادی ہو گئیں اور ان کو اجتہاد اور اپنی رائے سے کچھ نہیں پڑھایا بلکہ اس تعلیم کے مطابق پڑھایا جو انہوں نے اپنے اساتذہ کرام سے قراآت کو ان اسانید کے ساتھ سیکھا اور حاصل کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً تک متصل ہیں یعنی اس تعلیم و تعلم کی بنیاد رائے اور اجتہاد نہیں بلکہ سند متصل ہے۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لفظِ ''الاختیار'' کا مطلب قراآتِ قرآنیہ میں اجتہاد اور رائے و قیاس کو جاری کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ قراء کرام نے جو قراآت روایت کی تھیں ان میں سے بعض کو چھوڑ کر دوسری بعض کو پڑھانے اور تعلیم دینے کے لئے اختیار کرنا اور پسند کرنا اصطلاحِ قراء میں ''الاختیار'' کہلاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ قراء کرام نے پڑھنے اور پڑھانے کے لئے بعض روایات ہی کو کیوں اختیار کیا؟ اور جو کچھ انہوں نے سیکھا تھا وہ سب انہوں نے کیوں نہیں پڑھایا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کرنے کی دو وجوہات تھیں:

۱...... پہلی وجہ روایات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا اور ان روایات میں سے جو زیادہ مشہور اور جس کے راوی کثرت سے ہوں ایسی روایات کو اختیار کرنا اور پسند کرنا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ حضرات ان روایاتِ قراآت کو تلاش کر رہے تھے جس پر اکثر لوگوں کا عمل تھا اور ان روایات سے بچتے اور پرہیز کرتے تھے جن میں بعض راوی منفرد اور اکیلے ہوں یا کوئی راوی شاذ ہو۔

چنانچہ یہی امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جنہوں نے بہت سے شیوخ سے سماع کیا اور قراآت کو حاصل کیں یہاں تک کہ ستر (۷۰) تابعین سے قراآت حاصل کیں، لیکن انہوں نے اپنے شیوخ و اساتذہ سے سیکھی ہوئی اور حاصل کی ہوئی تمام قراآت آگے نہیں پڑھائیں بلکہ آپ فرماتے ہیں:

''چنانچہ میں نے دیکھا کہ جس وجہ قراءت پر ان (ستر تابعین) میں دو نے اتفاق کیا ہے تو میں نے اس کو لے لیا اور جس وجہ قراءت میں ان میں سے کوئی ایک راوی شاذ ہوا تو میں نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ میں نے ان وجوہ سے یہ قراءت ترتیب دی۔''

اور یہی حالت امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے حضراتِ ائمہ کرام کی بھی تمہیں ملے گی۔

۲...... دوسری وجہ اپنے شاگردوں پر آسانی اور تخفیف کرنا تھا اور ان میں سے جس کے لئے جو مناسب ہوتا تھا اس

کے لئے اسی وجہ کو پسند کرتے تھے اور اس پسندیدگی کا مدار شیخ کی فراست اور مردم شناسی پر ہوتا تھا یا اس بات پر اس کا مدار ہوتا تھا کہ اس خاص شاگرد کے علاقے اور شہر میں کونسی قراءت مشہور و معروف ہے؟ جو قراءت اس خاص شاگرد کے علاقے میں مشہور ہوتی وہی اس کو پڑھاتے تھے اور دوسرے بعض شاگردوں کو دوسری وجوہ و روایات پڑھاتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ شاگرد شیخ کے پاس آکر ان کے سامنے وہی روایت پڑھتا تھا جو اس کے علاقے میں مشہور ہوتی تھا تو شیخ اسے سنتا تھا اور اگر وہ اس بعض مرویات کے مطابق ہوتی تو وہی روایت اس کو پڑھاتے تھے۔

یہی مذکورہ بالا ''الاختیار'' کا قصہ ہے اور اسی مذکورہ بالا طریقے سے اس ''الاختیار'' (کسی قاری کا کسی خاص روایت کو پسند کرنے اور اسے پڑھنے پڑھانے کے لئے اپنا مشغلہ بنانے) کی ابتداء ہوئی ہے۔

پھر اس کے بعد قراءکرام اور اہل لغت نے ان اختیارات کے اسباب وعلل بیان کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور ان قراآت وروایات کو اختیار کرنے اور پسند کرنے پر نحوی اور لغوی دلائل و براہین قائم کرنا شروع کئے، ان دلائل کے ذریعے اپنے اس اختیار کو تقویت دینے لگے۔ یہی وہ چیز ہے جس کا نام بعد میں ''علم الاحتجاج'' یا ''علم توجیہ القراآت'' پڑ گیا۔ یہ علم درحقیقت ان علومِ عربیہ کا نتیجہ ہے جن میں قرآن مجید کی خدمت کرنے کے واسطے علماء کرام مشغول ہوگئے۔

قواعد نحو اور علمِ لغت کو ثابت کرنے کے لئے قراآت سے استدلال کرنا متقدمین کے ہاں پایا جاتا تھا لیکن لغویین کی ایک قلیل جماعت کے ہاں اور وہ بھی محدود پیمانے پر تھا۔

باقی رہا قراآت کی تائید و توثیق کے واسطے قواعد نحو اور شواہد لغت سے استدلال کرنا، تو یہ بہت کثرت سے تھا اگرچہ حقیقت میں صحیح وضع اس کے برعکس تھی (یعنی قراآت کے ذریعے قواعد نحو اور لغت کی درستگی پر استدلال کرنا ٹھیک ہے نہ یہ کہ قواعد نحو اور شواہد لغت کے ذریعے قراآت کی صحت پر استدلال کیا جائے) مثلاً: یہ کہ نحو کے قواعد، مذاہب اور شواہد کے اثبات کے لئے قراآت سے استدلال کیا جائے خواہ وہ قراآتِ متواترہ ہوں یا قراآتِ شاذہ، جب تک کہ یہ قراآت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوں تو ان سے قواعد نحو کے اثبات کے لئے استدلال کرنا ٹھیک ہے کیونکہ ان قراآت کے لئے حفظ وضبط، اعتماد و بھروسہ، باریک بینی اور تلاش وجستجو سب کچھ کثرت سے ثابت ہے یعنی یہ قراآت محفوظ بھی ہیں اور معتمد علیہا بھی اور ان کے اختیار کرنے میں انتہائی باریک بینی اور تلاش وجستجو سے کام لیا گیا ہے، اس لئے یہ زیادہ قابل استدلال ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کا بعض حصہ بھی مضبوط سے مضبوط شواہد نحو میں نہیں پایا جاتا۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جب یہ بات ہے کہ ہم لغت کے اثبات کو ایسے مجہول شعر کے ذریعے جائز قرار دیتے ہیں جس کے کہنے والے کا بھی پتا نہیں ہے تو قرآن مجید کے ذریعے لغت کو ثابت کرنا بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے .... اور میں اکثر نحوی حضرات کو دیکھتا ہوں کہ وہ ان الفاظ کی تقریر واثبات میں حیران و پریشان ہو جاتے ہیں جو الفاظ قرآن مجید میں آتے ہیں اور جب وہ اس کی تقریر واثبات میں کسی مجہول شعر سے استشہاد پیش کرتے ہیں تو اس کے ساتھ بہت خوش ہوتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں پر بہت زیادہ تعجب ہوتا ہے، کیونکہ جب یہ لوگ اس مجہول شعر کے اس لفظ کے موافق آنے کو اس لفظ کے صحیح ہونے کی دلیل بناتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ اس لفظ کے قرآن مجید میں آنے کو اس لفظ کے صحیح اور درست ہونے کی بدرجہ اولی دلیل قرار دیں۔''

امام ناصر الدین احمد بن منیر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں:

''ہمارا مقصد قواعد عربیہ کے ذریعے قراآت کو صحیح اور ٹھیک کرنا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد و مدعا قراآت کے ذریعے قواعد عربیہ کو ٹھیک اور درست کرنا ہے۔''

اسی کے بارے میں ڈاکٹر سید الطّویل فرماتے ہیں:

''نحو کے قوانین بنانے اور اس کے قواعد مرتب کرنے کے واسطے قراآت اساس و مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ بات درست نہیں ہے کہ نحویوں کے بنائے ہوئے ان قواعد وقوانین کی بناء پر قراآت پر کوئی حکم لگایا جائے جن قواعد کی بنیاد یا تو ایسے اشعار ہیں جن کے قائل کا کچھ پتا نہیں یا کوئی ایسی عبارت ہے جس کا قائل کسی گاؤں کا کوئی دیہاتی اور ناخواندہ جاہل آدمی ہے۔''

قراآت کی توجیہہ بیان کرنے کی ابتداء اور اس کا ارتقاء:

اصل حقیقت حال کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، بہر حال میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ قراآت کے لئے توجیہہ بیان کرنے کی روایت بہت پرانی ہے اور یہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ یہ دور صغارِ صحابہ کرام کا دور ہے جنہوں نے اپنے بڑوں سے قرآن مجید اور اس کی قراآت حاصل کیں اور قراآتِ مختلفہ اور تلاوت کی وجوہ متعددہ سے واقف ہوئے۔

اس کی دلیل حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ نے ایک آیت ایک خاص وجہ کے ساتھ تلاوت کی اور پھر اس وجہ کی صحت کے لئے بطور استشہاد کے دوسری آیت پیش کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی وہ یہ تھی:

''وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا'' (البقرۃ:۲۵۹) یہاں آپ نے ''نُنْشِزُهَا'' کے بجائے ''نَنْشُرُهَا'' یعنی

راء کے ساتھ پڑھا، اوراس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا: "ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنشَرَهُ" (عبس: ۲۲)

گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ بقرۃ کی آیت کی تفسیر سورۂ عبس کی آیت کے ذریعے کر دی، اور سورۂ بقرۃ کی آیت میں وجوہِ قراآت میں سے جو وجہ (یعنی راء والی وجہ) تلاوت کی اس وجہ کے صحیح اور درست ہونے کی تائید و دلیل کے طور پر سورۂ عبس کی وہ آیت تلاوت کی جو بالاتفاق راء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

اسی طرح یہ عظیم الشان علم - جو علم القراآت کی نظیر ہے - صحابہ کرام کے مبارک سینوں سے تابعین میں جو ان کے شاگرد تھے ان کے سینوں میں منتقل ہو گیا اور جیسے جیسے علم القراآت پھیلتا اور مشہور ہوتا گیا اسی طرح علمِ توجیہ القراآت بھی ترقی کرتا اور نکھرتا چلا گیا۔

توجیہ القراآت ائمہ قرّاء کے زمانے میں:

مشہور قراء کرام میں سے بعض تو وہ ہیں جو تابعین ہیں اور بعض تبع تابعین میں سے ہیں اور علم توجیہ القراآت ان کے ہاں ایسا ہی معروف اور جانا پہچانا تھا جس طرح علم القراآت، علم النحو اور علم اللغۃ ان کے ہاں معروف و مشہور اور رائج تھے۔ قراآت کے ائمہ کرام میں سے بعض حضرات وہ بھی ہیں جو نحو اور لغت کے بھی امام اور ماہر تھے۔ مثلاً: امام ابو عمرو ابن العلاء البصری رحمہ اللہ تعالیٰ، امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔

قرّاء کرام میں سے ہر ایک قاری قراآت متعددہ میں سے کسی ایک قراءت کو اختیار کرتا اور اس کا التزام کرتا تھا اور جس قراءت کا وہ التزام کرتا تھا اس قراءت کو ان قراآت میں سے فضیلت دیتا تھا جن قراآت کو اس نے سیکھا تھا اور ان کو پہچانتا تھا۔ ایک قراءت کو دوسری قراءت پر فضیلت دینے کے لوگوں کے نزدیک مختلف اسباب و وجوہات ہوتے تھے۔ مثلاً: متواتر ہونا اور نہ ہونا، امام و قاری کا زمانے کے لحاظ سے مقدم ہونا اور اس کی جلالت شان اور اس کے شہر کی علمی حیثیت جس شہر میں اس امام و قاری کی قراءت مشہور ہوئی اور پھیل گئی۔

بعض قراآت کی توجیہ ان قراآت کے مشہور ائمہ کرام سے منقول ہیں۔ مثلاً: امام عاصم الجحدری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۸ھ)، عیسیٰ بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۴۹ھ)، ابو عمرو رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۴ھ) اور علی الکسائی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۹ھ) وغیرہ وغیرہ۔

ان چیزوں کو بعض قراآت کے واسطے تخریجات اور توجیہات فردیہ قرار دیا گیا ہے جن میں ان کے بیان کرنے والے توجیہ قراآت بیان کرنے میں لغوی اور نحوی تراکیب کے منہج پر عمل کرتے ہیں یا کسی ایک قراءت سے دوسری قراءت کی تخریج میں مدد لیتے ہیں۔ اسی طرح معاملات چلتے رہے یہاں تک کہ توجیہ القراآت میں تدوین کا زمانہ

آ گیا۔

قراآت کی توجیہہ بیان کرنے کے اسباب ووجوہات:

ا...... دوسری صدی ہجری کے اواخر ہی سے دشمنانِ اسلام کی ریشہ دَوانیاں اور اسلام پر قدغن لگانے والوں کے بیجا اعتراضات میں تیزی آ گئی اور دشمنانِ اسلام کی اسلام کے خلاف یہ چستی اور مستعدی ترقی کرتی اور آگے بڑھتی گئی یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد آنے والی صدیوں میں یہ فتنہ مضبوط ہو گیا اور جڑ پکڑ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اطراف عالم میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور چار دانگِ عالم میں اسلام کی شان وشوکت کا ڈنکا بجنے لگا اور بے شمار قبائل دین اسلام میں داخل ہو گئے، ان نو مسلموں میں سے بعض پکے سچے ایماندار تھے اور ان میں سے بعض اسلام کی ترقی سے جل بھن کر اس سے کینہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول پر وار کرنے کے لئے اعتراضات وشبہات ڈھونڈتے رہتے تھے تا کہ ان کے الحاد و بے دینی پیدا کرنے اور لڑائی جھگڑا و دنگہ فساد پھیلانے کے شوق، جذبے اور ولولے کو تسکین ملے اور ان کا مقصد بروئے کار آ جائے۔ حقیقتاً ان ادوار میں قراآت پر مکار ملاحدہ کی ریشہ دَوانیوں سے فکری حملے ہونے لگے جن ادوار میں لوگوں میں الحاد و زندقہ اور بے دینی پھیلی اور ان فکری گمراہیوں کو الحاد و بے دینی نے خوب پھیلایا۔ چنانچہ یہ لوگ اس طرح کے سوالات عامۃ الناس میں پھیلا رہے تھے اور ان کی تشہیر کر رہے تھے کہ:

......ان قراآت کی سند کیا ہے؟

......ان قراآت کی دلیل کیا ہے؟

......فلاں قاری نے یہ مذہب کیوں اختیار کیا؟

......کیا اس کی تائید وتوثیق لغت اور نحوی قواعد سے ہوتی ہے؟

یہیں سے حضرات قرّاء کرام اور نحاۃ عظام نے ان لوگوں پر ردّ کرنے کے لئے اپنے آپ کو توجیہ القراآت کے موضوع پر کتابیں لکھنے کے لئے فارغ کر دیا اور اس معاملے میں انہوں نے قیاس ونظر کو ترجیح دی اور جو چیزیں نقل و روایت سے ثابت ہیں ان میں قیاس ونظر کو کام میں لائے اور ان دونوں سے بہت کام لیا یہاں تک کہ معاندین کے ساتھ انہی ہتھیاروں سے مقابلہ کرنے لگے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں پر اور ان کے کتاب مبین پر رکیک حملے کرتے تھے۔

چنانچہ معاندین کی جانب سے کتاب اللہ میں شبہات واعتراضات پیدا کئے جانے لگے اور مسلمان اس کا دفاع کرنے لگے اور اس کے متشابہات کو اقرب الی الفہم کرنے لگے اور اس کی قراآت ووجوہ کی توجیہہ بیان کرنے

لگے۔

۲......علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قراءات کو سات بنانے کے بعد توجیہ القراءات نے ترقی کی اور آگے بڑھا۔وہ اس طرح کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''السبعۃ'' میں سورۃ فاتحہ کے بیان میں قراءات کی توجیہ بیان کرنا شروع کی اور قراءات کی ہر وجہ کو اس کے قاری کی طرف منسوب کرنے اور قاری کا حوالہ دینے کے بعد اس کی توجیہ بھی بیان کی کہ اس قاری نے اس وجہ کو کیوں اختیار کیا اور اس قراءت کی توجیہ کیا ہے؟ مگر آپ کتاب کی طوالت اور ثقالت کے خوف سے سورۃ فاتحہ میں پائی جانے والی اختلافی قراءات کی توجیہ بیان کرنے کے بعد آگے مزید توجیہ بیان کرنے سے رک گئے اور باقی سورتوں میں توجیہ القراءات بیان نہیں کی۔ چنانچہ اپنی کتاب ''السبعۃ'' میں فرماتے ہیں:

''ابوبکر نے کہا: اس سورت (سورۃ فاتحہ) کے بعد قراءات کی علت و توجیہ بیان کرنے کو میں نے باعث طوالت سمجھا اور مجھے یہ بات پسند نہیں آئی کہ کتاب ضخیم ہو، چنانچہ میں اس کام سے رک گیا اور صرف قراءات ذکر کردیں۔''

گویا کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عمل کے ذریعے توجیہ کے موضوع اور قراءات کے بیان کرنے کو ترجیح دی اور اس کام کو پسند کیا اور یہیں سے ہم ان کے شاگردوں اور ہم عصروں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے توجیہ کے موضوع پر کتابیں تالیف کیں۔علم توجیہ القراءات کے موضوع پر لکھی ہوئی بیشتر کتابیں ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد چوتھی صدی ہجری میں تالیف کی گئیں۔ نتیجۃً ہم دیکھتے ہیں کہ قراءات میں تالیف کے کارہائے نمایاں میں علم توجیہ القراءات ایک نمایاں اور عظیم کام بن گیا۔ چنانچہ ابن الندیم رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں نے بہت سے ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اس صدی (چوتھی صدی ہجری) میں توجیہ کے موضوع پر کتابیں تالیف کیں۔

علم التوجیہ میں تدوینِ کتب:

علمِ توجیہ القراءات میں تالیف و تدوین کی ابتداء کب سے ہوئی؟ یقینی اور متعین طور پر معلوم نہیں ہے اگرچہ بعض علماء کرام نے قراءات کے ذریعے اور قراءات کے لئے حجت و توجیہ بیان کرنا شروع کردی تھیں اور اپنی اپنی کتابوں میں قراءات سے استشہاد بھی کرتے تھے اور قراءات کی تائید کے لئے بھی استشہاد بیان کرتے تھے۔ جیسا کہ امام النحو امام سیبویہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۰ھ) نے اپنی کتاب میں ایسا ہی کیا ہے خواہ یہ طریقہ کار امام سیبویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے طور پر اختیار کیا ہو یا اس طریقہ کار کو اپنے استاذ امام خلیل بن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مستعار لیا ہو بہر حال وہ اپنی کتاب میں اس منہج کو بروئے کار لائے ہیں، البتہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ فنی اور دقیق مفہوم کے لحاظ سے اس کو علم توجیہ پر مستقل تصنیف اور علم توجیہ کے مواد کی تدوین نہیں مانا جاتا، اگرچہ اس کتاب میں ضمناً اس

موضوع کو چھیڑا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد سالم محیسن کی رائے یہ ہے کہ: جس شخص نے سب سے پہلے توجیہہ کے موضوع پر کتاب تالیف کی وہ ابوبکر محمد بن سراج رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ٣١٦ھ) ہیں۔

اور یہ کام یعنی علم توجیہہ کے موضوع پر کتابیں لکھنے کا کام چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوا۔

ڈاکٹر عبد الفتاح شلبی کا نظریہ یہ ہے کہ توجیہہ کے موضوع پر تدوین و تالیف کی ابتداء دوسری صدی ہجری میں ہوئی اور اس دور میں مندرجہ ذیل حضرات کو اس فن میں تدوین و تالیف کرنے والوں میں شمار کیا گیا ہے:

(١)..... ہاروں بن موسیٰ الاعور رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ٢٠٠ھ سے پہلے) ان کے بارے میں امام ابو حاتم بجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں قراآت کی وجوہ کو سماع کیا اور ان کو تالیف کیا اور ان قراآت میں سے شاذ قراآت کو تلاش کیا چنانچہ ان کی سند کے بارے میں بحث کی اور ان پر کلام کیا۔''

سند سے بحث کرنا یہ بھی ''الاحتجاج'' یعنی توجیہہ القراآت کی ایک قسم ہے۔

(٢)..... یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ٢٠٥ھ) قراءِ عشرہ میں سے نویں قاری ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام ''الجامع'' رکھا ہے، اس میں انہوں نے وجوہِ قرآن کے عام اختلاف کو جمع کیا ہے اور ہر وجہ قراءت کو اس کے پڑھنے والے کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ اپنے زمانے میں قرآن مجید کے اختلافِ قراآت کو سب سے زیادہ جاننے والے اور ان وجوہ کی تعلیل اور مذاہب کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ڈاکٹر شلبی کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کا کام قراآتِ متواترہ اور قراآتِ شاذہ دونوں کو جمع کرنا تھا، جس طرح علامہ ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی قراآت کو جمع کیا، چنانچہ انہوں نے پچیس (٢٥) قراآت کو جمع کیا۔

توجیہہ القراآت پر لکھی جانے والی کتابیں:

توجیہہ القراآت کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

١...... کتاب ''احتجاج القراآت''.... مؤلف: محمد بن یزید المبرد رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ٢٨٥ھ)

٢...... کتاب ''احتجاج القراآت'' .... مؤلف: مبرد کے شاگرد ابوبکر محمد بن السری رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن السراج کے نام سے مشہور ہیں اور ٣١٦ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرۃ کا

ایک حصہ مکمل کیا ہے، پھر اس کام سے رک گئے تھے۔

۳...... کتاب ”الاحتجاج للقرّاء“ ... مؤلف: ابومحمد عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن درستویہ کے نام سے مشہور ہیں اور ۳۴۷ھ میں انتقال فرما گئے ہیں۔

۴...... کتاب ”الفصل بین ابی عمرو و الکسائی“ ... مؤلف: ابو طاہر عبد الواحد البز ار رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۴۹ھ)۔

ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ انہوں نے ان دونوں حضرات کے درمیان محاکمہ کرنے کے لئے نحو اور اس کے قواعد سے ضرور مدد لی ہوگی۔

۵...... کتاب ”الانتصار لحمزة“ .... اس کے مؤلف بھی ابو طاہر البز ار رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ کتاب کا عنوان بتلا رہا ہے کہ یہ کتاب بھی توجیہ کے موضوع پر ہے۔

۶...... کتاب ”السبعة بعللها الکبیر“ ... مؤلف: ابوبکر محمد بن الحسن الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۵۱ھ)

۷...... کتاب ”احتجاج القراآت“ .... مؤلف: ابوبکر محمد بن الحسن بن مقسم العطار رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۶۲ھ)۔ یہ کتاب انہوں نے ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد لکھی۔

۸...... کتاب ”السبعة بعللها الکبیر“ .... اس کے مؤلف بھی ابوبکر العطار رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۹...... کتاب ”الحجة فی علل القراآت السبع“ .... مؤلف: حسین بن احمد خالویہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۷۰ھ)۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبد العال سالم مکرم کی تحقیق کے ساتھ ”الحجة فی القراآت السبع“ کے نام سے ایک جلد میں چھپ چکی ہے اور ڈاکٹر عبد الرحمن بن سلیمان العثیمین کی تحقیق کے ساتھ ”اعراب القراآت السبع وعللها“ کے نام سے دو جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔

۱۰...... کتاب ”الحجة فی علل القراآت السبع“ ... مؤلف: ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ابو علی الفارسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۷۷ھ)

یہ کتاب مصنف کے استاذ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”السبعة“ کی شرح مانی گئی ہے۔

۱۱...... کتاب ”المحتسب فی تبیین وجوه القراآت الشاذة وایضاحها“ ... مؤلف: ابو علی فارسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ابو الفتح عثمان ابن جنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۹۲ھ)۔ اس کتاب میں مؤلف نے ان قراآت کی توجیہ بیان کی ہے جو حد تواتر کو نہیں پہنچی ہیں۔

۱۲...... کتاب ”حجة القراآت“ .... مؤلف: ابو زرعہ عبد الرحمٰن بن محمد بن زنجلہ رحمہ اللہ تعالیٰ یہ چوتھی صدی ہجری کے لوگوں میں سے ہیں۔

١٣...... "الکتاب المختار فی معانی قرآت اھل الامصار" ....مؤلف: ابو بکر احمد بن عبید اللہ بن ادریس رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ بھی چوتھی صدی ہجری کے علماء کرام میں سے ہیں۔

١٤...... کتاب "الکشف عن وجوہ القرآت السبع وعللھا وحججھا" ....مؤلف: مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ٤٣٧ھ)

١٥...... "شرح الھدایة" ....مؤلف: ابو العباس المہدوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی وفات تقریباً ٤٤٠ھ کے آس پاس ہوئی ہے۔

١٦...... "الموضح فی وجوہ القرآت و عللھا" ....مؤلف: ابو مریم الشیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی وفات ٥٦٥ھ کے بعد ہوئی ہے۔

١٧...... "اعراب القرآت الشواذ" ....مؤلف: ابو البقاء العکبری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ٦١٦ھ)

پھر اس کے بعد توجیہ القرآت کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ علم الاحتجاج کے موضوع پر متاخرین کی کتابوں میں سے چند مشہور کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

☆...... "اتحاف فضلاء البشر فی القرآت الاربعة عشر" ....مؤلف: احمد بن محمد البنا الدمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ١١١٧ھ)۔ ان کی یہ کتاب قرآت عشرہ متواترہ اور قرآت اربعہ شاذہ کے تذکرے پر مشتمل ہے اور ساتھ ساتھ ان قرآت اربعہ عشرہ کی توجیہ بھی بیان کی ہے۔

علم الاحتجاج یعنی توجیہ کے موضوع پر معاصر علماء کرام کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆...... "طلائع البشر فی توجیہ القرآت العشر" ....مؤلف: محمد الصادق القمحاوی۔

☆...... "قلائد الفکر فی توجیہ القرآت العشر" ....اس کتاب کے دو مؤلف ہیں: ١...محمد احمد الدجوی۔ ٢...محمد صادق القمحاوی۔

☆...... "القرآت الشاذة وتوجیھھا من لغة العرب" ....مؤلف: الشیخ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ١٤٠٣ھ)

☆...... "التذکرة فی القرآت الثلاث المتواترة و توجیھھا من طریق الدرة" ....مؤلف: ڈاکٹر محمد سالم محیسن۔

☆...... "المھذب فی القرآت العشر وتوجیھھا من طریق طیبة النشر" ....مؤلف: ڈاکٹر محمد سالم محیسن۔

علم الاحتجاج جن مراحل سے ہوکر آیا ہے ان مراحل کا خلاصہ:

ان مراحل کو مندرجہ ذیل ادوار کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱...... پہلا مرحلہ:

پہلا مرحلہ تخریجات اور بعض قراآت کی انفرادی توجیہات کا ہے۔ جیسا کہ اس طرح کے امور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض ائمہ قراء سے مروی ہیں۔ مثلاً: امام عاصم الجحدری، امام عیسیٰ بن عمر، امام ابو عمرو البصری اور امام کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ اس مرحلے کے تحت امام سیبویہ کی بیان کردہ بعض وہ توجیہات بھی داخل ہیں جو انہوں نے بعض قراآت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں، با ایں معنی کہ سیبویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو توجیہہ پر تصنیف نہیں مانا جاتا۔

۲......دوسرا مرحلہ:

دوسرا مرحلہ ان کتابوں کی شکل میں سامنے آتا ہے جو کتابیں اس موضوع پر متواتر اور شاذ قراآت کی تمیز کیے بغیر لکھی گئی ہیں اور یہ دور ہارون بن موسیٰ الاعور کے دور سے شروع ہوکر امام الفن اور سبعہ کی اصطلاح کے موجد علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے تک کا دور ہے۔ چنانچہ قراآتِ متواترہ کی علامات بالکل واضح ہوگئیں اور یہ قراآت متواترہ کو قراآت شاذہ سے ممتاز کرنے والی علامات بن گئیں۔

۳......تیسرا مرحلہ:

تیسرا مرحلہ قراآت متواترہ کی توجیہہ بیان کرنے کا دور ہے اور اس توجیہہ کی ابتداء ان قراآت سبعہ سے کی جاتی ہے جن قراآت کو امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے۔ توجیہہ کے موضوع پر اکثر کتابیں علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس طرز عمل کے بعد کی ہیں جو انہوں نے قراآت سبعہ بیان کرتے ہوئے ابتداء میں اختیار کی تھی کہ سورۃ فاتحہ کے اختلافِ قراآت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ توجیہہ بھی بیان کردی اگرچہ سورۃ فاتحہ کے بعد اس عمل کو (طوالت کے خوف سے) موقوف کردیا۔ توجیہہ بیان کرنے کی انتہاء قراآت عشرہ متواترہ پر ہوتی ہے، یعنی قراآت شاذہ کی توجیہہ بیان نہیں کی جاتی، اگرچہ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جنہوں نے خاص طور پر شاذ قراآت کی توجیہہ بیان کی ہیں اور صرف اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً: ابن جنی، العکبری اور القاضی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا ہے، اور بعض حضرات نے قراآت عشرہ متواترہ اور شاذہ کو جمع کیا ہے اور عشرہ اور شاذہ سب کی توجیہہ بیان کی ہیں۔ جیسا کہ علامہ الدمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا ہے۔

دوسری بحث

قراآت کی توجیہ بیان کرنے کی صورتیں

قراآت کی توجیہ بیان کرنے کی کئی صورتیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱......الاحتجاج بالاسناد: (قراءت کی توجیہہ سند کے ذریعے بیان کرنا)

جمہور کے نزدیک جب تواتر اور بعض حضرات کے نزدیک سند کا صحیح ہونا قراآت کے قبول کرنے کے ارکان اور شرائط میں سے سب سے اہم رکن اور شرط ٹھہرا تو اس وجہ سے علماء کرام اور ائمہ قراآت اسانید اور طرق متعددہ بیان کرنے کا اہتمام کرنے لگےاور احادیث کے قبول کرنے کے سلسلے میں محدثین کرام کا طریقہ کار اور ان کا معیار اختیار کرنے لگے تاکہ قراآت کی صحت و درستگی یقینی ہو جائے۔ متقدمین قراء کرام کی تالیفات و کتب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ حضرات قراآت کے اختلافات اسانید کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ان میں سے جن حضرات نے اپنی کتابوں میں اختصار سے کام لینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے صرف ان قراآت کی اسانید کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے جن قراآت کو وہ اپنی کتاب میں لانا چاہتے تھے اور ہر قاری سے جو قراآت جس سند کے ساتھ ان تک پہنچی تھیں اسی سند کو بیان کیا۔

چنانچہ یہ حضرات ان وجوہ قراآت کو لیتے تھے جن کی سند ان سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً تک درست اور متصل ہو اور ان کے سوا باقی قراآت کو چھوڑ دیتے تھے بشرطیکہ ان کے رجالِ سند پر کلام و جرح کیا گیا ہو۔ یہ چیز علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس منہج و طریق کار سے واضح ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ’’السبعۃ‘‘ میں اختیار کیا ہے اور یہ ہی طریق کار امام ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ’’جامع البیان‘‘ میں اور علامہ ابن الباذش رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۴۰ھ) نے اپنی کتاب ’’الاقناع‘‘ میں اور ان کے علاوہ دوسری کتب قراآت میں ان کے مؤلفین نے اختیار کیا ہے۔

جب قراآت نے قرار پکڑ لیا اور پڑھی پڑھائی جانی لگیں اور ان کی سند صحیح اور منقح ہو گئی تو اس کے بعد قراء کرام نے اپنی کتابوں میں تلخیص و تہذیب اور اختصار کا راستہ اختیار کئے اور ایجاز پر عمل کرنے لگے۔ چنانچہ قراآت کو ان کے ناقلین قراء، رُوات اور طرق کی طرف منسوب کر کے ذکر کرنے لگے اور جو قراءت کسی قاری یا اس کے راوی یا اس کے کسی طریق سے ثابت ہو تو اس کو بیان کرنے لگے (اور پوری سند کو ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی)۔اور یہ چیز علامہ ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس منہج و طریق کار سے واضح ہو جاتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب

''التیسیر'' میں اختیار کیا ہے اور اسی طرح ''النشر'' اور ''التقریب'' اور ''تحبیر التیسیر'' میں علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کے طرزِ عمل سے بھی یہی چیز واضح ہوتی ہے۔ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی یہی طریق کارملتا ہے۔علامہ الصفاقسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''غیث النفع'' میں یہی مذکورہ بالا طریق کار اختیار کیا ہے، اسی طرح ابو طاہر الاندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۵۵ھ) مصنف ''العنوان'' اور ابو معشر الطبری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۷۸ھ) مؤلف ''التلخیص'' وغیرہ مصنفین نے بھی اسی منہج وطریق کار کو اپنایا ہے۔

پھر علماء کرام طبقات القرّاء یعنی قرّاء کرام کی درجہ بندی کرنے کے عمل کی طرف متوجہ ہوگئے اور خاص خاص کتابوں میں رجالِ حدیث کے تراجم (حالاتِ زندگی) کے منہج پر کبار قرّاء کرام کے تراجم وضع کئے اور ان کتابوں میں مشاہیر قرّاء کرام کے حالات زندگی بیان کئے۔اس موضوع پر لکھی گئی مشہور کتابوں میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱...... ''معرفة القرّاء الكبار''....مؤلف: علامہ الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۴۸ھ) اس کتاب کو انہوں نے مختلف طبقات پر مرتب فرمایا ہے۔ان طبقات کی ابتداء صحابہ کرام سے کی ہے اور اپنے زمانے تک کے لوگوں پر اس کو ختم کیا ہے۔

۲...... ''نهاية الدرايات في اسماء رجال القراءات'' ....مؤلف: شمس الدین محمد بن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۳۳ھ) یہ کتاب ناپید ہے۔

۳...... ''غاية النهاية في طبقات القرّاء''....یہ بھی علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ہے۔اس کتاب میں علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی کتاب ''نهاية الدرايات'' کا اختصار کیا ہے اور اس میں وہ سب کچھ بھی جمع کر دیا ہے جو دو کتابوں یعنی علامہ دانی اور علامہ ذہبی کی کتابوں میں موجود تھا اور اس پر اور بھی بہت کچھ اضافہ فرمایا ہے۔اس کتاب میں قرّاء کرام کے حالات کو حروف تہجی کے اعتبار سے ان کے اسماء کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔

۲......الاحتجاج النحوی واللغوی: (قراءت کی نحوی اور لغوی توجیہہ بیان کرنا)

جب الاحتجاج مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے توجیہہ کی یہی قسم مراد ہوتی ہے اور یہ اصولی اور فرشی اختلافات پر مشتمل ہوتی ہے:

(الف)......الاحتجاج للأصول: (اصولِ قراآت کی توجیہہ بیان کرنا)

ہم اس بات کا تذکرہ پہلے کر کے آئے ہیں کہ اختلافِ قراآت پر دائر ہونے والے کل اصول وقواعد شاطبیہ اور

درہ کے بیان کے مطابق سینتیس (٣٧) اصول ہیں۔ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اظہار، ادغام، اخفاء، اقلاب، صلہ، مدّ، قصر، توسط، اشباع، تحقیق، تسہیل، ابدال، اسقاط، نقل، تخفیف، حذف، فتح، تقلیل، امالہ، ترقیق، تفخیم، تغلیظ، اختلاس، اخفاء، تتمیم، ارسال، تشدید، تثقیل، وقف، سکتہ، قطع، اسکان، روم، اشمام، یا آتِ اضافت اور یا آتِ زوائد۔

ان اصول میں سے اکثر اصول میں پائے جانے والے اختلاف اس وجہ سے ہیں کہ یہ اختلاف لغت عربیہ میں پائے جاتے ہیں اور پڑھنے کے لحاظ سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔آنے والے صفحات میں ہم ان اصول میں سے بعض کی توجیہ کے کچھ نمونے ذکر کریں گے۔

ا......اظہار اور ادغام:

اظہار کی لغوی تعریف:

اظہار کے لغوی معنی ہیں الابانة و الایضاح یعنی کھولنا اور واضح کرنا۔

اظہار کی اصطلاحی تعریف:

الاظهار هو فصل الحرف الأول من الحرف الثانی من غیر سکت علیه۔

یعنی پہلے والے حرف پر سکتہ کئے بغیر اس کو دوسرے حرف سے جدا کرنا اور الگ کرنا۔

یا یوں کہا جائے گا:

هو عبارة عن النطق بالحرفین کل واحد منهما علی صورته موفی صفته مخلصا إلی کمال بنیته۔

یعنی اظہار نام ہے دو حرفوں کا اس طرح تلفظ کرنا کہ وہ اپنی صورت پر برقرار رہیں اور ان کی تمام صفات پوری ہوں اور واضح طور پر جدا جدا ہوں۔

ادغام کی لغوی تعریف:

لغت میں ادغام کے معنی ہیں الادخال والستر۔یعنی داخل کرنا اور چھپانا۔کہا جاتا ہے:"أدغمت اللجام فی فم الفرس" یعنی میں نے گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالا۔

ادغام کی اصطلاحی تعریف:

الادغام عبارة عن النطق بالحرفین حرفا واحدا کالثانی مشددا۔

یعنی دو حرفوں میں سے پہلے کو دوسرے حرف سے تبدیل کر کے ایک مشدد حرف کی طرح ادا کرنا ادغام کہلاتا ہے۔

اظہار اور ادغام یہ دو مستقل لغت ہیں جو اہل عرب سے منقول ہیں۔

اظہار:

یہ اصل ہے کیونکہ یہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے اور اس لئے بھی اصل ہے کہ یہ حروف میں اکثر پایا جاتا ہے، اور اس کے اصل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ہر حرف کو اس کے اعراب اور حرکت بنائیہ میں سے جس کا وہ مستحق ہے وہ پورا پورا حق دیا جاتا ہے۔ اظہار کے مقابلے میں ادغام کے اصل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ادغام سبب پر موقوف ہوتا ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ تخفیف کا ارادہ کیا جائے، اور اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ زبان کے لئے ایک حرف کو اس کے مخرج سے نکالنے کے بعد پھر اسی مخرج سے اس جیسے دوسرے حرف کا دوسری مرتبہ نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ (اس لئے ادغام کر کے دونوں متجانس یا متماثل یا متقارب حروف کو ایک مشدد حرف کر کے پڑھا جاتا ہے تا کہ تخفیف ہو جائے) نحویوں نے ادغام کی مثال بندھے ہوئے آدمی کے چلنے سے دی ہیں کیونکہ وہ ایک پیر کو اٹھاتا ہے اور پھر اس کو اسی جگہ یا اس کے قریبی جگہ پر رکھ دیتا ہے اور یہ کام اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ بعض نے اس کی تشبیہ ایک بات کو دو مرتبہ دہرانے سے دی ہیں اور یہ چیز سننے والے پر گراں ہوتی ہے۔

قرّاء کرام میں سے امام ابوعمرو ابن العلاء البصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ادغام بکثرت منقول ہیں۔ امام ابوعمرو رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ادغام وہ کلام عرب ہے جس کی ان کی زبانیں عادی ہیں اور اس کے علاوہ دوسری چیز کو پسند نہیں کرتے ہیں۔“

کلام عرب میں ادغام کی دلیل شاعر کا یہ قول ہے:

عشيةَ تمنى أن تكون حمامة بمكة يغشاها الشتا والمحرم

اس شعر میں عشية تمنى کی دو تاء کا آپس میں ادغام کئے بغیر وزن شعری درست نہیں ہوتا ہے اور نہ شعر ٹھیک بیٹھتا ہے۔

٢......مدّ و قصر:

مدّ کی لغوی تعریف:

مدّ کے لغوی معنی ہیں الزیادۃ یعنی زیادہ کرنا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ”يمددكم ربكم“ (ال عمران: ١٢٥) یعنی تمہارے پروردگار تمہیں زیادہ کردیں گے۔

مدّ کی اصطلاحی تعریف:

"المد عبارة عن إطالة صوت حرف المد أو اللين عند ملاقاة همزة أو سكون"

یعنی ہمزہ اور سکون کے ملنے کے وقت حرف مدّ یا حرف لین پر آواز کی مدت کو دراز اور لمبا کرنا مدّ کہلاتا ہے۔

قصر کی لغوی تعریف:

قصر کے لغوی معنی ہیں الحبس یعنی روکنا۔ قرآن مجید میں ہے: "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ" (الرحمن:۷۲) ترجمہ: ''حوریں ہیں رکی رہنے والیاں خیموں میں۔''

قصر کی اصطلاحی تعریف:

"القصر عبارة عن إثبات حرف المد أو اللين من غير زيادة عليه"

یعنی حرف مدّ یا حرف لین پر کوئی زیادتی کئے بغیر ان کو باقی رکھنا قصر کہلاتا ہے۔

قصر اصل ہے کیونکہ یہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے اور مدّ اس کی فرع ہے کیونکہ یہ سبب کا محتاج ہے۔

مدّ کرنے کی وجہ:

مدّ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ہمزہ کو خوب تحقیق کے ساتھ پڑھنے میں مدد ملتی ہے اور حرف مدّ خوب واضح اور ظاہر ہو کر ادا ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہلکا پھلکا ہونے اور اس کے بعد ہمزہ کی ادائیگی مشکل ہونے کی وجہ سے جلدی جلدی پڑھتے وقت اس کے ساقط ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور ہمزہ حروف شدیدہ میں سے بھی ہے اس لئے حرف مدّ میں زیادتی کی جاتی ہے تا کہ خوب واضح ہو اور تا کہ ہمزہ جو کہ قوی اور سخت حرف ہے اس کے مدّ کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مدّ اور زیادہ خفیف و ہلکا نہ ہو جائے۔

قصر کرنے کی وجہ:

قصر کرنے کی وجہ یہ ہے تا کہ حرف پر کسی قسم کی زیادتی کئے بغیر اس کو باقی رکھا جائے کیونکہ اس کے بعد آنے والا ہمزہ معرضِ زوال میں ہوتا ہے جیسا کہ حالتِ وقف میں مدِّ منفصل میں ہوتا ہے کہ مدّ پر وقف کرنے کی صورت میں اس کے بعد کوئی ہمزہ نہیں ہوتا کہ جس کی وجہ سے اس پر مدّ کیا جائے اس لئے حالتِ وصل میں بھی حکماً اس ہمزہ کو کالعدم سمجھتے ہوئے اس پر مدّ نہیں کیا جاتا۔

۳......فتح اور امالہ:

فتح کے معنی حرف کی ادائیگی کے وقت منہ کا کھولنا ہے۔ اس سے مراد حرکتِ فتحہ نہیں ہے کیونکہ الف کسی قسم کی

حرکت کو قبول نہیں کرتا، اور اس کو کبھی کبھی "التفخیم" یا "الفغر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امالہ کی لغوی تعریف:

امالہ کے لغوی معنی ہیں "التعریج" یعنی مائل کرنا، ٹیڑھا کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں: "أملت الرمح" یعنی میں نے نیزے کو ٹیڑھا کیا۔

امالہ کی اصطلاحی تعریف:

فتحہ کو کسرہ کی طرف اور الف کو یاء کی طرف مائل کرنا اور جھکانا امالہ کہلاتا ہے۔

امالہ کی دو قسمیں ہیں:

(الف)......امالہ کبریٰ:

اس کو "الاضجاع" یا "البطح" یا "الامالة المحضة" کہا جاتا ہے اور جب بغیر کسی قید کے مطلق امالہ بولا جائے تو اس سے یہی امالہ کبریٰ مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ والضحیٰ کے رؤوس آیات میں "وما قلیٰ" "الأولیٰ" "فترضیٰ" وغیرہ میں امام حمزہ اور امام کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کا امالہ کرنا مروی ہے، اور سورۃ ھود آیت ۴۱ میں کلمہ "مجرھا" کی راء کے بعد والے الف میں امالہ سیدنا حفص رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی قبیل سے ہے۔

(ب)......امالہ صغریٰ:

اسے "تقلیل" یا "بین بین" یا "بین اللفظین" بھی کہتے ہیں۔ بین اللفظین کا مطلب یہ ہے کہ حرف کو فتح اور امالہ کی درمیانی کیفیت کے ساتھ ادا کرنا۔ جیسا کہ یہ صورت سیدنا ورش رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت، امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت اور سیدنا دوری کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں بکثرت پائی جاتی ہے۔

فتح اور امالہ کی توجیہ:

یہ دو مستقل فصیح لغات ہیں ان کے مطابق قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ فتح اہلِ حجاز کی لغت ہے اور امالہ اپنی دونوں اقسام کے ساتھ عام اہل نجد یعنی تمیم، قیس اور اسد کی لغت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا فتح اصل ہے اور امالہ اس کی فرع ہے؟ یا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ امالہ اصل ہے اور فتح اس کی فرع ہے؟ یا دونوں اصل ہیں اور کوئی کسی کی فرع نہیں؟ اس سوال کے جواب کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱)...فتح اصل ہے۔ (۲)...امالہ اصل ہے۔ (۳)...دونوں اصل ہیں فرع کوئی نہیں۔

امالہ کے بہت سے اسباب ہیں جن کو اپنے مقام پر قراءت کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

امالہ کا فائدہ:

امالہ کا فائدہ یہ ہے کہ حرف کے تلفظ کرنے میں سہولت و آسانی ہوتی ہے کیونکہ فتح کے تلفظ کے وقت زبان اوپر اٹھ جاتی ہے اور امالہ کے وقت پست ہو جاتی ہے اور اٹھنے کے مقابلے میں پست ہونا زیادہ خفیف اور ہلکا ہے۔

(ب)......الاحتجاج للفرش: (فرشی اختلافات کے لئے توجیہہ بیان کرنا)

یعنی وہ کلمات قرآنیہ جو قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں منتشر پائے جاتے ہیں جن میں مختلف قراء کرام کی نسبت سے مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں خواہ ان کی قراآت متواترہ ہوں یا شاذہ، ان وجوہ کی علت و توجیہہ بیان کرنا۔

یہ بہت طویل باب ہے۔ جب مطلقا بغیر کسی قید کے الاحتجاج یعنی توجیہہ قراءت بولا جائے تو اس سے مراد اور مقصود توجیہہ کی یہی قسم ہوتی ہے۔ قراء کرام اور نحویین کی کوششوں، محنتوں اور توجہات کا محور توجیہہ القراآت کی یہی قسم رہی ہے۔ ذیل میں ہم چند ان کلمات میں توجیہہ کی اس نوع کی کچھ مثالیں ذکر کریں گے جو کلمات فقط قراءت متواترہ سے ثابت ہیں:

۱......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" (الفاتحہ:۴)

"ملك" کا کلمہ دو طرح سے پڑھا گیا ہے:

میم کے بعد الف کے اثبات کے ساتھ یعنی "مَالِكِ" اور یہ امام عاصم، امام کسائی، امام یعقوب اور امام خلف العاشر رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔ اور حذف الف کے ساتھ "مَلِكِ" دوسری قراءت ہے۔ یہ قراء عشرہ میں سے باقی حضرات کی قراءت ہے۔ یعنی امام نافع مدنی، امام ابن کثیر مکی، امام ابوعمرو بصری، امام ابن عامر شامی، امام حمزہ کوفی اور امام ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

پہلی قراءت کی توجیہہ:

"مالك" الف کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ملك يملك مِلكا مصدر میم کے کسرہ کے ساتھ باب ضرب سے آتا ہے، یعنی "مالك مجيء يوم الدين" انصاف کے دن کے آنے کا مالک ہے۔ اور مالک وہ ہوتا ہے جو اعیان مملوکہ میں جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے۔ اور "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ" (آل عمران:۲۶) میں رسما "ملك" کے میم کے بعد الف محذوف ہونے کے باوجود پڑھنے میں الف کے ثابت رکھنے پر قراء کرام کا اجماع ہے۔ اور لفظ "مالك" میں لفظ "ملك" کے مقابلے میں زیادہ عموم اور زیادہ تعریف و توصیف کا پہلو پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں: "ھو مالك الجن والانس والطیر والدواب" اور لفظ ''ملك'' ان تمام اصناف و اقسام کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ہے یعنی یہ نہیں کہتے ہیں: "ھو ملك الجن و الانس و الطیر و الدواب"۔ اور اسی طرح قاعدہ ہے کہ حروف کا زیادہ ہونا معنی کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ ''مالك'' میں حروف ''ملك'' کے مقابلے میں زیادہ ہیں اس لئے ''مالك'' کے معنی میں بھی ''ملك'' کے مقابلے میں زیادتی پائی جائے گی۔

دوسری قراءت کی توجیہہ:

لفظ ''ملك'' فقہ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ یعنی "قاضی یوم الدین" قیامت کے دن فیصلہ کرنے والا۔ ''ملك'' کا مطلب یہ ہے کہ اوامر اور نواہی کے ذریعے مامورین میں تصرف کرنے والا۔ یہ "المُلك" سے ماخوذ ہے جو کہ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی اس کا مصدر بضم میم ہے۔ اور ''ملك'' لفظ ''مالك'' کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ ہر ''ملك'' (بادشاہ) ''مالك'' (مالک و متصرف) ہے اور اس کا برعکس نہیں ہے یعنی ہر ''مالك''، ''ملك'' نہیں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ قراء کرام نے بعض مقامات میں کلمہ ''ملك'' میں میم کے بعد الف کے حذف کرنے پر اتفاق و اجماع کیا ہے۔ مثلاً: "اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ" (الحشر:۲۳) "اَلْمَلِكُ الْحَقُّ" (المؤمنون:۱۱۶)، "مَلِكِ النَّاسِ" (الناس:۲)

۲......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ" (البقرۃ:۹)

کلمہ "یَخْدَعُوْنَ" جو کہ دوسرا والا ہے اور اس سے پہلے ''مَا'' ہے اس میں دو قراآت ہیں:

(۱)... "یَخْدَعُوْنَ" ۔ یاء کے فتحہ، خاء کے سکون اور دال کے فتحہ کے ساتھ۔ یہ امام ابو جعفر، امام یعقوب، امام ابن عامر، اور کوفیین رحمھم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

(۲)... "یُخٰدِعُوْنَ" ۔ یاء کے ضمہ، خاء کے فتحہ اور اس کے بعد الف اور دال کے کسرہ کے ساتھ۔ یہ امام نافع مدنی، امام ابن کثیر مکی اور امام ابو عمرو بصری رحمھم اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

پہلی قراءت کی توجیہہ:

"یَخْدَعُوْنَ" خدع سے مضارع ہے، اس صورت پر کہ مفاعلہ جانب واحد سے ہے یعنی منافقین کی جانب سے ہے اور یہاں ''خَدَعَ'' معنی میں ''خَادَعَ'' کے ہے یعنی منافقین دھوکہ کر دیتے ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں خدع اور خادع دونوں کا ایک ہی معنی ہے اور ''الخداع'' کا معنی دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا۔ اس کی تائید رسم عثمانی تحقیقا کرتا ہے۔

دوسری قراءت کی توجیہ:

"یُخَادِعُوْنَ" یہ باب مفاعلہ سے ہے۔ آیت میں اس سے پہلے پایا جانے والا کلمہ "یخادعون" کی مناسبت سے اس کو بھی اسی کی طرح باب مفاعلہ سے پڑھا گیا ہے۔ مفاعلہ یا تو اپنے ہی باب سے ہے کہ کام جانبین سے ہو چنانچہ یہاں مخادعہ یعنی دھوکہ جانبین سے ہے اس طور پر کہ وہ اپنے نفوس کو دھوکہ دے رہے ہیں باطل چیزوں کی امید دلانے کے ذریعے اور ان کے نفوس بھی اسی طرح باطل چیزوں کی امید دلا کر ان کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ خداع یعنی دھوکہ جانب واحد سے ہو۔ جیسا کہ پہلی قراءت کی توجیہ میں یہ بات گذری ہے اور اس صورت میں مفاعلہ اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہوگا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قاضی کہتا ہے: "عاقبت اللص" حالانکہ یہاں پر سزا جانبین سے نہیں بلکہ جانب واحد سے ہوتی ہے یعنی قاضی چور کو سزا دیتا ہے۔

۳......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ" (النساء:۱)

کلمہ "اَلْاَرْحَامَ" میں دو قراآت ہیں:

"والارحامِ" میم کے جر کے ساتھ۔ یہ امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے۔

"والارحامَ" میم کے نصب کے ساتھ۔ یہ باقی قراء عشرہ کی قراءت ہے۔

پہلی قراءت کی توجیہ:

"والارحامِ" جر کے ساتھ "بِہٖ" کی ضمیر مجرور پر عطف ہے۔ یہ یا تو کوفیین کے مذہب کی بناء پر ہے کہ ان کے ہاں ضمیر مجرور متصل پر بغیر اعادہ حرف جر کے عطف کرنا جائز ہے۔ یا اس وجہ سے ہے کہ یہاں حرف جر کا اعادہ تو ہے یعنی حرف جر لائے ہیں لیکن اس کے معروف ہونے کی بناء پر اس کو حذف کیا گیا ہے، اور قسم ہونے کی بناء پر اس کو جر دیا گیا تاکہ رشتہ داریوں کی عظمت ظاہر ہو جائے، اور لوگوں کو صلہ رحمی پر ابھارا جائے۔

دوسری قراءت کی توجیہ:

"والارحامَ" نصب کے ساتھ "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" کے لفظ اللہ پر عطف ہے۔ یا "بِہٖ" کے ضمیر مجرور متصل کے محل پر عطف ہے نہ کہ لفظ پر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: "مررتُ بہ و زیدًا" ۔ یا یہ عطف الخاص علی العام کی قبیل سے ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو اور ڈرو، اور قطع رحمی کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی منجملہ مخالفت میں داخل ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے ذریعے اس بات پر تنبیہ فرما دی اور اس کو اپنے نام کے ساتھ ملایا تاکہ سب کو پتا چلے کہ صلہ رحمی کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے۔

چھٹی فصل

قرّاء کرام کے حالات زندگی کے بیان میں

☆☆......پہلی بحث: قراآت متواترہ کے قرّ اءکرام کے حالات زندگی.

☆☆......دوسری بحث: قراآت شاذہ کے قرّ اءکرام کے حالات زندگی.

☆☆......تیسری بحث: بعض قرّ اء کبار کے حالات زندگی.

پہلی بحث

قراآت متواترہ کے قرّاء کرام کے حالات زندگی

پہلی فصل میں جو بحث ہو چکی ہے اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ قراء کرام جن کو امام ابو بکر ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا اور پسند کیا ہے وہ سات قراء کرام ہیں۔ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......امام نافع مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۰ھ تا ۱۶۹ھ)

۲......امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴۵ھ تا ۱۲۰ھ)

۳......امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶۸ھ تا ۱۵۴ھ)

۴......امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸ھ تا ۱۱۸ھ)

۵......امام عاصم کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۷ھ)

۶......امام حمزہ زیات کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸۰ھ تا ۱۵۶ھ)

۷......امام علی کسائی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۱۹ھ تا ۱۸۹ھ)

مصنفین نے ان قراء کرام کو اسی ترتیب سے کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ ترتیب ان مشہور اسلامی شہروں کی اہمیت کے اعتبار سے ہے جن شہروں سے یہ قراآت اطراف عالم میں پھیلیں اور لوگوں نے ان شہروں سے یہ قراآت حاصل کیں۔امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''چنانچہ ائمہ امصار میں سے سب سے پہلی شخصیت جن کے تذکرہ سے میں ابتداء کرتا ہوں وہ ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں قراآت پڑھنے پڑھانے کے لئے کمر کس لی، اور میں اہل مدینہ کے تذکرہ سے ابتداء اس لئے کرتا ہوں کیونکہ مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کی ہجرت کرنے کی جگہ ہے اور بڑے بڑے صحابہ کرام کی قیام گاہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی آخری عمر کے اعمال اور سب سے مؤخر احکام اسلام کو یاد اور محفوظ کیا گیا۔''

پھر امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کا دور آیا۔انہوں نے قراآت کی پوری تحقیق اور چھان بین کی اور ان کو منقح کیا اور بہت ہی واضح کر دیا اور مزید تین قراء کرام کی قراآت کے تواتر کو ثابت کیا۔وہ تین قراء کرام یہ ہیں:

۱......امام ابو جعفر یزید بن قعقاع مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۳۰ھ)

۲......امام یعقوب حضرمی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۱۷ھ تا ۲۰۵ھ)

۴......امام خلف بن ہشام بزار کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۵۰ھ تا ۲۲۹ھ)

یہ کل دس قراء کرام قراآت عشرہ متواترہ کے روایت کرنے والے ہیں، اور ہم امام ابو بکر ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ مسبع السبع اور امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ المحقق کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے قدم پر قدم رکھ کر چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان قراء کرام کے حالات زندگی اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کریں گے۔ پھر ان کے بعد ان قراء کرام کے حالات زندگی کا تذکرہ لے کر آئیں گے جو قراآت شاذہ کے امام کے طور پر مشہور ہوئے ہیں۔ ان قراآت شاذہ کے ائمہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱......امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۱ھ تا ۱۱۰ھ)

۲......امام ابن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۳ھ)

۳......امام سلیمان اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ (۶۰ھ تا ۱۴۸ھ)

۴......امام یحیی یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲۸ھ تا ۲۰۲ھ)

پھر ان کے بعد ان بعض بڑے بڑے مشاہیر علماء قراآت کے حالات زندگی کا تذکرہ کریں گے جنہوں نے علم قراآت کی تحقیق و تنقیح کرنے میں بہت ہی بابرکت کوشش و محنت اور سعی بلیغ کی ہیں۔ ان حضرات نے اس علم کا مستویٰ اور معیار اس حد تک اونچا کر دیا جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کی انتھک جدوجہد کے نتیجے میں علم قراآت ایک ایسا نمایاں علم بن گیا جو اپنے ٹھیک ٹھاک اور درست طریق کار، مضبوط اسلوب اور قیمتی تالیفات کی وجہ سے دوسرے علوم میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ ان مشاہیر اسلام میں سے ہم نے مندرجہ ذیل حضرات کا انتخاب کیا ہے:

۱......امام ابو بکر ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۴۵ھ تا ۳۲۴ھ)

۲......امام مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ تعالیٰ (۳۵۵ھ تا ۴۳۷ھ)

۳......امام ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (۳۷۱ھ تا ۴۴۴ھ)

۴......امام ابن فیرہ الشاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (۵۳۸ھ تا ۵۹۰ھ)

۵......امام محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۵۱ھ تا ۸۳۳ھ)

۶......امام القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸۵۱ھ تا ۹۲۳ھ)

۷......امام البنا الدمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۱۷ھ)

اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ ان حضرات کے حالات زندگی کا تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(۱)

پہلے قاری امام نافع مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۰ھ تا ۱۶۹ھ)

نام، نسب اور شہرت:

ان کا نام ونسب یہ ہے: نافع بن عبد الرحمٰن بن ابی نعیم مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کی کنیت ابو عبد الرحمٰن، ابو رویم، ابو نعیم، ابوالحسن اور ابو عبد اللہ ہے۔ یہ جعونہ بن شعوب اللیثی الشجعی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے آباء واجداد ایران کے شہر اصبہان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بہت گہری سیاہ رنگت کے تھے۔ آپ خوبصورت کھلے ہوئے چہرے والے اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ آپ کی طبیعت میں مزاح کا عنصر پایا جاتا تھا۔

صحابہ کرام کے بعد تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

تاریخ ولادت اور وفات:

میرے سامنے جو دستیاب کتب مراجع ہیں ان کے مطالعہ سے میں ان کی تاریخ ولادت سے واقف نہیں ہو سکا۔ البتہ ڈاکٹر محمد سالم محیسن نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی تاریخ ولادت ۷۰ھ ذکر کی ہے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ۱۶۹ھ میں انتقال فرمایا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ۱۷۰ھ میں انتقال کر گئے اور اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی بعض حضرات نے ذکر کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ کرام:

آپ نے ستر (۷۰) تابعین سے قرآت حاصل کیں ان میں سے چند مشہور ہستیوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱...... امام عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ اسکندریہ میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

۲...... امام ابو جعفر یزید بن قعقاع المخزومی المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ ۱۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۳...... امام شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ تعالیٰ مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ آپ مدینہ منورہ کے قاری اور قاضی تھے۔ آپ نے ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

۴...... امام مسلم بن جندب الہذلی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ مشہور تابعی ہیں، آپ نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی اور ایک قول کے مطابق آپ کا انتقال ۱۳۰ھ میں ہوا۔

۵...... امام یزید بن رومان ابو روح المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ قاری، فقیہہ اور محدث تھے ۱۲۰ھ میں اس دار

فانی سے کوچ فرمایا اور بعض کے نزدیک آپ کا انتقال ۱۳۰ھ میں ہوا۔

یہ وہ حضرات ہیں جن کا تذکرہ خود امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں ائمہ قراآت میں سے ان حضرات کو پایا اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے ان حضرات سے قراآت پڑھیں پھر میں نے غور کیا تو جس قراءت پر ان میں سے دو حضرات کا اتفاق ہو گیا اسے میں نے لے لیا اور جس قرأت میں کوئی ایک منفرد تھا تو اس کو میں نے چھوڑ دیا یہاں تک کہ میں نے یہ قراءت ترتیب دی ہے۔''

ان پانچ حضرات نے مندرجہ ذیل تین صحابہ کرام سے قراآت حاصل کیں:

۱......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۵۹ھ)

۲......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۶۸ھ)

۳......حضرت عبداللہ بن عیاش المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۷۸ھ)

اور ان حضرات نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھا اور آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً سے اکتساب فیض کیا۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بہت زیادہ لوگوں نے استفادہ کیا، کیونکہ آپ ایک طویل عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ تقریباً ستر (۷۰) سال سے زیادہ تدریس کا مبارک کام سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں جنہوں نے آپ سے سماعاً (قراآت سن کر) اور عرضاً (آپ کے سامنے پڑھ کر) روایت کی ہیں:

۱......امام اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد میں ۱۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا انتقال ۱۷۷ھ میں ہوا۔

۲......امام اسحاق بن محمد بن عبداللہ المسیبی المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے ۲۰۶ھ میں انتقال فرمایا۔

۳......امام سلیمان بن مسلم بن جماز الزہری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۷۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

۴...... امام مالک بن انس الاصبحی المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ امام دار الہجرۃ۔ آپ فقیہہ اور محدث ہیں۔ آپ نے ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔

۵......امام ابو عمرو ابن العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ۔ قرّاء سبعہ میں سے تیسرے قاری ہیں، آپ نے ۱۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔

۶......امام اللیث بن سعد الفہمی المصری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے چار سال پہلے ۱۷۵ھ

میں انتقال فرمایا۔

۷......امام عیسیٰ بن مینا قالون رحمہ اللہ تعالیٰ۔آپ کی تاریخ وفات ۲۲۰ھ بیان کی جاتی ہے۔

۸......امام ابوسعید عثمان المصری ورش رحمہ اللہ تعالیٰ۔آپ کی تاریخ وفات ۱۹۷ھ ذکر کی جاتی ہے۔

آپ کے مناقب واوصاف:

آپ اہلِ مدینہ کے امام وپیشوا تھے۔لوگ آپ کی قرأت کے ہو کے رہ گئے اور آپ کی اختیار کردہ قراءت کو تھامے رہے۔آپ قراآت کی وجوہ کے عالم تھے۔ائمہ متقدمین کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے،تارک الدنیا تھے،مسجدِ نبوی میں ساٹھ سال نماز پڑھی۔امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اہل مدینہ کی قراءت سنت ہے۔''

آپ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ کی مراد امام نافع کی قراءت ہے؟''

فرمایا: ''ہاں!''

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ: میں نے اپنے والد سے پوچھا: آپ کو کونسی قراءت زیادہ پسند ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: اہل مدینہ کی قراءت۔میں نے کہا: اگر وہ نہ ہو تو پھر؟ فرمایا: امام عاصمؒ کی قراءت۔

امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ جب بولتے تھے تو ان کی منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔چنانچہ آپ سے پوچھا گیا: آپ جب بھی لوگوں کو پڑھانے کے لئے تشریف فرما ہوتے ہیں تو کیا آپ خوشبو لگاتے ہیں؟ فرمایا: میں نے کبھی خوشبو نہیں لگائی ہے اور نہ میں خوشبو کے قریب جاتا ہوں،لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیما کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے منہ سے منہ لگا کر تلاوت فرما رہے ہیں اسی وقت سے میرے منہ سے یہ خوشبو آرہی ہے۔

سیدنا قالون رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اخلاق والے تھے اور لوگوں میں سب سے اچھی قراءت والے تھے۔آپ اپنے شاگردوں کے لئے قراءت کو آسان بناتے تھے، ہاں! اگر کوئی آپ سے یہ کہتا کہ میں آپ کی قراءت پڑھنا چاہتا ہوں تو پھر آپ اس کو اپنی اختیار کردہ قراءت پڑھاتے تھے۔

جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ کے بیٹوں نے آپ سے کہا: ہمیں وصیت فرمائیں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! آپس میں صلح صفائی سے رہو! اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو! اگر تم ایمان والے ہو۔

امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت آپ کے دو راوی سیدنا ورش اور سیدنا قالون رحمہما اللہ تعالیٰ کے ذریعے مشہور ہوئی۔ سیدنا ورش اور سیدنا قالون رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں آپ کے براہ راست شاگردوں میں سے تھے۔

۱......سیدنا قالون رحمہ اللہ تعالیٰ: (۱۲۰ھ تا ۲۲۰ھ)

آپ ابوموسیٰ عیسیٰ بن مینا بن وردان الزرقی ہیں۔ بنو زہرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ قالون کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مدینہ منورہ کے قاری اور نحوی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ربیب یعنی نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیوی کے پہلے شوہر سے بیٹے تھے اور امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو قالون کا لقب دیا تھا اور یہ لقب ان کی قراءت کے عمدہ ہونے کی وجہ سے مقرر کیا تھا، کیونکہ قالون رومی زبان میں عمدہ چیز کو کہتے ہیں۔ سیدنا قالونؒ فرماتے ہیں:

''جب میں امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید سناتا تھا تو (جب میرے پڑھنے کی مقررہ مقدار یعنی تیس (۳۰) آیات مکمل ہو جاتیں تو) آپ میرے لئے انگلیوں سے تیس کا عقد بناتے (تیس کا عقد یہ ہے کہ ابہام کو سیدھا کھڑا کر کے سبابہ کو خم دے کر دونوں کے سرے اس طرح ملاؤ کہ سبابہ سے قوس کی اور ابہام سے چلہ کی صورت بن جائے) اور مجھے مخاطب کر کے ''قالون'' کہہ دیتے۔''

یعنی رومی زبان میں اس کا مطلب یہ ہے کہ: اچھا! اچھا!

قالون رحمہ اللہ تعالیٰ کے آباء واجداد کا تعلق روم سے تھا۔ چنانچہ آپ کے دادا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں روم سے گرفتار کر کے غلام بنا کر لائے گئے تھے۔

قالون رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ: آپ نے امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سے کتنی بار قرآن مجید پڑھا ہے؟

فرمایا: کثرت کی وجہ سے میں نے ان کو شمار نہیں کیا۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے فراغت کے بعد مزید بیس (۲۰) سال تک آپ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

آپ نے امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی اپنی قراءت اور ان کے استاذ امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرأت عرضاً (خود پڑھ کر) حاصل کی اور اسی طرح آپ نے امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک راوی عیسیٰ بن وردان رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قرآن مجید کا دور کیا ہے۔

امام قالون رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے دو بیٹے ابراہیم اور احمد، ابراہیم بن الحسین الکسائی رحمہم اللہ تعالیٰ جو کہ سفینہ کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے قراءت کو روایت کیا ہے۔

آپ قراآت پڑھانے میں امام تھے اور صف اول کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کانوں سے اس قدر بہرے تھے کہ شور اور بگل و سینگ کی آواز بھی نہیں سن سکتے تھے لیکن جب آپ کو قرآن مجید سنایا جاتا تو آپ پڑھنے والے کے لبوں کی صرف حرکت دیکھ کر ہی غلطی کا اندازہ فرما لیتے تھے اور اس کی غلطی اور لحن پر تنبیہ فرماتے تھے۔

سیدنا قالون رحمہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش ۱۲۰ھ میں ہوئی اور آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق صحیح قول یہ ہے کہ آپ نے ۲۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۲......سیدنا ورش رحمہ اللہ تعالیٰ: (۱۱۰ھ تا ۱۹۷ھ)

ان کا نام عثمان بن سعید بن عدی بن غزوان القبطی المصری ہے اور ولاء قرشی ہیں، آل زبیر بن العوام کے موالی (آزاد کردہ غلام) ہیں۔ ورش کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی رنگت گہری سرخ وسفید تھی۔ آپ پستہ قد، لحیم شحیم مائل بہ فربہ جسم کے مالک تھے۔ آپ کو ''ورش'' کا لقب دیا گیا۔ اس لقب کے مشہور ہونے کے بارے میں کئی اقوال ہیں: بعض نے کہا ہے کہ چونکہ آپ پستہ قد تھے اس لئے چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنتے تھے اور جب آپ چلتے تھے تو آپ کے پاؤں کے اوپر کا کچھ حصہ کھل جاتا، نیز آپ کی رنگت بھی مختلف یعنی سرخی مائل بھوری تھا، اس لئے امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ "هات يا ورشان" کہہ کر ان کو بلاتے تھے، یعنی اے روشان (قمری) ادھر آؤ!۔ اور کبھی فرماتے: "اقرأ یا ورشان" یعنی اے ورشان (قمری) پڑھو!۔ اور کبھی فرماتے: "أين ورشان؟" یعنی ورشان (قمری) کہاں ہے؟ چنانچہ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''ورشان'' (قمری) پرندے سے تشبیہ دی۔ پھر ''ورشان'' میں تخفیف کر کے ''ورش'' کہا جانے لگا۔

دوسرے بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آپ کا یہ لقب آپ کے بہت زیادہ گورا (سفید) ہونے کی وجہ سے پڑ گیا، کیونکہ ''ورش'' دودھ سے بنائی ہوئی چیز (پنیر) کو کہتے ہیں۔ آپ کا یہ لقب اس قدر مشہور ہو گیا کہ آپ کی پہچان صرف اس لقب ہی سے ہونے لگا، اور اسی لقب ہی سے پکارنا آپ کو اچھا لگتا تھا اور آپ اس لقب پر فخر اور ناز کرتے تھے، کیونکہ آپ کے استاذ نے آپ کو یہ لقب دیا تھا۔

آپ قراء محققین کے استاذ تھے۔ ترتیل اور ادا کے امام تھے، نہایت خوش الحان تھے اور مصر میں اس وقت اقراء کی سرداری آپ پر منتہی ہوتی تھی۔

آپ کی ولادت مصر میں ہوئی۔ پھر آپ نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور آپ نے ۱۵۵ھ میں امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سے کئی دفعہ قرآن مجید مکمل پڑھا۔ آپ کے ہم سبق اپنے اسباق کے اوقات آپ کو ہبہ کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ اپنے شیخ کو روزانہ ایک سبع (قرآن مجید کا ساتواں حصہ) سناتے تھے۔ آپ کی ایک اپنی اختیار کردہ قراءت بھی ہے

جس میں آپ نے امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے۔ جب آپ ہمزات کی تحقیق اور شد و مد سے اوراعراب کو خوب نمایاں کرکے (نہایت اطمینان وصفائی سے) پڑھتے تو سننے والا تنگ دل نہ ہوتا تھا۔

آپ سے جن حضرات نے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں ان میں سے چند مشہور شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

ابو ربیع سلیمان بن داؤد المہر ی رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن اخی الرشدینی کے نام سے مشہور ہیں، عامر بن سعید ابو الاشعث الجرشی رحمہ اللہ تعالیٰ محمد بن عبداللہ بن یزید المکی رحمہ اللہ تعالیٰ، یونس بن عبد الاعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ، ابو یعقوب الازرق رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگوں نے قراآت اخذ کیں۔

آپ ۱۱۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔

(۲)

دوسرے قاری امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴۵ھ تا ۱۲۰ھ)

نام،نسب اور شہرت:

آپ ابو معبد عبداللہ بن کثیر بن عمرو بن عبداللہ الداری المکی رحمہ اللہ تعالیٰ مولی عمرو بن علقمہ کنانی فارسی الاصل ہیں ۔تابعین کے دوسرے طبقہ سے ان کا تعلق ہے ۔

آپ کو داری کہنے کی کیا وجہ ہے؟اس بارے میں کئی اقوال ہیں:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ عطر وغیرہ خوشبویات کی تجارت کرتے تھے اسی وجہ سے الداری کہلاتے تھے ۔اہل عرب عطار کو ''داری'' کہتے ہیں ۔اور''داری''منسوب ہے''دارین'' کی طرف ،جو کہ بحرین میں ایک جگہ کا نام ہے، ہندوستان سے عطر خوشبویات یہاں بغرض تجارت لائی جاتی تھیں ۔علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کی تصحیح کی ہے ۔

بعض کا کہنا ہے کہ آپ بنوالدار سے تعلق رکھتے تھے اور الدار قبیلہ لخم کا ذیلی قبیلہ ہے، اسی قبیلے سے جلیل القدر صحابی تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلق رکھتے تھے ۔

دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ''الداری'' کا مطلب یہ ہے کہ الداری وہ شخص ہے جو اپنے گھر ہی میں پڑا رہتا ہو اور طلب معاش نہ کرتا ہو ۔

آپ سفید ڈاڑھی ، لمبے قد ، فربہ جسم ، گندمی رنگت والے تھے ۔آنکھ میں سیاہی مائل سرخی تھی ۔مہندی کا خضاب لگاتے تھے ۔

ولادت اور وفات:

آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ۴۵ھ میں ہوئی اور مکہ مکرمہ ہی میں ۱۲۰ھ میں ہشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں وفات پائی ۔

آپ کے اساتذہ کرام:

آپ نے صحابہ کرام میں سے درج ذیل تین حضرات کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن الزبیر،حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔اور ان سے احادیث روایت بھی کی ہیں ۔

آپ کے مشہور اساتذہ کرام میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱......امام عبداللہ بن السائب مخزومی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۸ھ)

۲......امام مجاہد بن جبر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۰۴ھ)

۳......امام درباس رحمہ اللہ تعالیٰ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے خلق کثیر نے قراآت حاصل کیں۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱......آپ کا بیٹا صدقہ بن عبداللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲......ابوعمرو بن العلاء بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۴ھ) (قراء سبعہ میں سے تیسرے قاری ہیں)۔

۳......حماد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۷ھ)۔

۴......خلیل بن احمد فراہیدی (وفات: ۱۷۰ھ) (مشہور نحوی اور علم عروض کے موجد)۔

۵......حماد بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۷۹ھ)۔

۶......سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۹۸ھ) (مشہور اور جلیل القدر محدث)۔

آپ کے مناقب واوصاف:

آپ نہایت فصیح و بلیغ اور قادر الکلام تھے۔ آپ باوقار اور سکینت والے تھے۔ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

’’میں نے امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکمل قرآن پڑھنے کے بعد ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قرآن مجید پڑھا اور ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ عربیت میں ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اعلم (زیادہ جاننے والے) تھے۔‘‘

امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی وفات تک مکہ مکرمہ میں قراآت کے بالاجماع امام رہے۔‘‘

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

’’ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں بلانزاع گسے قراآت میں لوگوں کے امام تھے۔‘‘

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا بزی اور سیدنا قنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی اور یہ دونوں حضرات آپ کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے نہیں تھے۔ (بلکہ کئی واسطوں سے آپ کے شاگرد ہیں)

۱.....سیدنا بزی رحمہ اللہ تعالیٰ: (۱۷۰ھ تا ۲۵۰ھ)

آپ احمد بن محمد بن عبداللہ بن قاسم بن نافع بن ابی بزہ فارسی الاصل اہل ہمذان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے جدّ اعلیٰ ابو بزہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ بزی کہلاتے ہیں۔ حضرت ابو بزہ کا نام بشار تھا یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سائب بن ابی السائب مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

آپ مکہ مکرمہ کے قاری اور مسجد حرام کے مؤذن تھے۔ آپ قراٗت میں امام، محقق، ضابط اور متقن تھے۔ مکہ مکرمہ میں آپ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۲۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ نے قراآت اپنے والد، عبداللہ بن زیاد، عکرمہ بن سلیمان اور وہب بن واضح رحمہم اللہ تعالیٰ سے حاصل کیں اور آپ سے بہت سے لوگوں نے اکتساب فیض کیا ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

اسحاق بن محمد خزاعی، حسن بن الحباب، ابو ربیعہ محمد بن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور قراءت کو آپ سے قنبل نے روایت کیا، اور بہت سے لوگوں نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

امام بزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورہ والضحیٰ کے آخر سے آخر قرآن تک تکبیر والی حدیث کو مرفوعا روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مکہ میں آپ ہی کی طرف اقراء کی صدارت منتہی ہوتی تھی۔''

۲.....سیدنا قنبل رحمہ اللہ تعالیٰ: (۱۹۵ھ تا ۲۹۱ھ)

آپ محمد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن محمد بن سعید مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ابو عمر مخزومی ان کے مولیٰ ہیں۔ آپ کا لقب ''قنبل'' ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ قنبل آپ کا نام ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ کے ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو''قنابلہ'' کہلاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ایک بیماری کی وجہ سے ''قُنْبِیل'' نامی دوا استعمال کرتے تھے۔ ''قنبیل'' دوا فروشوں کے ہاں ایک معروف دوا کا نام ہے۔ جب آپ اس دوا کو کثرت سے استعمال کرنے لگے تو یہی دوا آپ کی پہچان بن گئی۔ ''قنبیل'' میں یا کو تخفیفاً حذف کیا گیا ہے۔

حجاز میں اقراء کی مشیخت آپ ہی کی طرف منتہی ہوتی تھی۔ آپ کے پاس پورے عالم کے اطراف واکناف سے لوگ (تحصیل علم کے لئے) آتے تھے۔ آپ مکہ مکرمہ میں پولیس کے افسرِ اعلیٰ اور کوتوال تھے، وجہ اس کی یہ تھی کہ اس زمانے میں اس منصب جلیلہ پر صرف اور صرف اس شخص کو فائز کیا جاتا تھا جو اہل فضل وکمال اور اہل خیر وصلاح میں سے ہوتا تھا تا کہ اس کے سامنے جو قضایا اور احکام وحدود پیش کئے جائیں تو وہ قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے بارے میں صحیح اور درست فیصلہ کر سکے۔ یہ آپ کے وسط عمر کے زمانے کا قصہ ہے، چنانچہ آپ کی سیرت وکردار کو

بہت سراہا گیا۔

آپ نے احمد بن محمد بن عون النبال رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراءت حاصل کی۔ یہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے امام قنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو مکہ مکرمہ میں قراآت کی ترویج واشاعت اوراس کی خدمت کے لئے اپنا جانشین بنایا، اور قنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرأت بزی رحمہ اللہ تعالیٰ سے (بھی) روایت کی ہے۔

آپ سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے قرأت روایت کی ہے، ان میں سے چندایک کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ابوربیعہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ یہ آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔ ابن مجاہد، ابن شنبوذ، جعفر بن محمد سرندیبی، عبداللہ بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ عبداللہ بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہم عمر تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی۔ آپ بہت سن رسیدہ بوڑھے ہوگئے تھے۔ اپنے انتقال سے سات سال پہلے پڑھنا پڑھانا ترک کردیا تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اپنی وفات سے بیس سال پہلے پڑھانا ترک کردیا تھا۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں ۹۶ سال کی عمر میں ۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔

(۳)

تیسرے قاری امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶۸ھ تا ۱۵۴ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابوعمرو زبان بن العلاء بن عمار بن عریان مازنی، تمیمی، بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کی نسبت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ بنی العنبر سے تعلق رکھتے ہیں یا بنو حنیفہ سے تعلق رکھتے ہیں یا آپ فارسی الاصل ہیں اور ''کازرون'' شہر سے ان کا تعلق ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ آپ تمیمی ہیں۔

جس طرح آپ کی نسبت کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح آپ کے نام کے بارے میں بھی اختلاف ہے اور اس بارے میں بیس (۲۰) سے زیادہ اقوال ہیں۔ ان میں بعض نام دوسرے بعض سے مصحف ہیں یعنی حروف میں اشتباہ کی وجہ سے غلط پڑھے اور لکھے جاتے ہیں۔ اکثر حفاظ کا کہنا ہے کہ آپ کا صحیح نام زبان زاء اور باء کے ساتھ ہے۔ جن لوگوں نے آپ کا نام ربّان یا ریّان بتایا ہے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ (یعنی زبان کو اشتباہ حروف کی وجہ سے بعض نے ربّان سمجھا اور بعض نے ریّان سمجھا جو کہ حقیقت کے خلاف ہے)

آپ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات:

آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے اس حوالے سے کئی اقوال ہیں اور ان سب میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں ۱۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ کے اساتذہ کرام:

آپ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ اور بصرہ میں بہت سے شیوخ کرام سے استفادہ فرمایا۔ تمام قراء کرام میں سب سے زیادہ اساتذہ کرام ابوعمرو ابن العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے تھے۔ ان اساتذہ کرام اور شیوخ عظام میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱...... امام ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۸ھ) آپ قراء عشرہ میں سے آٹھویں قاری ہیں۔

۲...... امام شیبہ بن نصاح مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۳۰ھ)

۳...... امام نافع بن ابی نعیم مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۹ھ) قراء سبعہ میں سے پہلے قاری ہیں۔

۴...... امام عبداللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۰ھ) قراء سبعہ میں سے دوسرے قاری ہیں۔

۵...... امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۰ھ) قراآت شاذہ کے ائمہ کرام میں سے ہیں۔

۶......امام عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۷ھ) قراء سبعہ میں سے پانچویں قاری ہیں۔

۷......امام محمد بن عبد الرحمٰن بن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۳ھ) قراآت شاذہ کے ائمہ کرام میں سے ہیں۔

آپ کے شاگرد:

بے شمار لوگوں نے آپ سے قراآت سیکھیں۔ان میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱......سلام بن سلیمان الطّویل رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۷۱ھ)۔

۲......شجاع بن ابی نصر البلخی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۹۰ھ)۔

۳......عبداللہ بن المبارک بن واضح رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۱ھ)۔

۴......ابوزید سعید بن اوس انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۱۵ھ)۔

۵......یونس بن حبیب بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۵ھ)۔

۶......ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۱۰ھ)۔

۷......عبدالملک بن قریب اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۱۶ھ)

۸......ہارون بن موسیٰ الاعور رحمہ اللہ تعالیٰ آپ نے ۲۰۰ھ سے پہلے کسی وقت انتقال فرمایا۔

۹......یحیی بن المبارک یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۲ھ) قراآت شاذہ کے ائمہ کرام میں سے ہیں۔

۱۰......سیبویہ عمرو بن عثمان بن قنبر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۰ھ)

آپ کے مناقب واوصاف:

آپ قرآن وعربیت کے زبردست عالم اور صدق وثقاہت اور زہد کے پیکر تھے۔

امام اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''ابوعمروؒ نے مجھ سے کہا: اگر یہ ممکن ہوتا کہ میرے سینے میں جو کچھ ہے اس کو میں تمہارے سینے میں انڈیل دوں تو میں ضرور ایسا کرتا۔ مجھے قرآن کے علوم سے متعلق اس قدر چیزیں محفوظ اور یاد ہیں کہ اگر ان کو اوراق میں لکھ دوں تو اعمشؒ ان کو اٹھا نہیں سکیں گے اور اگر یہ پابندی نہ ہوتی کہ جس طرح میں نے پڑھا ہے اسی طرح پڑھوں تو میں فلاں فلاں حرف کو اس طرح اور فلاں فلاں حرف کو اس طرح پڑھتا......''

ابوعبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''امام ابوعمرو رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے ذخائر پورے گھر کے بھراؤ کی مقدار تھے۔ پھر جب آپ زہد و عبادت

میں مشغول ہوئے تو ان سب کو جلا دیا، اور اپنے آپ کو خالص عبادت الٰہی کے لئے فارغ اور مخصوص کرلیا، اور پورے قرآن کو تین دن میں ختم کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا۔''

اخنس رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ:

''ایک مرتبہ آپ کے شیخ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے پاس سے گذر ہوا۔ اس وقت آپ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا اور طلبہ آپ کے گرد اژدحام کیے ہوتے تھے، پس آپ نے تعجب سے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ علماء تو ارباب سلطنت بننے کے قریب ہوگئے ہیں۔ واقعی جس عزت کی بنیاد کو علم کے ذریعے مضبوط اور پختہ نہ کیا گیا ہو اس کا انجام ذلت وحقارت اور بے عزتی ہے۔''

علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ شعبہ نے وہب بن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ ابوعمرو کی قراءت کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ عنقریب بہت سے لوگوں کا اعتماد اور سہارا اسی پر ہو جائے گا۔''

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''شعبہ کی یہ بات ہو بہو صحیح نکلی کیونکہ آجکل شامی، حجازی، یمنی اور مصری حضرات زیادہ تر ابوعمرو ہی کی قراءت پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ان ملکوں کے شیوخ قراآت ابوعمرو رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت کے حروف واختلافات کے موافق پڑھاتے اور سکھاتے ہیں، خاص طور پر فرشی اختلافات میں آپ ہی کی اتباع کرتے ہیں۔''

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ اہل شام کا ابن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ترک کرکے ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت اختیار کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ''میں اس چیز کو شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامت شمار کرتا ہوں۔''

جب ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوگیا تو یونس بن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ تعزیت وتسلی کے لئے ان کی اولاد کے پاس پہنچے اور فرمانے لگے: ''میں تمہیں تسلی دیتا ہوں اور صبر کی تلقین کرتا ہوں اور ہماری جانیں اس ہستی پر فدا ہوں جس کی نظیر ہم اپنی زندگی کے آخری سانس تک نہیں پاسکیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر ابوعمرو کا علم اور زہد وتقویٰ سو انسانوں پر تقسیم کردیا جائے تو وہ سب کے سب زاہد اور عالم بن جائیں گے، اور اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً آپ کو دیکھتے تو آپ کے کمالات وحالات سے بے حد مسرور اور خوش ہوتے۔''

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا دوری اور سیدنا سوسی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے نہیں تھے بلکہ بالواسطہ آپ کے شاگرد تھے۔

۱......سیدنا دوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۶ھ)

آپ ابوعمر حفص بن عمر بن عبد العزیز بن صہبان ازدی دوری نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ نابینا تھے، نزیل سامرہ یعنی سامرہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ الدور بغداد کے علاقہ میں اس کی مشرقی جانب میں ایک بستی کا نام ہے۔ آپ امام القراآت اور اپنے زمانے کے لوگوں کے شیخ، ثقہ، متقن اور ضابط تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے قراآت کو کتابی شکل میں جمع اور مدون کیا اور آپ نے پوری قراآت سبعہ اور قراآت شاذہ کے اختلافات کو شیوخ سے پڑھا۔ آپ نے اسماعیل بن جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراءت نافع پڑھی۔ نیز ان سے اور ان کے بھائی یعقوب بن جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایتِ ابن جماز عن ابی جعفر پڑھی۔ سلیم رحمہ اللہ تعالیٰ اور محمد بن سعدان رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراءتِ حمزہ پڑھی، علی کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراءتِ کسائی اور روایتِ شعبہ عن عاصم پڑھی اور ان کے علاوہ یحییٰ بن المبارک یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شجاع بن ابی نصر بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔

آپ سے ایک جمِ غفیر نے قراآت پڑھی۔ ان میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں: علی بن سلیم الدوری، علی بن الحسین فارسی، عمر بن احمد الکاغذی، قاسم بن زکریا المطرز اور ان کے اپنے بیٹے محمد بن حفص الدوری رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ وغیرہ۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ آپ ابوعمر دوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت لکھ رہے ہیں۔''

احمد بن فرح رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور مفسر کہتے ہیں: ''میں نے دوری سے دریافت کیا کہ آپ کا قرآن کے (خلق اور عدم خلق) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جواب میں فرمایا: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مخلوق و حادث نہیں بلکہ قدیم و ازلی ہے۔''

علامہ زرکلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''آپ کی ایک کتاب کا نام ''مااتفقت الفاظه ومعانیه من القرآن'' ہے اور اس کے علاوہ ''قرأات النبی صلی اللّٰه علیه وسلم'' اور ''اجزاء القرآن'' بھی آپ کی کتابیں ہیں۔''

آپ نے شوال ۲۴۶ھ کو ''الرق'' کے ایک گاؤں ''مرنبویہ'' میں انتقال فرمایا۔

۲......سیدنا سوسی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۷۳ھ تا ۲۶۱ھ)

آپ ابوشعیب صالح بن زیاد بن عبد اللہ بن اسماعیل سوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ سوسی ''سوس'' کی طرف منسوب ہے جو اہواز کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ آپ ضابط (مضبوط حافظہ والے)، محقق اور ثقہ (قابل بھروسہ اور معتمد علیہ) تھے۔

آپ نے قراآت کو عرضاً (خود پڑھ کر) اور سماعاً (شیخ سے سن کر) ابو محمد یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا ہے اور آپ ابو محمد یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے، اور آپ نے حفص عن عاصم سے بھی پڑھا ہے۔ (بعض حضرات نے کہا ہے کہ حفص عن عاصم سے ابوشعیب سوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بلکہ ابوشعیب قواس رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ابوشعیب صالح بن محمد قواس اور ابوشعیب صالح بن زیاد سوسی دو الگ الگ بزرگ ہیں)

آپ سے لوگوں کی ایک جماعت نے قراآت پڑھی۔ ان میں سے چند ایک ہستیوں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

آپ کے اپنے بیٹے ابو المعصوم محمد، موسیٰ بن جریر نحوی، اسماعیل بن یعقوب، احمد بن شعیب النسائی الحافظ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ وغیرہ۔

آپ ۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور رقہ میں ۲۶۱ھ کے اوائل میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ستر (۷۰) کے قریب تھی۔

(۴)

چوتھے قاری امام ابن عامر دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸ھ تا ۱۱۸ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ بن عامر یحصبی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں آپ کی کنیت میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابوعمران ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ابونعیم ہے۔ آپ عربی الاصل ہیں۔ آپ نسب کے لحاظ سے حمیر سے جا ملتے ہیں اور حمیر قحطان سے جا ملتا ہے۔ آپ طویل القامت، لمبی ڈاڑھی اور دبلے گال والے شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی ایک ٹانگ میں کچھ لنگڑاپن تھا۔

آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات:

آپ دمشق کی فتح سے پہلے ۸ھ میں علاقہ ''بلقاء'' کے قریہ ''رحاب'' میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کے وصال کے وقت آپ کی عمر دو سال تھی اور آپ نے دمشق میں ۱۱۸ھ کو عاشورہ کے دن انتقال فرمایا۔

آپ کے اساتذہ کرام:

آپ کے بعض اساتذہ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......حضرت ابوالدرداء عویمر بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۳۲ھ)۔

۲......حضرت مغیرہ بن ابن شہاب مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۹۱ھ) یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں۔

۳......حضرت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۵۸ھ)۔

ان کے علاوہ حضرات صحابہ کرام کی ایک اور جماعت سے بھی آپ کا سماع ثابت ہے۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیر حضرات شامل ہیں۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بہت سارے لوگوں نے قراآت حاصل کیں ان میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱......یحییٰ بن الحارث ذماری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۴۵ھ)۔

۲......آپ کے سگے بھائی عبدالرحمٰن بن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۳......محمد بن الولید الزبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۴......عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۵......عبداللہ بن العلاء بن زبر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۶......اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کے اوصاف و مناقب:

آپ اپنے زمانے میں قراءت میں اہلِ شام کے امام تھے اور اقراء (تعلیم قراءت) کی مشیخت و استاذی آپ ہی کی طرف منتہی ہوتی تھی۔ تمام اہلِ شام بھی ہمیشہ نماز اور غیر نماز میں امام ابن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی قراءت کے موافق تلاوت کرتے رہے، نیز اسی کے مطابق تعلیم و تلقین کرتے رہے اور تقریباً پانچویں صدی ہجری تک یہی حال رہا۔ (اس کے بعد وہاں امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت کا چرچا ہوگیا) علامہ اہوازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ امام، عالم، معلومات میں ثقہ، حفظ کی ہوئی اشیاء کے پورے ضابط و محافظ، علوم کے واقف کار، صاحب فہم و عقل، کلام کی رُو سے راست باز، اپنی نقل کی ہوئی چیزوں میں سراپا سچائی، نیز صاحب فضل و کمال مسلمانوں اور عمدہ صفات حضرات تابعین اور بزرگ مرتبہ راویوں میں سے تھے۔ دینداری میں تہمت سے اور یقین و امانت میں شک و شبہہ سے اور روایات میں طعن و انکار سے پاک صاف تھے۔ آپ کی نقل صحیح، آپ کا قول فصیح، اور آپ کی قدر و شان بلند تھی۔ اپنے سب معاملات میں درستی کو پہنچنے والے، علم و کمال میں مشہور و معروف اور فہم و دانش کی رُو سے مخلوق کا مرجع تھے۔ نیز اپنے اختیار کردہ اختلافات و مذاہب میں اثر و نقل سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کوئی بات بھی خبر اور حدیث کے خلاف نہیں فرمائی۔ ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد دمشق میں عہدہ قضاء آپ ہی کے سپرد کیا گیا تھا، اور جامع مسجد دمشق کے امام تھے اور آپ ہی وہ شخصیت ہیں جو جامع مسجد دمشق کی عمارت کے مکمل ہونے تک اس کے محافظ و نگران بھی رہے۔''

یحییٰ بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ جامع اموی کے بااختیار متولی و منتظم بھی تھے۔ اگر مسجد میں کوئی بدعت کا کام ہوتا دیکھتے تو اس کو سختی سے منع فرماتے تھے۔''

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے۔

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا ہشام اور سیدنا ابن ذکوان رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ

کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے نہیں تھے بلکہ کئی واسطوں سے آپ کے شاگرد تھے۔

۱......سیدنا ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۵۳ھ تا ۲۴۵ھ)

آپ ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ السلمی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالولید ہے۔ اپنے زمانہ میں اہلِ شام کے امام و خطیب عالم و مقرئ، محدث اور مفتی تھے۔ آپ ثقہ، عادل، ضابط، فصیح، عالم اور روایت و درایت کے جاننے والے تھے۔

۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے علم قراآت عرضاً (خود پڑھ کر) ایوب بن تمیم، عراک بن خالد اور سوید بن عبد العزیز رحمہم اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا۔ اس کے علاوہ مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، دراوردی، مسلم بن خالد زنجی اور دوسرے بہت سے محدثین سے حدیث روایت کی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

آپ سے قراآت نقل کرنے والے حضرات میں سے چند ایک کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً آپ کی وفات سے چالیس سال پہلے آپ سے قراءت روایت کی۔ احمد بن یزید حلوانی، محمد بن محمد الیامی، ابو زرعہ دمشقی، ہارون بن موسیٰ اخفش رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ سے قراءت روایت کی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی قراءت کے دو شیوخ ولید بن مسلم اور محمد بن شعیب رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ سے حدیث نقل کی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں اور ایک واسطہ سے ترمذی نے اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے محدثین نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

آپ بہت بڑے فصیح، علامہ اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحرِ ذخار تھے۔ علامہ اہوازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے ہشام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بیس سال سے کوئی خطبہ بھی ایسا نہیں دیا جس کی تیاری پہلے سے کی ہو۔''

علامہ اصبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

آپ کو بڑی عمر اور فصیح عقل ورائے عطا ہوئی تھی، اس لئے آپ سے قراآت اور حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے بہت سے لوگ سفر کر کے آپ کے پاس آتے تھے۔''

آپ نے ۲۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ کی تاریخ وفات ۲۴۴ھ ہے۔

۲......سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۷۳ھ تا ۲۴۲ھ)

آپ عبد اللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ بہرانی، قرشی، فہری، دمشقی ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعمرو ہے،

لیکن آپ کی شہرت ابن ذکوان کی کنیت سے ہوئی۔ آپ عاشورہ کے دن ۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے دمشق میں پیر کی صبح ۷ شوال ۲۴۲ھ کو انتقال فرمایا۔

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ شام میں بالاتفاق قرأت کے امام، مشہور استاذ، ثقہ راوی، شیخ القرّاء اور دمشق کی ''جامع اموی'' کے امام تھے۔ ایوب ابن تمیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ نے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت کو اخذ کیا اور ان کے بعد دمشق میں آپ ہی کی قراآت میں آپ کے جانشین بنے، اور آپ نے امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت پڑھا جب وہ شام تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے اسحاق بن مسیبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو کہ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں ان سے صرف اختلافات سماعاً (شیخ سے سن کر) روایت کئے ہیں۔ آپ کی قرأت کو آپ سے نقل کرنے والوں میں آپ کے بیٹے احمد، ابو زرعہ دمشقی، عبد اللہ بن عیسیٰ اصفہانی، محمد بن اسماعیل ترمذی اور ہارون بن موسیٰ اخفش شامل ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔''

ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

''آپ نے دو کتابیں تالیف کی ہیں: ''اقسام القران وجوابها'' اور ''ما یجب علی قارئ القران عند حرکۃ لسانہ۔''

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک عراق، حجاز، شام، مصر اور خراسان یعنی مشرق وسطیٰ میں ابن ذکوان کے زمانہ میں ان سے زیادہ ماہر قراآت اور اچھا پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔''

(۵)

پانچویں قاری امام عاصم کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۷ھ)

نام،نسب اور شہرت:

آپ عاصم بن بہدلہ ابوالنجود رحمہ اللہ تعالیٰ کوفی حناط ہیں۔آپ بنو اسد کے آزاد کردہ غلام ہیں۔آپ کی کنیت ابو بکر ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالنجود آپ کے والد کا نام ہے اور بہدلہ آپ کی والدہ کا نام ہے۔کہا جاتا ہے کہ ابوالنجود کا نام عبداللہ ہے۔

آپ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات:

میرے پاس جو دستیاب کتبِ تراجم ہیں ان میں کہیں آپ کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔باقی رہی آپ کی تاریخ وفات،سو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔بعض نے ۱۲۷ھ کہا ہے اور بعض نے ۱۲۸ھ اور بعض نے ۱۲۹ھ ذکر کی ہے۔اور بھی اقوال ہیں، البتہ پہلا قول صحیح ہے کہ آپ کی تاریخ وفات ۱۲۷ھ ہے۔جس طرح آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے اسی طرح آپ کے مقام وفات میں بھی اختلاف ہے۔بعض نے کہا ہے کہ آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی اور بعض نے کہا کہ شام جاتے ہوئے راستے میں ۱۲۷ھ کے آواخر میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے شیوخ کرام:

آپ نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا۔ان میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۴ھ)۔

۲......ابومریم زِر بن حبیش اسدی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۸۲ھ)۔

۳......ابوعمرو سعد بن الیاس شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۹۶ھ یا اس کے آس پاس کسی سن میں ان کا انتقال ہوا ہے)۔

آپ نے ابو رمثہ رفاعہ بن یثربی تمیمی اور حارث بن حسان البکری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث کی روایت بھی کی ہے۔یہ دونوں حضرات صحابہ کرام میں سے ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے بھی پڑھا ہے۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بے شمار لوگوں نے قرآن مجید حاصل کیا۔ان میں سے بعض مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱......ابان بن تغلب رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات ۱۴۱ھ)۔

۲......حماد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۷ھ)۔

۳......سلیمان بن مہران الأعمش رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۴۷ھ)۔

۴......ابوبکر شعبہ بن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۹۳ھ)۔

۵......ابوعمر حفص بن سلیمان بن مغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۰ھ)۔

ان کے علاوہ ابوعمرو ابن العلاء بصری، حمزہ بن حبیب زیات کوفی، ہارون بن موسیٰ الاعور وغیرہ نے بھی آپ سے اختلافات روایت کئے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آپ کے اوصاف وفضائل:

آپ کوفہ میں شیخ الاقراء تھے اور ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد وہاں بالاتفاق ان کی جگہ رئیس القرّاء مقرر ہوئے۔ بڑے فصیح، متقن، فاضل ومحقق اور تجوید دان تھے اور لوگوں میں سب سے زیادہ خوش آواز تھے۔

ابواسحاق السبیعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے امام عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ماہر قرآن اور اچھا پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

آپ نہایت فصیح آدمی تھے، جب آپ کلام فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ ابھی عجب وخود پسندی اور تکبر وغرور میں مبتلاء ہوجائیں گے۔ (لیکن قطعاً اس میں مبتلاء نہیں ہوتے)

ابن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: مجھے عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ: ''میں دو سال تک بیمار رہا لیکن صحت یاب ہونے کے بعد جب قرآن مجید پڑھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک حرف اور ایک اختلاف کی بھی غلطی نہ کی۔''

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ) سے عاصم بن بہدلہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: آپ نیک، صالح، ثقہ قابل اعتماد اور بہترین آدمی ہیں۔ پھر میں نے آپ سے پوچھا: آپ کو کونسی قراءت زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: اہل مدینہ کی قرأت۔ پھر اس کے بعد امام عاصم کی قراءت۔''

ابوبکر ابن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''اعمش، عاصم اور ابوحسین رحمہم اللہ تعالیٰ یہ تینوں کے تینوں (آخر عمر میں) نگاہ کی کمزوری کے سبب آنکھوں سے دیکھ نہ سکتے تھے، چنانچہ ایک شخص امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کو پکڑے ہوئے لے جارہا تھا کہ آپ ایک جگہ بہت زور سے ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑے۔ پس آپ نے اس واقعہ کو ذرا بھی ناگوار نہ سمجھا اور نہ ہی اس شخص سے کچھ کہا۔''

ابو بکر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کہ میں امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے وقت آپ کے مکان پر حاضر ہوا تو میں نے سنا کہ آپ نہایت تحقیق وترتیل اور شد ومد سے آیت ''ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ'' (پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جاویں گے [الانعام:۶۲]) بار بار پڑھتے تھے۔ گویا کہ نماز میں پڑھ رہے ہیں۔ اس سے میں نے بلا شبہ جان لیا کہ قرآن کی تلاوت آپ کی عادت اور فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔''

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا شعبہ اور سیدنا حفص رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی اور یہ دونوں آپ کے بلاواسطہ شاگرد تھے۔

ا......سیدنا شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ: (۹۴ھ تا ۱۹۳ھ)

آپ ابو بکر شعبہ بن عیاش بن سالم رحمہ اللہ تعالیٰ حنّاط، کوفی، اسدی، کاہلی، نہشلی ہیں۔ آپ کے نام کے بارے میں تیرہ اقوال ہیں، مگر صحیح اور مشہور تر قول کی رُو سے آپ کا نام شعبہ ہی ہے۔ آپ آزاد کردہ غلام تھے۔

۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الاولیٰ ۱۹۳ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا اور اسی مہینے ہی میں ہارون الرشید (مشہور عباسی خلیفہ) کا بھی مقام طوس میں انتقال ہوا۔ آپ نے تقریباً ننانوے سال کی عمر پائی۔ وفات سے چند سال پہلے قراآت کی تعلیم وتدریس ترک فرمادی تھی۔ امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی اور تین مرتبہ ان سے قرآن مجید پڑھا، اور آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) ابو یوسف الاعشیٰ، یحییٰ بن محمد العلیمی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات نے قراآت اخذ کیں۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے حروف واختلاف کا سماع کیا، ان میں سے علی الکسائی، یحییٰ بن آدم، خلاد صیرفی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ ابن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود مقتداء ہونے کے آپ سے احادیث روایت کیں۔ ان کے علاوہ ابو داؤد طیالسی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

آپ بہت بڑے پیشوا اور عالم باعمل تھے۔ ثقہ اور حدیث کے ائمہ میں سے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ قرآن مخلوق اور حادث ہے وہ ہمارے نزدیک کافر اور زندیق (بے دین) اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، نہ تو ہم اس سے ہم نشینی کریں گے اور نہ ہی کلام کریں گے۔''

یحییٰ بن معین اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ابو بکر بن عیاش کے لئے پچاس سال تک بستر نہیں بچھایا گیا۔''

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ اپنے وقت کے سردار، بڑے امام، دین میں حجت، اونچے درجے کے عالم باعمل اور منقطع القرین (یکسو اور ساتھیوں کی جھرمٹ سے دور رہنے والے) تھے۔''

ابو ہاشم رفاعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے ابو بکر شعبہ بن عیاش کو یہ کہتے ہوئے سنا، فرما رہے تھے کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں: معذور، مخبور (آزمایا ہوا)، مجبور، مثبور (دھتکارا ہوا)۔ چنانچہ معذور تو بہائم چوپائے ہیں اور مخبور ابن آدم یعنی انسان ہیں، مجبور ملائکہ فرشتے ہیں اور مثبور جنات ہیں۔''

علامہ بن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی ہمشیرہ رونے لگیں۔ فرمایا: روتی کیوں ہو؟ مکان کے اس گوشہ کی طرف دیکھو! میں نے اس گوشہ میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔''

ابو بکر شعبہ بن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید اس طرح سیکھا ہے جس طرح ایک بچہ معلم سے سیکھتا ہے، اور فرمایا: میں نے امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلی مرتبہ پانچ پانچ آیات کرکے قرآن مجید سیکھا۔ اور فرمایا: علم حاصل کرنا تو آسان ہے مگر اس کے حقوق سے سبکدوش ہو کر اللہ کے پاس پہنچنا دشوار ہے۔'' (علم کے حقوق میں سے اہم حق اس پر پورا پورا عمل کرنا ہے اور یہ واقعتاً دشوار چیز ہے)

۲......سیدنا حفص رحمہ اللہ تعالیٰ: (۹۰ھ تا ۱۸۰ھ)

آپ ابو عمر حفص بن سلیمان بن مغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسدی، کوفی، بزاز، غاضری ہیں۔ حفیص کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔ آپ امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے آپ کی قراءت کے زیادہ عالم و ماہر تھے۔ آپ نے امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی قرأت کو عرضاً (خود پڑھ کر)، سماعاً (شیخ سے سن کر) اور تلقیناً (پہلے شیخ پڑھے اور پھر تلمیذ پڑھے) روایت کیا ہے۔ آپ امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ربیب (آپ کی بیوی کے پہلے شوہر کے بیٹے) تھے۔ متقدمین حفظ و ضبط اور یادداشت میں حفص رحمہ اللہ تعالیٰ کو ابو بکر شعبہ بن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ سے فائق و برتر شمار کرتے تھے۔ یہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے سب لوگوں میں علانیہ طور پر عاصم کی قراءت کی بکثرت تلاوت کی ہے، نیز آپ بغداد میں مقیم رہے اور وہاں لوگوں کو قراءت عاصم کی تعلیم دی، اسی طرح آپ کچھ عرصہ مکہ مکرمہ میں بھی مقیم رہے اور وہاں بھی اس قراءت کی تعلیم و تلقین کی۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قراءتِ امام عاصم کی صحیح روایت، روایتِ حفص بن سلیمان ہے۔''

حفص رحمہ اللہ تعالیٰ قراءت میں ثابت و پختہ اور اس قراءت کے ضابط و حافظ تھے، نیز آپ نے بہت عرصہ تک لوگوں کو قراآت پڑھائی ہیں۔''

امام حفص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ابو بکر شعبہ بن عیاش کی روایت میری روایت سے مختلف ہے (اس کی وجہ کیا ہے؟)۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں وہ روایت پڑھائی ہے جو مجھے ابو عبد الرحمٰن سلمی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کر کے پڑھائی ہے اور ابو بکر شعبہ کو میں نے وہ روایت پڑھائی ہے جو مجھے زِر بن حبیش نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کر کے پڑھائی ہے۔''

امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''حفص رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو بکر شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو روایتیں مشہور ہیں ان میں پانچ سو بیس (۵۲۰) اختلافات کا فرق اور خلاف ہے۔''

امام حفص رحمہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

''میں نے ایک موقع کے سوا کسی جگہ بھی قراءت عاصم کی مخالفت نہیں کی۔'' (وہ ایک جگہ یہ ہے: ''ضعف'' (روم: ۵۴) کے تینوں کلمات میں ضاد کا ضمہ)۔

علقمہ بن مرثد، ثابت بنانی، ابو اسحاق سبیعی، لیث بن ابی اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔

آپ کے بہت سے شاگردوں نے آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) اور سماعاً (شیخ سے سن کر) قراآت کو روایت کیا ہے۔ ان میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

حسین بن محمد مروزی، سلیمان بن داؤد زہرانی، عمرو بن صباح، عبید بن صباح رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

۹۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور صحیح قول کے مطابق ۱۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۶)

چھٹے قاری امام حمزہ زیات کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸۰ھ تا ۱۵۶ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابوعمارہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل زیات کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ولاءً تیمی ہیں، آپ یا آپ کے بزرگوں میں سے کوئی قبیلہ تیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ روغنِ زیتون کی تجارت کیا کرتے تھے، اس لئے ''زیات'' کہلاتے تھے۔ آپ عراق سے روغنِ زیتون خرید کر حلوان میں لے جا کر فروخت کرتے تھے اور وہاں سے پنیر اور اخروٹ خرید کر کوفہ میں لے جا کر فروخت کرتے تھے۔

آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات:

آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور عمر کے لحاظ سے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دور پایا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی کی زیارت بھی کی ہو۔ (اس تقدیر پر آپ تابعی ہونگے) اور ۱۵۶ھ میں بعمر چھہتر ۷۶ سال ابوجعفر المنصور کے دورِ خلافت میں حلوان میں باغ یوسف نامی ایک جگہ انتقال فرمایا۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے بہت سے قراءکرام سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت اخذ کیں۔ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......ابوحمزہ حمران بن اعین رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۹ھ)۔

۲......ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۳۲ھ)۔

۳......محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۴۸ھ)۔

۴......ابومحمد طلحہ بن مصرف الیامی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۲ھ)۔

۵......ابوعبداللہ جعفر الصادق رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۶......سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۴۸ھ)۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے مشہور ومعروف علماء کرام نے قراآت روایت کی ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱......ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲......سلیم بن عیسیٰ بن سلیم رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۸ھ)۔

۳......سفیان الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۱ھ)۔

۴......علی الکسائی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۸۹ھ)۔

۵......یحیی بن زیاد الفراء رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۱۷ھ)۔

۶......یحیی بن المبارک بن المغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۰۲ھ)۔

آپ کے کمالات واوصاف:

امام عاصم اور اعمش رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعد آپ سب سے بڑے امام القرآت تھے۔ آپ دین میں حجت، بہت بڑے ثقہ، پختہ عقل والے، کتاب اللہ کے سچے اور مخلص خادم و ماہر، میراث کے بہت بڑے فاضل، عربیت کے واقف کار، حدیث کے حافظ، حد درجہ عابد و زاہد، پارسا، متقی پرہیزگار، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے پندرہ سال کی عمر میں قرآت میں کمال درجہ مہارت حاصل کی، اور ۱۰۰ھ میں لوگوں کی امامت کرنے لگے۔

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور یحیی بن آدم رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ:

''امام حمزہ قرآن اور فرائض میں سب لوگوں سے فائق و برتر ہیں۔''

اور سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امام حمزہ نے کتاب اللہ میں ایک حرف بھی اثر اور نقل کے بغیر (اپنی رائے سے) نہیں پڑھا۔''

عبید اللہ بن موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امام حمزہ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب قرآن مجید پڑھا کر فارغ ہوتے اور لوگ چلے جاتے تو اٹھ کر چار رکعت پڑھتے، نیز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے درمیان بھی نماز پڑھتے تھے اور آپ کے شیخ امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو آتا ہوا دیکھ کر فرماتے کہ: یہ قرآن مجید کے عالم و ماہر ہیں۔''

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا خلف اور سیدنا خلاد رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ کے براہ راست شاگردوں میں سے نہیں تھے بلکہ آپ کے بالواسطہ شاگرد تھے۔

۱......سیدنا خلف البزار رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۵۰ھ تا ۲۲۹ھ)

آپ ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب بن خلف بزار رحمہ اللہ تعالیٰ اسدی، بغدادی، مقرئ اور صلحی ہیں۔ آپ ''فم

صلح ''کے رہنے والے تھے۔ ماہ رجب ۱۵۰ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ہفتہ کے دن سات جمادیٰ الاولیٰ ۲۲۹ھ کو بغداد میں انتقال فرمایا جبکہ آپ اس وقت خلیفہ واثق باللہ کے دورِ حکومت میں فرقہ جہمیہ کے فتنہ کے زمانے میں ان سے روپوش تھے۔

آپ علم قراآت کے امام و پیشوا، ممتاز شخصیت کے مالک اور محدثین کرام کے نزدیک قابل اعتماد ثقہ عالم تھے۔ آپ نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اپنی عمر کے تیرہویں سال علوم کی تحصیل اور حدیث کی سماعت شروع کی۔ آپ تارک الدنیا زاہد، بہت عبادت کرنے والے اور عبقری عالم تھے۔ امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہمیں خود انہی سے ان کے اپنے بارے میں یہ روایت پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں: مجھے عربیت میں ایک مشکل پیش آئی تو میں نے اس کے لئے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) درہم خرچ کیے یہاں تک کہ میں نے اس کو محفوظ کرلیا یا یہ فرمایا کہ میں نے اس کو حل کرلیا۔''راوی کو شک ہے۔

آپ نے امام حمزہ کی قراءت کو سلیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے عرضاً (خود پڑھ کر) حاصل کیا اور اسی طرح امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت عبدالرحمٰن بن ابی حماد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی حاصل کی۔ ان کے علاوہ آپ نے ابو زید انصاری عن المفضل الضبی سے بھی قراآت اخذ کیں اور امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض اختلافات اسحاق المسیبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیے اور ابو بکر شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت کو یحییٰ بن آدم اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا اور امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرأت کو ابو یوسف الاعشیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھا۔ اس کے علاوہ امام مالک، ابو عوانہ، حماد بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ محدثین سے احادیث کا سماع بھی کیا۔

آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر مشافہۃً) اور سماعاً (شیخ سے سن کر) مندرجہ ذیل حضرات نے قراءت روایت کی ہیں: احمد بن ابراہیم وراقہ اور ان کے بھائی اسحاق بن ابراہیم، احمد بن یزید حلوانی اور ادریس عن عبدالکریم الحداد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ائمہ کرام نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

آپ کی اپنی اختیار کردہ ایک قرأت بھی ہے اس میں آپ نے ایک سو بیس (۱۲۰) اختلافات قراءت حمزہ کے خلاف اختیار کئے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو قراءِ عشرہ میں سے شمار کیا گیا ہے۔

۲......سیدنا خلاد الصیرفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۲۰ھ)

آپ ابو عیسیٰ خلاد بن خالد الشیبانی ولاء (بنو شیبہ کے آزاد کردہ غلام) صیرفی، کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ اس خلاد بن عیسیٰ کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں جو امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بکثرت روایت کرنے والوں میں سے ہیں۔ اسی طرح آپ وہ خلاد بن خالد الاحول کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ

بھی نہیں ہیں جو امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مایہ ناز شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ (مؤخر الذکر دونوں خلاد امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں اور خلاد صیرفی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں)

خلاد صیرفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر بالمشافہہ) کوئی قرأت حاصل نہیں کی اور نہ ہی بلاواسطہ آپ سے کچھ اخذ کیا۔ امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ان سے اس لئے مشہور ہوئی کیونکہ آپ نے قرأت حمزہ عرضاً (خود پڑھ کر) سُلیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی اور سُلیم رحمہ اللہ تعالیٰ امام حمزہؒ کے مایہ ناز اور ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے حسین بن علی الجعفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ابوبکر شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرأت روایت کی ہے اور خود ابوبکر شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے امام عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرأت روایت کی ہے۔

خلاد صیرفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (بالمشافہہ خود پڑھ کر) مندرجہ ذیل حضرات نے قراآت حاصل کیں:

احمد بن یزید الحلوانی، ابراہیم بن علی القصار، سلیمان بن عبد الرحمٰن الطلحی، قاسم بن یزید الوزان یہ آپ کے ذہین ترین شاگردوں میں سے ہیں، محمد بن شاذان الجوہری، یہ آپ کے ضابط ترین تلامذہ میں سے ہیں، اور محمد بن عیسیٰ اصبہانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

آپ قراآت میں امام، ثقہ، عارف، محقق، استاذ القراء تھے۔ آپ نے ۲۲۰ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔

(۷)

ساتویں قاری امام علی الکسائی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۱۹ھ تا ۱۸۹ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز کوفی نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ بنو اسد کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ اصلاً اہل فارس کی اولاد میں سے ہیں۔ نیز سوادِ عراق یعنی کوفہ بصرہ کے مابین اور ان کے ارد گرد بستیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کسائی آپ کا لقب ہے۔

ان کو کسائی کہنے کی تین وجوہ ہیں:

۱......عبدالرحیم بن موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ سے پوچھا کہ آپ کو کسائی کہنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے حج کے لئے اپنے کمبل کا احرام باندھا تھا، اس لئے مجھے ''کسائی'' کہا جانے لگا۔''

۲......بعض حضرات نے کہا ہے کہ: ''آپ امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں کمبل اوڑھ کر بیٹھتے تھے پس امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: اس کمبل اوڑھنے والے کو میرے پاس لاؤ! چنانچہ اسی وجہ سے کسائی کا لقب آپ کو دیا گیا۔''

۳......دوسرے بعض کا کہنا ہے کہ: ''آپ قریہ 'باکسایا' کے رہنے والے تھے، جو کہ بغداد اور واسط کے درمیان سوادِ عراق کا ایک گاؤں ہے۔ امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور یہ آخری قول سب سے کمزور ہے۔''

آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''آپ ۱۲۰ھ کے آس پاس کے زمانے میں پیدا ہوئے اور ''رنبویہ'' نامی ایک بستی میں جو کہ علاقہ ''ری'' کا ایک گاؤں ہے وہاں ۱۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ ایک سفر میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ خراسان کی طرف جا رہے تھے، چونکہ آپ کے ساتھ اسی گاؤں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مایہ ناز قابلِ قدر شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی فوت ہوئے تھے اس لئے ان دونوں کو اسی گاؤں میں دفن کیا گیا۔ اس لئے ہارون الرشید نے کہا: ''الیوم دفنت الفقه والنحو برنبویه'' آج میں نے فقہ اور نحو دونوں چیزوں کو مقام رنبویہ میں دفن کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ کرام:

آپ نے بہت سے حضرات سے قراآت حاصل کیں۔ان میں سے بعض کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱......حمزہ بن حبیب زیات کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۱۵٦ھ)۔

۲......محمد بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۱۴۸ھ)۔

۳......عیسیٰ بن عمر الہمذانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ نے ابوبکر بن عیاش، اسماعیل بن جعفر اور یعقوب بن جعفر رحمہم اللہ تعالیٰ سے بعض اختلافات نقل کیے ہیں اور بصرہ کا سفر کر کے خلیل بن احمد فراہیدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لغت کا علم حاصل کیا۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے ایک خلقِ کثیر نے قراآت حاصل کیں ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱......ابوالحارث اللیث بن خالد بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۴۰ھ)۔

۲......حفص بن عمر الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۴٦ھ)۔

۳......ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۲۴ھ)۔

۴......قتیبہ بن مہران اصبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۰۲ھ)۔

۵......ابن ذکوان رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۴۲ھ)۔

٦......یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۳۰۲ھ)۔

۷......خلف بن ہشام بزار رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۲۹ھ)۔

۸......یحییٰ بن زیاد الفراء رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۲۰۷ھ)۔

آپ سے امام یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بعض اختلافات روایت کیے ہیں۔امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ قراء عشرہ میں سے نویں قاری ہیں۔

آپ کے اوصاف و کمالات:

کوفہ میں حمزہ زیات رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی بالاتفاق رئیس القراء تھے۔آپ بہت ہی سچے لب و لہجہ والے تھے اور قرآن، عربیت اور غرائب لغت (قلیل الاستعمال اور غیر مشہور الفاظ) کے علوم کے سمندر تھے۔کوفہ میں مدرسہ نحویہ کے بانی اور کوفی نحویوں کے لئے بنیادی ستون اور مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’جو شخص علم نحو میں تبحر اور مہارت حاصل کرنا چاہے وہ امام کسائی سے سیکھنے کا ضرور حاجت مند ہے۔‘‘

علامہ ابو بکر ابن الانباری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ میں بہت سے اوصاف اور کمالات جمع تھے آپ علم نحو کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، نیز لغت کے غریب (قلیل الاستعمال وغیر معروف) الفاظ میں اور قراآت میں یکتائے زمانہ تھے۔‘‘

ابو عبید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ اختیارِ قراآت کے اہل اور صاحب اختیار ائمہ میں سے تھے۔ چنانچہ آپ نے قراءتِ حمزہ میں سے بعض اختلافات کو تو لے لیا اور بعض کو ترک کر دیا۔ قراآت ہی آپ کا مایہ ناز علم اور فن تھا۔ آپ قراآت میں اس قدر ماہر تھے کہ پوری زندگی میں کسی ایسے شخص کے ساتھ آپ کی ہم نشینی نہیں ہوئی جو آپ سے زیادہ قراآت کا ضابط اور قائم (درست پڑھنے والا اور اس کی پابندی) کرنے والا ہو۔ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراءتِ حمزہ اور اس کے علاوہ دوسری قراآت سے ایک ایسی متوسط قراءت اختیار کر لی تھی جو پہلے اماموں کے آثار اور ان کی لغتوں سے باہر نہ تھی۔ آپ اپنے زمانے میں لوگوں کے امام القراآت تھے اور لوگ آپ سے اس طرح حاصل کرتے تھے کہ آپ پڑھتے جاتے تھے اور وہ آپ کے الفاظ واختلافات سن کر لکھتے جاتے تھے۔‘‘

آپ کے پاس اس قدر طلبہ پڑھنے کے لئے آتے تھے کہ ان پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا۔ پس موصوف ان سب کو اکٹھا کر کے ایک کرسی پر بیٹھ جاتے اور اس طرح شروع سے لے کر اخیر تک پورے قرآن مجید کی تلاوت کرتے وہ سب آپ سے سن کر تمام چیزیں ضبط کر لیتے، یہاں تک کہ وقف وابتداء کے مواقع بھی ضبط کرتے۔ آپ شعبان کے مہینے میں اپنی قراءت کے مطابق لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کر کے دو مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

آپ نے علمِ لغت، علمِ نحو اور علمِ قراآت کے موضوع پر بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ ان میں سے چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)..... معانی القرآن (۲)..... کتاب القراآت (۳)..... کتاب مقطوع القرآن وموصولہ

(۴)..... کتاب الحروف (۵)..... کتاب الہاءات (۶)..... المتشابہ فی القرآن۔

آپ ہارون الرشید اور اس کے بیٹے محمد الامین کے مؤدب واتالیق تھے۔ اور اسی وجہ سے آپ کو ایسا مال و دولت اور ایسی عزت وشہرت حاصل ہوئی جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ کو علم اور دنیا دونوں کی بادشاہت و سرداری حاصل تھی۔

آپ کی طبیعت میں مزاح کا عنصر پایا جاتا تھا۔ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا: ''لم لا تهمز الذئب؟'' قال: ''أخاف أن يأكلني۔'' یعنی آپ کلمہ ''الذئب'' میں ہمزہ کیوں نہیں پڑھتے ہیں اور ہمزہ کو یاء سے تبدیل کر کے کیوں پڑھتے ہیں؟ فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے اس (الذئب یعنی بھیڑیے) کو ہمزہ دے دوں تو وہ مجھے کھا نہ جائے۔''

آپ کی وفات پر ابو محمد یحیی بن مبارک یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی عمدہ اشعار میں مرثیہ کہا ہے۔ان میں سے بعض اشعار یہ ہیں:

تصرمت الدنيا فليس خلود　　　وما قد ترى من بهجة فيبيد

(دنیا یقیناً فانی ہے اس کے لئے بقا نہیں، اور یہ جو ہم سرور و شادمانی دیکھ رہے ہیں یہ عنقریب ناپید ہو جائے گی۔)

لكل امرئ كأس من الموت مترع　　　وما إن لنا إلا عليه ورود

(ہر آدمی کے لئے موت سے لبریز پیالہ ہے، ہم میں سے ہر شخص کو موت کے مرحلہ سے گزرنا ہے۔)

ألم تر شيبا شاملا ينذر البلى　　　وإن الشاب الغض ليس يعود

(کیا تم نے وہ محیط یعنی کامل بڑھاپا نہیں دیکھا جو کہنگی کو ہی معدوم کر دیتا ہے، اور یقیناً گزری ہوئی تر و تازہ شگفتہ جوانی لوٹ کر نہیں آئے گی۔)

سيأتيك ما أفنى القرون التي مضت　　　فكن مستعدا فالفناء عتيد

(جس چیز نے پہلے زمانوں کے لوگوں کو فنا کر دیا عنقریب وہ تجھ پر بھی آپڑے گا اور تمہیں فنا کر ڈالے گا۔پس تم تیار ہو جاؤ، کیونکہ فنا تمہاری تاک میں تیار کھڑی ہے۔)

آپ کے مشہور راوی:

امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت آپ کے دو راوی یعنی سیدنا ابو الحارث اور سیدنا دوری رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ کے بلا واسطہ شاگردوں میں سے ہیں۔

۱......سیدنا ابو الحارث رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۰ھ)

آپ لیث بن خالد بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔آپ قابل اعتماد، حاذق، ماہر اور ضابط و قوی الحافظہ تھے۔آپ نے امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں۔آپ امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور بزرگ ترین شاگردوں میں سے تھے۔

آپ نے حمزہ بن قاسم الاحول اور یحیی یزیدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے اختلافات قراآت روایت کیے ہیں۔اور اس

کے علاوہ سلمہ بن عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ فراء رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور محمد بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ جو چھوٹے کسائی کے نام سے معروف ہیں اور فضل بن شاذان رحمہ اللہ تعالیٰ اور یعقوب بن احمد ترکمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) اور سماعاً (شیخ سے سن کر) قراآت حاصل کی ہیں۔

۲۴۰ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔

۲......سیدنا الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۶ھ)

آپ ابوعمر حفص بن عمر ازدی دوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ وہی دوری ہیں جن کے حالات امام ابوعمرو بصریؒ کے راویوں کے تحت پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ قراء سبعہ میں سے امام ابوعمرو بصری اور امام علی کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کی قرأت روایت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قراء شواذ میں سے حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرأت بھی روایت کرتے ہیں۔

(۸)

آٹھویں قاری امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۳۰ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمہ اللہ تعالیٰ مخزومی ولاء مدنی قاری ہیں۔ بعض کے قول پر آپ کا اسم گرامی جندب بن فیروز ہے یا فیروز ہے۔

آپ کے شیوخ کرام:

آپ نے مندرجہ ذیل تین حضرات صحابہ کرام سے قرآن مجید عرضاً (خود پڑھ کر) حاصل کیا:

۱......حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۷۸ھ) یہ آپ کے مولیٰ ہیں یعنی انہوں نے ابوجعفر کو آزاد کیا تھا۔

۲......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۶۸ھ)۔

۳......حضرت ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات: ۵۷ھ)۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بہت سے طلبہ نے قراآت پڑھی ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱......نافع بن ابی نعیم مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۹ھ)۔ آپ قراء سبعہ میں سے پہلے قاری ہیں۔

۲......سلیمان بن مسلم جماز رحمہ اللہ تعالیٰ، آپ کا انتقال ۱۷۰ھ کے بعد ہوا۔

۳......عیسیٰ بن وردان رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۰ھ)۔

۴......ابوعمرو ابن العلاء بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۵۴ھ) آپ قراء سبعہ میں سے تیسرے قاری ہیں۔

آپ کے اوصاف و کمالات:

آپ قراء عشرہ میں سے ہیں۔ مشہور تابعی اور عالی قدر ہیں۔ آپ کو بچپن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے جایا گیا تو انہوں نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آپ کے لئے رحمت و برکت کی دعا بھی فرمائی۔ نیز آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اور واقعہ حرہ جو ۶۳ھ میں رونما ہوا تھا، اس سے پہلے آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں لوگوں کو قراآت کی تعلیم دی ہے۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

''آپ قراءت میں اہل مدینہ کے امام تھے، اس وجہ سے آپ کو''قاری'' کہا جانے لگا۔ آپ ثقہ قابل اعتماد تھے۔''

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ابوجعفر ایک نیک اور پارسا آدمی تھے۔ مدینہ منورہ میں لوگوں کو قراآت پڑھاتے تھے۔''

یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آپ کافی عرصہ تک صوم داؤدی رکھتے تھے، کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے۔ نیز آپ رات کے درمیانی حصہ میں چار سلاموں کے ساتھ آٹھ رکعات پڑھتے تھے، اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور طوال مفصل میں سے کوئی سورت پڑھتے اور نماز کے بعد اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے اور تمام شاگردوں کے لئے دعا فرماتے، نیز ان لوگوں کے لئے بھی دعا فرماتے جنھوں نے آپ سے پہلے آپ کی قراءت پڑھی ہو یا جو آپ کے بعد یہ قراءت پڑھیں گے۔

امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جب آپ کو انتقال کے بعد غسل دیا گیا تو لوگوں نے آپ کے سینہ اور دل کے درمیان قرآن مجید کے ورق کی مانند ایک چیز دیکھی۔ نافع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے حاضرین نے بلاشک وشبہ جان لیا کہ یہ قرآن کا نور ہے۔''

وفات:

آپ کی تاریخ وفات کے بارے علماء تاریخ کا اختلاف ہے، صحیح ترین قول کی رُو سے آپ نے ۱۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت آپ کے دو راوی سیدنا عیسیٰ بن وردان اور سیدنا سلیمان بن جماز رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی اور یہ دونوں امام ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

۱......سیدنا ابن وردان رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۰ھ کے آس پاس)

آپ عیسیٰ بن وردان الحذاء (کفن دوز) مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو الحارث ہے۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ اپنے زمانے کے قراآت کے امام، قراآت پڑھانے والے، قراآت کے ماہر، روایت کرنے والے، محقق اور ضابط (قراءت کے حافظ) ہیں۔ امام ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شیبہ بن نصاح مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت کا علم حاصل کیا۔ پھر امام نافع مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت سیکھیں۔ آپ امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے قدیم و فائق شاگردوں میں سے ہیں، نیز آپ اسناد اور روایت میں امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھی اور شریک بھی ہیں۔''

اسماعیل بن جعفر، قالون جو کہ امام نافع کے راوی ہیں اور محمد بن عمر واقدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں۔

آپ نے امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے ۱۶۰ھ کے آس پاس انتقال فرمایا۔

۲......سیدنا ابن جماز رحمہ اللہ تعالیٰ (آپ نے ۱۷۰ھ کے بعد وفات پائی)

آپ ابو الربیع سلیمان بن مسلم بن جماز رحمہ اللہ تعالیٰ زہری ولاء (بنو زہرہ کے آزاد کردہ غلام) مدنی ہیں۔ آپ نے امام ابو جعفر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شیبہ بن نصاح مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں، پھر امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت پڑھی۔ آپ ابو جعفر اور نافع رحمہما اللہ تعالیٰ کی قراآت کے مطابق پڑھایا کرتے تھے۔ آپ سے مندرجہ ذیل حضرات نے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں:

اسماعیل بن جعفر، قتیبہ بن مہران رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

آپ جلیل القدر مقرئ، ضابط و ماہر اور عالی مرتبہ تھے۔ ۱۷۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۹)

نویں قاری امام یعقوب حضرمی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۱۷ھ تا ۲۰۵ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابو محمد یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبداللہ بن ابی اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ حضرمی ولاءً بصری ہیں۔

تاریخ ولادت اور تاریخ وفات:

آپ ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ ذوالحجہ ۲۰۵ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی طرح آپ کے والد ماجد اور دادا پردادا نے بھی اٹھاسی اٹھاسی برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کے شیوخ:

آپ کے بعض شیوخ کے نام درج ذیل ہیں:

۱......ابو المنذر سلام بن سلیمان مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۷۱ھ)۔

۲......شہاب بن شرنفۃ مشاجعی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۶۲ھ)۔

۳......ابو یحییٰ مہدی بن میمون رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۷۱ھ)۔

ان کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل حضرات سے بھی حروف اختلافات روایت کیے ہیں:

علی کسائی، محمد بن رزیق جو امام عاصم کے شاگرد ہیں اور امام حمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی بلاواسطہ پڑھا ہے۔ یہ بات بعید نہیں ہے کیونکہ جب امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۵۴ھ میں وفات پائی تو اس وقت امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر سینتیس (۳۷) برس تھی۔

آپ کے تلامذہ:

آپ کے بہت سے شاگردوں نے آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت نقل کی ہیں، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱......روح بن عبدالمؤمن رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۳۴ھ)۔

۲......محمد بن المتوکل رویس رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۳۸ھ)۔

۳......ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۵۵ھ)۔

۴......ابو عمر حفص الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۴۶ھ)۔

۵......ابوایوب سلیمان الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کے اوصاف وکمالات:

آپ قراءعشرہ میں سے ہیں اور اہل بصرہ کے امام کبیر اور مقرئ ہیں۔ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قرآن مجید اور اس کی قراآت کے حروف واختلافات،ان کی توجیہات وعلل و مذاہب نیز نحو کے مذاہب و مسائل میں فائق الاقران اور قرآن مجید کے اختلاف قراآت اور فقہاء کی احادیث کے روایت کرنے میں سب لوگوں سے برتر تھے۔''

علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد عام اہل بصرہ انہی کی اختیار کردہ قراءت پڑھتے تھے۔پس اب وہ سب یا ان میں سے اکثر حضرات آپ ہی کے مذہب پر ہیں۔نیز فرماتے ہیں کہ: میں نے (اپنے استاذ) طاہر بن غلبون رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بصرہ کی جامع مسجد کے امام صاحب،قراءتِ یعقوب ہی پڑھتے تھے۔''

ابن المنادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانے میں سب سے بڑے قاری تھے اور اپنے کلام میں بہت کم غلطی کرتے تھے،نیز امام سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے عالم بھی منجملہ آپ کے خدام اور تلامذہ میں سے تھے۔''

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ اور اسی طرح آپ کے والد ماجد اور جد امجد اپنے اپنے زمانہ میں قرآن مجید اور نحو وغیرہ علوم کے ماہر علماء میں سے تھے۔''

آپ کے بارے میں ابوعبداللہ احمد بن لاکائی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أبوه من القرّاء كان و جده   ويعقوب في القرات كالكوكب الدري

ترجمہ:''امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد اور دادا بھی قراء میں سے تھے اور خود یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ قراء میں چمکدار ستارہ کے مانند ہیں۔''

تفرده محض الصواب ووجهه   فمن مثله في وقته والى الحشر

ترجمہ:''اور ان کا انفراد خالص صواب اور عین درستگی ہے۔پس آپ کے زمانہ میں اور اسی طرح قیامت کے دن تک ان کا مثل ومشابہہ کون شخص ہے۔''

علامہ ابوالقاسم ہذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یعقوب کے زمانہ میں ان کا مثل کوئی شخص نہیں دیکھا گیا۔آپ عربیت اور اس کی وجوہ وعلل،قرآن مجید اور اس

کے اختلافات کے عالم، نیز بہت بڑے عالم اور متقی پرہیز گار پارسا اور خدا ترس تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کے متعلق منقول ہے کہ نماز ہی کی حالت میں کسی نے آپ کے کندھوں سے چادر چرالی اور آپ کو پتا بھی نہیں چلا، پھر نماز ہی کی حالت میں اس نے وہ چادر واپس کر دی اور اس کا بھی آپ کو کوئی شعور اور احساس نہ ہوا، اس بناء پر کہ آپ نماز میں ہمہ تن مشغول و مصروف تھے۔''

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت آپ کے دو راوی سیدنا رویس اور سیدنا روح رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں حضرات آپ کے بلاواسطہ شاگرد تھے۔

ا......سیدنا رویس رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۳۸ھ)

آپ محمد بن متوکل لؤلؤی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور رویس کے لقب سے مشہور ہیں۔

آپ مقرئ، ماہر اور ضابط و مشہور بزرگ تھے۔ آپ نے امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراآت کا علم حاصل کیا اور ان کے پاس کئی بار ختم قرآن کیا۔ آپ امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ماہر ترین اور فائق ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ نیز آپ امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگرد ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ امام یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو اخذ کرنے اور پڑھنے کے زمانے میں فرماتے تھے: ”ھات یا لاك! احسنت یا لاك! (اے ہر وقت ساتھ رہنے والے آ! اور ہر وقت چمٹنے والے تو نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ ''لاک' ایک قسم کی چپکنے والی چیز ہے جو درخت سے نکلتی ہے۔)''

آپ سے محمد بن ہارون التمار اور امام ابو عبد اللہ الزبیری الشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت نقل کی ہیں۔

آپ پڑھانے میں بہت ماہر تھے۔ چنانچہ آپ قراآت کے مبتدی طالب علم اور قراآت کے ماہرین کو پڑھانے میں فرق ملحوظ رکھتے تھے، دونوں کو ایک جیسا نہیں پڑھاتے تھے۔

۲۳۸ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

۲......سیدنا روح رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۳۴ھ یا ۲۳۵ھ)

آپ ابو الحسن روح بن عبد المؤمن الہذلی رحمہ اللہ تعالیٰ (قبیلہ ہذیل کے آزاد کردہ غلام) بصری نحوی تھے۔

آپ جلیل القدر مقرئ، ثقہ، ضابط اور مشہور و معروف ہستی ہیں۔ آپ نے امام یعقوب حضرمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے

عرضاً (خود پڑھ کر) قراءات پڑھی ہیں۔ اور آپ امام یعقوب کے بزرگ ترین تلامذہ میں سے ہیں، نیز آپ نے احمد بن موسیٰ، معاذ بن معاذ اور ان کے بیٹے عبید اللہ بن معاذ اور محبوب رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ سے محض حروف و اختلافات روایت کئے ہیں اور یہ چاروں امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔

مندرجہ ذیل حضرات نے آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراءات حاصل کی ہیں:

الطیب بن الحسن القاضی، ابوبکر الثقفی، محمد بن الحسن بن زیاد اور احمد بن یزید الحلوانی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الجامع الصحیح میں ان سے حدیث روایت کی ہے۔

آپ نے ۲۳۴ھ یا ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۰)

دسویں قاری امام خلف البزار رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۵۰ھ تا ۲۲۹ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابو محمد خلف بن ہشام بزار بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کو خلف العاشر بھی کہتے ہیں کیونکہ قراءات عشرہ متواترہ کے قاریوں کی ترتیب میں آپ دسویں قاری ہیں۔

قراء سبعہ میں سے چھٹے قاری امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک راوی کی حیثیت سے آپ کے حالات وہاں گزر چکے ہیں، اور ہم نے وہاں یہ بات بھی ذکر کی تھی کہ آپ نے اپنی اختیار کردہ قراءت میں ایک سو بیس (۱۲۰) اختلافی کلمات میں امام حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف پڑھا ہے۔

جیسا کہ یہ بات معلوم ہے کہ امام خلف العاشر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اختیار کردہ قراءت میں کوفیین کی قراءات سے کسی ایک اختلافی کلمہ میں بھی مخالفت نہیں کی ہے اور کوفیین کی قراءات سے باہر نہیں نکلے ہیں اس لئے ان کی قراءت کو مجموعی طور پر کوفیوں کی قراءت مانا گیا ہے۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے ان کی اختیار کردہ قراءت کی جستجو کی تو معلوم ہوا کہ آپ کسی حرف میں بھی کوفیین بلکہ حمزہ کسائی اور شعبہ کی قراءت سے خارج نہیں ہوئے، البتہ صرف ایک (حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ: الانبیاء: ۹۵) حرف میں ان تینوں کی مخالفت کی ہے۔

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا اسحاق اور سیدنا ادریس رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے ہیں۔

۱......سیدنا اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۸۶ھ)

آپ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن عثمان بن عبداللہ مروزی بغدادی وراق رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ (وَرّاق: ورق فروش ورق ساز، کاتب)

آپ نے امام خلف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی قراءت پڑھیں، نیز آپ کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے، اسی طرح آپ نے ولید بن مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قراءات پڑھیں۔

آپ سے پڑھنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات معروف ہیں:

آپ کے بیٹے محمد بن اسحاق، محمد بن عبداللہ بن ابی عمر النقاش، حسن بن عثمان البرصاطی، علی بن موسیٰ الثقفی اور ابن شنبوذ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ وغیرہ۔

آپ قراآت میں بہت مضبوط اور قابل اعتماد ثقہ اور ان قراآت کے ضابط و ماہر تھے۔ آپ صرف قرأت خلف پڑھتے تھے۔ آپ نے ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔

۲...... سیدنا ادریس رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۹۲ھ)

آپ ابوالحسن ادریس بن عبدالکریم بغدادی حدّاد رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

آپ نے امام خلف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی قراءت پڑھی اور اس کے علاوہ محمد بن حبیب شمونی سے بھی پڑھی ہے۔ نیز امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین رحمہما اللہ تعالیٰ اور ایک جماعت سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔

آپ سے سماعاً (شیخ سے سن کر) صرف ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراآت نقل کی ہیں اور محمد بن احمد بن شنبوذ، ابن بویان، ابن مقسم العطار، ابوبکر النقاش، المطوعی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ اور ایک بڑی جماعت نے عرضاً (خود پڑھ کر) آپ سے قراآت حاصل کی ہیں۔

آپ امام، ضابط، متقن (پختہ حافظ) اور ثقہ تھے۔ آپ کے قراآت کے پختہ حافظ اور عالی سند والے ہونے کی وجہ سے لوگ دور دراز علاقوں سے سفر کر کے آپ کے پاس قراآت سیکھنے کے لئے آتے تھے اور آپ نے لوگوں کو قراآت پڑھائیں۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وہ ثقہ بلکہ اس سے بھی ایک درجہ اوپر یعنی بہت قابل اعتماد تھے۔''

آپ نے ترانوے (۹۳) سال کی عمر میں عید الاضحیٰ کے دن ۲۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔

دوسری بحث

قراآت شاذہ کے قرّاء کرام کے حالات زندگی

(۱)

قراآت شاذہ کے پہلے قاری ابن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۲۳ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ محمد بن عبد الرحمٰن بن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ السہمی ولاء، مکی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام عمر ہے اور بعض نے عبد الرحمٰن بن محمد اور دوسرے بعض نے محمد بن عبد اللہ نام ذکر کیا ہے۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے مجاہد بن جبر، درباس مولی ابن عباس، سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کی ہیں۔

آپ کے شاگرد:

شبل بن عباد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو عمرو بن العلاء بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت اخذ کی ہیں۔ اور اسماعیل بن مسلم مکی، عیسیٰ بن عمر بصری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے آپ سے صرف اختلافات نقل کئے ہیں۔

آپ کے اوصاف و کمالات:

آپ اہل مکہ کے مقرئ، ابن کثیر اور حمید الاعرج رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہم عصر ہیں۔ آپ قابل اعتماد ثقہ اور اپنے زمانہ میں اہل مکہ کے قراء میں سے عربیت کے سب سے بڑے عالم اور عربیت میں ان سب سے مضبوط اور ماہر تھے۔ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مذہب عربیت (عربی لغت کے صرفی نحوی قواعد) پر مدار رکھتے ہوئے علامہ ابن محیصن نے قراآت کے باب میں اپنے لئے ایک مستقل قراءت کو بھی پسند واختیار کی تھی، چنانچہ اس قراءت میں آپ نے اہل مکہ کے اجماع و

اتفاق کی مخالفت کی، اس وجہ سے لوگوں نے آپ کی قراءت سے اعراض اور بے اعتنائی کی اور ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت پر اجماع کیا کیونکہ آپ بھی ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اتباع کرتے تھے۔"

روایت بیان کی جاتی ہے کہ علامہ بن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے تھے:

''ابن محیصن عربیت میں قلعے تعمیر کرتے ہیں اور بہت مضبوط کرتے ہیں۔'' ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام کے ذریعے آپ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں کہ آپ عربیت میں بہت ماہر و حاذق تھے۔

علامہ بن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں نے کتاب "المبھج" اور "الروضۃ" میں ابن محیصن کی قراءت پڑھی ہے اور میں نے ان کی قراءت کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت بھی کی ہے۔ اگر آپ کی اختیار کردہ قراءت میں مصاحف عثمانیہ کی مخالفت نہ پائی جاتی تو میں ضرور آپ کی قراءت کو قراآت مشہورہ میں شامل کر دیتا۔''

وفات:

آپ نے مکہ مکرمہ میں ایک قول کے مطابق ۱۲۳ھ میں اور دوسری قول کے مطابق ۱۲۲ھ میں دارِ آخرت کو لبیک کہا۔

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا بزی اور سیدنا ابن شنبوذ رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی اور یہ دونوں حضرات آپ کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے نہیں ہیں بلکہ آپ کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔

ا......سیدنا بزّی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ ابوالحسن احمد بن محمد بزی فارسی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلے راوی بھی ہیں۔ وہاں آپ کے حالاتِ زندگی کا بیان ہو چکا ہے۔

۲......سیدنا ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۲۸ھ)

آپ ابوالحسن محمد بن احمد بن ایوب بن صلت ابن شنبوذ بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ (علم قراآت کے حصول میں بکثرت علمی اسفار اور شہر در شہر حصولِ علم کے واسطے پھرتے رہنے کے باعث آپ ''ابن شنبوذ'' کے لقب سے مشہور ہو گئے)

آپ نے ابراہیم الحربی، احمد بن بشار الانباری، احمد بن فرح، ادریس الحداد اور حسن بن الحباب رحمہم اللہ تعالیٰ

وغیرہ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں۔

آپ سے بہت سے لوگوں نے قراآت حاصل کیں۔ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

احمد بن نصر الشذ ائی ،الحسن بن سعید المطوعی اور محمد بن احمد الشنبو ذی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

آپ قراآت کے بہت بڑے امام اور عراق میں اپنے زمانے کے شیخ الاقراء (تدریس کے بہت بڑے استاذ و ماہر شیخ) تھے۔آپ ان گنے چنے لوگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے صلاح و درستگی ،پرہیز گاری و پارسائی اور امانت و دیانت کا دامن تھامنے کے ساتھ ساتھ علم قراآت کے حصول کے واسطے شہروں کو چھان مارا۔

آپ کے اور علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان معاصرانہ چشمک پائی جاتی تھی۔یہاں تک کہ جو لوگ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھتے (اور پھر آپ کے پاس پڑھنے کے لئے آتے تو) آپ ان کو بالکل نہیں پڑھاتے تھے۔

آپ ایسی قراآت پڑھنے اور پڑھانے کے جواز کے قائل تھے جو رسمِ عثمانی کے خلاف ہوں۔چونکہ ان کا یہ مذہب اجماع کے خلاف تھا،اس لئے وزیر ابو علی ابن مقلہ کی موجودگی میں ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ کو علی الاعلان توبہ تائب کرنے کے واسطے ایک مجلس منعقد کی گئی۔اس مجلس میں علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اور علماء کرام و قاضیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی۔چنانچہ آپ نے اہل مجلس کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور اپنے اس فعل پر نادم ہوکر توبہ کرلی،اور آپ کے لئے اس معاملے کی بابت ایک دستاویز بھی لکھی گئی۔

ماہ صفر ۳۲۸ھ میں آپ نے وفات پائی اور اسی مہینے وزیر مذکور ابن مقلہ کا بھی انتقال ہوا۔

(۲)

قرآت شاذہ کے دوسرے قاری یحیی یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۲۸ھ تا ۲۰۲ھ)

نام،نسب اور شہرت:

آپ ابو محمد یحیی بن المبارک بن مغیرہ عدوی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔یزیدی کے لقب سے مشہور ہیں کیونکہ آپ عباسی خلیفہ مہدی کے ماموں یزید بن منصور حمیری کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور اس مصاحبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے بیٹے کے مؤدب ومعلم یعنی اتالیق تھے۔

تاریخ ولادت اور تاریخ وفات:

آپ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۲ھ میں وفات پائی۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے قرآت عرضاً (خود پڑھ کر) امام ابو عمرو ابن العلاء بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیں،اور آپ ہی قرآت میں امام ابو عمرو بصری کے بعد بصرہ میں آپ کے جانشین مقرر ہوئے اور آپ نے امام حمزہ اور امام خلیل بن احمد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات سے بھی قرآت اخذ کیں،نیز آپ نے عبد الملک بن جریج سے بھی سماع کیا۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے آپ کی اولاد یعنی محمد،عبداللہ،ابراہیم،اسماعیل اور اسحاق،نیز آپ کے پوتے احمد بن محمد رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ نے قرآت نقل کی ہیں۔ان کے علاوہ آپ سے قرآت نقل کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں:

ابو عمرو الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو شعیب سوسی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ دونوں امام ابو عمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے راوی ہیں۔ابو الحارث رحمہ اللہ تعالیٰ یہ امام کسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک راوی ہیں۔علاوہ ازیں امام ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے آپ سے صرف اختلافات نقل کئے ہیں۔

فضائل ومناقب:

آپ لوگوں کے مقتداء وپیشوا،نحو کے ماہر،باکمال مقریٔ،قابل اعتماد،عظیم شخصیت کے مالک اور جملہ علوم کے

جامع تھے۔ آپ نے اپنی اختیار کردہ قراَت میں صرف دس اختلافی کلمات میں امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ قابل اعتماد، جملہ علوم کے جامع، انتہائی فصیح و بلیغ، خطیب بے بدل اور لغات و آداب میں باکمال ماہر تھے۔''

امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہم نے امام ابوعمرو بصری کے دوسرے تمام شاگردوں کو چھوڑ کر صرف یحیی یزیدی کی روایت پر اس لئے اعتماد کیا کیونکہ آپ ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنے کے لئے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کام کے لئے کمر کس لی، اور اپنے آپ کو صرف اسی کام کے لئے فارغ اور مخصوص کر دیا۔ اس کام کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوئے اور آپ سب شاگردوں میں سب سے زیادہ قوی حافظہ اور عمدہ ضبط والے تھے، اگرچہ امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے شاگرد آپ کے مقابلے میں زیادہ فائق اور جلیل القدر تھے۔''

آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں کتاب النوادر، کتاب المقصود، کتاب المشکل، کتاب نوادر النحو اور نحو کے موضوع پر ایک مختصر کتاب شامل ہیں۔ آپ کا ایک بہترین منظوم کلام بھی ہے۔

آپ کے مشہور راوی:

سیدنا ابن الحکم اور سیدنا ابن فرح رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت کے ذریعے آپ کی قراءت نے شہرت پائی۔

ابن الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ آپ سے براہ راست روایت کرتے ہیں اور وہ آپ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں اور ابن فرح رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بلاواسطہ شاگردوں میں سے نہیں ہیں بلکہ دوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے قراَت نقل کرتے ہیں، اس لئے ابن فرح رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔

۱......سیدنا ابن الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۳۵ھ)

آپ ابوایوب سلیمان بن ایوب بن الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ خیاط، بغدادی ہیں۔ ''صاحب البصری'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نے یحیی یزیدی سے قراآت پڑھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ یحیی یزیدی کے بیٹے عبداللہ بن یحیی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی آپ نے پڑھا ہے۔

احمد بن حرب المعدل اور اسحاق بن مخلد الدقاق رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں نے آپ سے قراآت حاصل کی ہیں۔

آپ جلیل القدر مقریٔ (قراآت پڑھانے والے) اور ثقہ (قابل اعتماد) تھے۔ یحیی بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ ثقہ اور قول وعمل میں سچے اور کھرے تھے۔ جو کچھ ان سے سن کر لکھا گیا ان کے آپ حافظ تھے۔''

۲۳۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔

۲......سیدنا ابن فرح رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۰۳ھ)

آپ ابو جعفر احمد بن فرح بن جبریل الضریر بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔

ابو عمر حفص دوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ تمام قراآت حاصل کیں جو آپ کے پاس تھیں، نیز عبدالرحمٰن بن واقد اور بزی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی قراآت حاصل کیں۔ اس کے علاوہ آپ نے علی بن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوالربیع الزہرانی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ سے احادیث بھی نقل کی ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

احمد بن مسلم الختلی، ابوبکر بن مقسم العطار، ابن مجاہد ابن شنبوذ، الحسن المطوعی اور ابوبکر نقاش رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ۔

آپ قراآت کے باکمال مقریٔ، مفسرِ قرآن اور بہت بڑے قابل اعتماد ثقہ تھے۔ ایک عرصہ تک لوگوں کو علمی فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا۔ دور دور تک آپ کی شہرت ہوئی اور آپ کی وسعت علمی اور علو سند کی وجہ سے چار دانگ عالم میں آپ کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ ایک زمانے تک کوفہ میں مقیم رہے اور اہل کوفہ نے آپ سے خوب علمی استفادہ کیا اور جی بھر کر آپ سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ قابل اعتماد ثقہ اور مامون تھے، آپ سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔ تقریباً نوے (۹۰) سال کی عمر میں ماہ ذوالحجہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔''

(۳)

قراآت شاذہ کے تیسرے قاری حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۱ھ تا ۱۱۰ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابو سعید حسن بن یسار بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ انصار کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

آپ کی تاریخ ولادت اور وفات:

آپ ۲۱ھ میں جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے مکمل ہونے میں دو سال باقی تھے اس وقت پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

آپ کے اساتذہ کرام:

آپ نے حطان بن عبد اللہ الرقاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت زید بن ثابت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے بھی قراآت حاصل کیں۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے قراآت روایت کرنے والوں میں امام ابو عمرو ابن العلاء، امام سلام الطّویل، امام یونس بن عبید اور امام عاصم جحدری رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً شامل ہیں۔ اس کے علاوہ عیسیٰ بن عمر النحوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے حضرات نے بھی آپ سے سماع کیا۔

آپ کے اوصاف و کمالات:

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ سردار، مقتداء و پیشوا ابو سعید بصری ہیں۔ علم و عمل میں آپ اپنے زمانے کے امام تھے اور آپ کا شمار بہترین اور افضل تابعین میں ہوتا ہے۔''

آپ کے علم اور زہد کے قصے مشہور اور ضرب المثل ہیں۔ اہل حدیث کے ہاں اگر ''الحسن'' مطلق بولا جائے تو اس سے مراد آپ ہی کی ذات گرامی ہوتی ہے۔ آپ کے اوصاف و کمالات بہت عظیم ہیں اور آپ کے زہد و ورع اور خوبیوں کے قصے بھی بہت کثرت سے منقول ہیں۔ آپ عبارت میں بہت فصیح و بلیغ تھے اور لغت آپ کی خوب

درست اور ٹھیک ہوتی تھی، یہاں تک کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ یقیناً قرآن مجید حسن بصری کی لغت میں نازل ہوا ہے تو آپ کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے یقیناً ایسا ہی کہہ سکتا ہوں۔''

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت امام البلخی اور امام الدوری رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ کے براہِ راست شاگردوں میں سے نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں۔

۱......سیدنا بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲۰ھ تا ۱۹۰ھ)

آپ ابونعیم شجاع بن ابی نصر بلخی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ مقرئ، زاہد ہیں۔

آپ نے امام ابوعمرو ابن العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں اور آپ ان کے جلیل القدر اور مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ نیز آپ نے عیسیٰ الثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی سماع کیا اور اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے حدیث روایت کی ہے۔

آپ سے قراآت کو روایت کرنے والوں میں ابوعبید القاسم بن سلام، محمد بن غالب، القاسم بن علی اور ابوعمر الدوری رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ شامل ہیں۔

آپ تارک الدنیا پارسا اور بہت بڑے ثقہ قابل اعتماد تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''واہ! واہ! آپ کے کیا کہنے! اور آپ جیسے آج کل کہاں ملتے ہیں۔''

بلخ میں ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں بعمر ستر سال ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

۲......سیدنا الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ ابوعمر حفص بن عمر الدوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ ابوعمرو بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلے راوی ہیں۔ آپ کے حالات زندگی وہاں بیان ہو چکے ہیں۔

(۴)

قراآت شاذہ کے چوتھے قاری سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ تعالیٰ

(۶۱ھ تا ۱۴۸ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابو محمد سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ تعالیٰ الاسدی الکاہلی ولاء، کوفی ہیں۔ بنو اسد کے آزاد کردہ غلام تھے۔

تاریخ پیدائش ووفات:

۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ ربیع الاول ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے مندرجہ ذیل حضرات سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں:

امام ابرہیم النخعی، امام زرّ بن حبیش، امام عاصم بن ابی النجود، امام مجاہد بن جبر، امام یحییٰ بن وثاب اور امام ابو العالیہ الریاحی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے جن حضرات نے عرضاً (خود پڑھ کر) اور سماعاً (شیخ سے سن کر) قراآت حاصل کیں ان میں امام حمزہ زیات رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ قرّاء سبعہ میں سے چھٹے قاری ہیں اور ابن ابی لیلیٰ اور زائدہ بن قدامہ رحمہما اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ نیز طلحہ بن مصرف، ابراہیم تیمی اور منصور بن المعتمر رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً نے عرضاً (خود پڑھ کر) آپ سے قراآت حاصل کیں۔ اس کے علاوہ محمد بن عبداللہ جو کہ زاہر کے لقب سے مشہور ہیں اور محمد بن میمون رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بدون عرض وسماع صرف اختلاف قراآت نقل کئے ہیں۔

آپ کے اوصاف وکمالات:

آپ باکمال حافظ، پختہ کار محقق، قرآن مجید کے وسیع علم رکھنے والے، متقی و پارسا، عبادت گزار درویش اور بادشاہوں اور حکمرانوں سے دور رہنے والے تھے۔ قرآن مجید کے مضبوط و پختہ ماہر اور پکے حافظ اور اس کے الفاظ و معانی کی تحقیق وجستجو میں اپنے آپ کو کھپانے کی وجہ سے آپ کو ''المصحف'' کہا جاتا تھا۔ (موجودہ دور میں اگر آپ

زندہ ہوتے تو بجا طور پر آپ کو ''چلتا پھرتا قرآنی کمپیوٹر'' کہا جاتا۔)

ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑھ کر کسی کو کتاب اللہ کا بڑا قاری نہیں دیکھا۔''

خود امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو زینت بخشی ہے اور بے شک میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے زینت و رفعت بخشی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً آج میں اپنی گردن پر مٹکا اٹھائے کوفہ کی گلیوں میں چکر لگا رہا ہوتا۔''

آپ ظریف الطبع تھے۔ آپ کے لطائف و چٹکلے اور انوکھی باتیں بہت کثرت سے ہیں۔ آپ کا ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دن آپ طلبہ کے پاس آئے اور طلبہ سے کہنے لگا کہ اگر میرے گھر میں میرے نزدیک تم سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی ہستی نہ ہوتی تو میں تمہارے پاس آنے کے لئے گھر سے نہ نکلتا۔

آپ کے مشہور راوی:

آپ کی قراءت سیدنا شنبوذی اور سیدنا مطوعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشہور ہوئی ہے اور ان دونوں کی سند ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے آپ تک پہنچتی ہے۔

۱......سیدنا شنبوذی رحمہ اللہ تعالیٰ (۳۰۰ھ تا ۳۸۸ھ)

آپ ابوالفرج محمد بن احمد بن ابراہیم شنبوذی البغدادی شطوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

آپ کو شنبوذی کہنے کی وجہ یہ کہ مشہور قاری ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن محیصن رحمہ اللہ تعالیٰ کے راوی ہیں ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو شنبوذی کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کو ابن شنبوذ رحمہ اللہ تعالیٰ کا لڑکا سمجھا جانے لگا تھا۔

آپ نے مندرجہ ذیل حضرات سے عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کیں:

ابن مجاہد، ابوبکر النقاش، ابوالحسن بن الاخرم، ابوالحسن بن شنبوذ (آپ ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے شنبوذی کہلائے)، ابوبکر بن المقسم العطار اور ابوبکر محمد بن الحسن الانصاری رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ وغیرہ۔

آپ سے قراآت حاصل کرنے والوں میں الاہوازی، ابوالعلاء محمد بن علی الواسطی اور علی بن القاسم الخیاط رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وغیرہ شامل ہیں۔

آپ ائمہ قراآت میں سے ایک باکمال استاذ تھے۔ آپ نے علم کی خاطر اسفار کیے اور بہت سے شیوخ سے

ملاقاتیں کیں اوران سے بھرپور استفادہ کیا۔قراآت اور تفسیر کے متبحر عالم تھے،اور چاردانگ عالم میں آپ کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔آپ نے طویل عمر پائی۔نیز آپ قراآت کی توجیہات وعلل کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔چنانچہ آپ کو پچاس ہزار ایسے اشعار یاد تھے جو قرآن مجید کے شاہد تھے۔

علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آپ مقتداء وپیشوا، باوقار شریف، مشہور شخصیت، حافظ ماہر اور حاذق تھے۔“

۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ صفر ۳۸۸ھ میں وفات پائی۔

۲......سیدنا المطوعی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۷۱ھ)

آپ ابو العباس حسن بن سعید بن جعفر العبادانی العمری المطوعی البصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔آپ نے مندرجہ ذیل قراء کبار سے قراآت حاصل کیں:

ادریس بن عبد الکریم، احمد بن الحسین الحریری، یوسف بن یعقوب الواسطی، ابن شنبوذ، ابن مجاہد، محمد بن احمد الصوری جو کہ ابن ذکوان کے شاگرد ہیں اور احمد بن فرح المفسر رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہ وغیرہ۔

آپ سے علم قراآت حاصل کرنے والوں میں ابو الفضل محمد بن جعفر الخزاعی، ابو زرعہ الخطیب اور محمد بن الحسین الکارزینی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ شامل ہیں۔محمد بن الحسین الکارزینی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے سب سے آخری شاگرد ہیں، نیز الحسین بن محمد الکارزینی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے آپ سے صرف اختلافات روایت کیے ہیں۔

آپ امام عارف تھے اور آپ نے قراآت کے لئے اطرافِ عالم میں سفر کیا اور بڑے بڑے علماء سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور اس فن میں ماہر و متبحر عالم ہوئے۔آپ نے علوم کو جمع کیا اور کتابیں تصنیف کیں۔آپ ہی کتاب ”معرفة اللامات و تفسیرها“ کے مؤلف ہیں۔عرصہ دراز تک زندہ رہ کر طویل عمر پائی۔قراآت میں آپ اپنے زمانے کے سب سے عالی سند والے تھے۔آپ کے والد ماجد واعظ اور محدث تھے اور آپ کے سفر کرنے میں مدد و اعانت کا سبب وہی تھے۔آپ علوم قرآن میں لوگوں کے سردار تھے۔

۲۷۰ھ کے آس پاس آپ کی ولادت ہوئی اور سو سال سے زیادہ عرصہ زندہ رہ کر بالآخر ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

تیسری بحث

بعض قرّاء کبار کے حالات زندگی

(۱)

امام ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ (۲۴۵ھ تا ۳۲۴ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابو بکر احمد بن موسیٰ بن العباس بن مجاہد تمیمی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ فن کے استاذ و شیخ اور سب سے پہلے قراآت سبعہ کو مدون کرنے والے ہیں۔

تاریخ ولادت اور تاریخ وفات:

آپ ۲۴۵ھ کو بغداد میں سوق العطش کے علاقے میں پیدا ہوئے اور ظہر کے وقت بدھ کے دن ۲۰ شعبان ۳۲۴ھ کو وفات پائی۔ آپ کو انتقال کے اگلے دن سوق العطش میں آپ کے گھر کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے بہت سی نابغہ روزگار ہستیوں سے علم حاصل کیا۔ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......عبد الرحمٰن بن عبدوس ابو الزعراء بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے ۲۸۰ھ کے چند سال بعد انتقال فرمایا۔ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس امام نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت کے مطابق بیس مرتبہ قرآن ختم کیا، اور عرضاً (خود پڑھ کر) قراآت حاصل کرنے میں آپ کا اعتماد انہی استاذ پر رہا ہے۔

۲......ابو عمر قنبل مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۹۱ھ) یہ ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے راوی ہیں۔

۳......عبد اللہ بن کثیر المؤدب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ ابو ایوب الخیاط رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا اکثر حصہ انہی سے سیکھا اور ان کو شیخ اور صدوق کہا ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے آپ نے صرف اختلافات سماعاً (شیخ سے سن کر) نقل کیے ہیں:

۴......محمد بن یحیی الکسائی الصغیر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۸۸ھ)۔

۵......احمد بن فرح بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۰۳ھ)۔ آپ امام یزیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے راویوں میں

سے ایک ہیں۔

۶......ادریس بن عبدالکریم الحداد رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۲۹۲ھ)۔آپ خلف العاشر رحمہ اللہ تعالیٰ کے راویوں میں سے ہیں۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بہت سے کبار علماء نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ان میں سے بعض کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:

۱......احمد بن نصر شذائی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۷۰ھ)۔

۲......حسن بن سعید المطوعی العبادانی العمری البصری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۷۱ھ)۔آپ سلیمان بن مہران الاعمش کے راویوں میں سے ہیں۔

۳......حسین بن حمدون بن خالویہ النحوی الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔۳۶۰ھ کے بعد وفات پائی۔

۴......علی بن اسحاق بن یزید الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۵......علی بن سعید بن الحسن بن ذؤابہ بغدادی قزاز رحمہ اللہ تعالیٰ۔۳۴۰ھ سے پہلے کسی وقت وفات پائی۔

۶......محمد بن احمد الشنبوذی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۸۸ھ)۔آپ اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کے راویوں میں سے ہیں۔

۷......محمد بن الحسن النقاش رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۵۱ھ)۔آپ نے علامہ بن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے قرآءت حاصل کیں اور ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۸......ابوعبداللہ محمد بن الحسین الفارسی الکارزینی رحمہ اللہ تعالیٰ۔۴۴۰ھ میں آپ بقیدِ حیات تھے۔

آپ کے اوصاف وکمالات:

آپ حفظِ قرآن مجید اور حصولِ علم کی طرف بچپن ہی سے متوجہ ہوئے۔اس طرح آپ کوفہ کے اساتذہ اور ماہرین نحو کے پاس تشریف لائے اور ان سے استفادہ کیا، اور احادیث کا سماع کیا، اور ایک بڑے طبقے سے قرآءت کا علم حاصل کیا۔ان اساتذہ کرام کا تذکرہ آپ نے اپنی کتاب ''السبعۃ'' کے شروع میں کیا ہے۔اس کے بعد آپ نے پڑھانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔چنانچہ اہل اداء کا آپ کے پاس ہجوم اور ازدحام ہوگیا، اور اطرافِ عالم سے سفر کر کے طلبہ آپ کے پاس آنے لگے۔آپ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔آپ علومِ قرآءت اور حدیث میں حجت اور دلیل مانے جاتے تھے، اور آپ ثقہ اور بہت بڑے عالم تھے۔

علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانے میں اپنے تمام ہم عصر اہل فن قراآت پر فائق و برتر تھے اور ساتھ ساتھ آپ کو وسعت علمی اور فہم کی تیزی، لہجے کی درستگی اور عبادت و درویشی میں خاص امتیاز بھی حاصل تھا۔‘‘

ثعلب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’مدینۃ السلام (بغداد) میں آپ وہ آخری شخصیت ہیں جن پر سرداری کی انتہاء ہوتی ہے .... آپ یکتائے زمانہ تھے آپ کا کوئی مدّ مقابل نہیں تھا، نیز آپ فضل و کمال، علم و عرفان، دیانت و امانت اور علوم قرآن و قراآت میں مہارت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ حسن ادب اور عمدہ اخلاق والے بہت زیادہ خوش طبع و خوش مزاج، بلا کے ذہین اور کھلے ہاتھ والے سخی بھی تھے۔‘‘

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور آپ کے کاموں کی شہرت ہوئی۔ دینداری، حفظ و یادداشت اور بھلائی و خیر کے کاموں میں اپنے ہم مثلوں اور ہم عصروں پر سبقت لے گئے، اور میرے علم کے مطابق شیوخِ قراآت میں آپ کے شاگردوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ ابن الاخرم نے حکایت بیان کی ہے کہ: ایک مرتبہ وہ بغداد پہنچے تو ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقہ درس میں تقریباً تین سو (۳۰۰) مُصدر یعنی مکبر و مستملی دیکھے (جو لوگوں کو ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے املاء کراتے تھے اور آپ کی آواز کو ایک دوسرے سے سن کر مجلس میں آگے پہنچاتے تھے۔ مُصدر کا یہ مفہوم بھی منقول ہے کہ: ’’من له الصدارة في الإقراء و التعليم‘‘ یعنی بڑے بڑے اساتذہ اور شیوخ)۔ علی بن عمر المقریؑ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقہ درس میں چوراسی (۸۴) خلفاء ہوتے تھے (جو ابن مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پڑھنے سے پہلے لوگوں کی اغلاط پر گرفت کر کے تصحیح کراتے تھے)۔

تصانیف:

آپ کی گرانقدر تصانیف میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

۱...... ’’السبعة‘‘ یہ کتاب کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ تحقیق شدہ اور مطبوع ہے۔

۲...... ’’القراات الكبير‘‘۔

۳...... ’’قراءة علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه‘‘۔

۴...... ’’كتاب الياء ات‘‘۔

۵...... ’’كتاب الهاء ات‘‘۔

۶...... ’’قراءة النبي صلى الله عليه وسلم‘‘۔

(۲)

امام مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ تعالیٰ (۳۵۵ھ تا ۴۳۷ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ مکی بن ابی طالب حموش بن محمد بن مختار رحمہ اللہ تعالیٰ قیسی، مغربی، قیروانی اور بعد میں اندلسی، قرطبی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کا نسب قیس عیلان کے قبائل سے جا ملتا ہے جو اندلس فتح کرنے کے ساتھ ہی وہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔

آپ کی تاریخ ولادت اور وفات:

آپ ۳۵۵ھ میں قیروان میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ مقام پیدائش کے اعتبار سے مغربی ہیں اور جائے سکون و رہائش کے اعتبار سے اندلسی ہیں۔ ۲محرم الحرام ۴۳۷ھ کو آپ نے وفات پائی۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے مندرجہ ذیل علماء کبار سے قراآت اخذ کیں:

۱......ابو الطیب عبد المنعم بن غلبون رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۸۹ھ)۔

۲......عبد المنعم کے بیٹے طاہر بن عبد المنعم بن غلبون رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۹۹ھ)۔

۳......ابو عدی عبد العزیز بن علی بن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۸۱ھ)۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے بھی سماع کا شرف حاصل کیا:

۴......ابو بکر محمد بن علی الاذفوی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۸۸ھ)۔

۵......احمد بن فراس مکی عبقسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۰۵ھ)۔

۶......ابو القاسم عبید اللہ سقطی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۷......ابو محمد ابن ابی زید قیروانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کے شاگرد:

آپ کے شاگرد بہت کثرت سے ہیں۔ ان میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱......یحییٰ بن ابراہیم بن البیاز رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۹۶ھ)۔

۲......موسیٰ بن سلیمان اللخمی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۹۴ھ)۔

۳......ابوبکر محمد بن المفرج البطلیوسی الربویلہ رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۹۴ھ)۔

۴......محمد بن احمد بن مطرف الکنانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۵۴ھ)۔

۵......عبداللہ بن سہل الانصاری الاندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۸۰ھ)۔

آپ کے اوصاف ومناقب:

آپ قراآت کے امام، علوم وفنون کے علامہ اور خاص طور پر عربیت اور قرآنی علوم کے بحر بیکران سمندر، بہترین فہم واخلاق کے مالک، زبردست متدین اور صاحبِ عقل و دانش، علوم القرآن کے موضوع پر لاتعداد کتابوں کے مصنف، بہت ہی اچھے اور نیک، تجوید کے ماہر اور قراآت کے معانی کا علم رکھنے والے صاحب فن تھے۔ اور تقریبا ربع صدی آپ نے تحصیلِ علم کے واسطے اور علماء کرام سے ملاقات کی غرض سے سفر کیا اور شہروں کو چھان مارا۔

آپ نے صرف تیرہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے واسطے مصر کا سفر کیا اور مختلف مؤدبین اور معلمین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور قرآن مجید کی تکمیل کے بعد قیروان لوٹ آئے۔ پھر ۳۷۶ھ میں علومِ قراآت کی تحصیل کے واسطے دوبارہ مصر کی طرف رختِ سفر باندھا، اور اپنے اس سفر کے دوران فریضہ حج بھی ادا کیا۔ پھر ۳۸۷ھ میں دوبارہ حج کیا اور تین سال تک حرم مکہ میں مقیم رہے اور علماء مکہ معظمہ سے علوم وفنون حاصل کیے۔ ۳۹۳ھ میں اندلس میں داخل ہوئے اور جامع قرطبہ میں پڑھانے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ چنانچہ آپ کے نام کی شہرت ہوئی۔ ابو الحزم جہور نے جامع قرطبہ کی خطابت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی تھی۔ آپ بہت نفع رساں، کامل دیندار اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، اور رصلاح و درستگی میں مشہور تھے نیز بلند ہمت و عالی حوصلہ شخصیت کے مالک تھے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد اسی (۸۰) سے کچھ اوپر ہے۔ ان میں سے بعض مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱...... التبصرة فی القراءات السبع، ڈاکٹر محمد غوث الندوی کی تحقیق کے ساتھ ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

۲...... الکشف عن وجوه القراءات السبع وعللها وحججها، ڈاکٹر محی الدین رمضان کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۳...... مشکل اعراب القران، ڈاکٹر حاتم صالح الضامن کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۴...... الرعایة فی التجوید، ڈاکٹر احمد حسن فرحات کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

۵...... الابانة عن معانی القراءات، ڈاکٹر محی الدین رمضان اور ڈاکٹر عبد الفتاح الشلبی کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

اور ان کے علاوہ آپ دوسری مشہور کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔

(۴)

امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ (۳۷۱ھ تا ۴۴۴ھ)

نام،نسب اور شہرت:

آپ ابوعمرو عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید بن عمر الدانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔آپ یا آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی بنو امیہ کے آزاد کردہ غلام تھے اس لئے ولاءً اُموی کہلائے،قرطبہ کے رہنے والے تھے اس لئے قرطبی کہلائے اور مسلکاً مالکی تھے۔اور اپنے زمانے میں ''ابن الصیرفی'' کی کنیت سے مشہور تھے کیونکہ آپ کے والد ماجد کرنسی کا کاروبار کرتے تھے اور کرنسی قرطبہ منتقل کرتے تھے۔''الدانی'' کی نسبت آپ کی پہچان بن گئی کیونکہ آپ مقام ''دانیۃ'' میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسی مقام کو اپنا وطن بنایا تھا یہاں تک کہ آپ کا اسی ''دانیۃ'' ہی میں انتقال ہوا۔''دانیۃ'' اندلس یعنی ہسپانیہ میں ایک بہت بڑے شہر کا نام ہے،یہ شہر بلنسیہ کے مضافات میں سے ہے جو کہ بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔

آپ کی تاریخ پیدائش اور وفات:

آپ ۳۷۱ھ میں قرطبہ شہر میں پیدا ہوئے جو کہ خلافتِ اُمویہ کا دارالحکومت اور اندلس کا بہت اہم شہر تھا۔قرطبہ علم اور علماء کا شہر تھا،اسی شہر میں آپ پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔آپ نے مقام ''دانیۃ'' میں پیر کے دن ۱۵ شوال ۴۴۴ھ میں وفات پائی اور اسی دن عصر کے بعد آپ کو دفن کیا گیا۔دانیہ کے حاکم آپ کے جنازے کے آگے آگے چلتے رہے اور آپ کے جنازے کے ساتھ چلنے والے لوگوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے چودہ سال کی عمر میں علم حاصل کرنا شروع کیا اور شیخ محمد بن عبد اللہ ابن ابی زمنین الالبیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق قائم کیا اور بہت سے شیوخِ کرام سے علمِ قراآت حاصل کیا۔ان میں سے بعض اعلام کے نام یہ ہیں:

۱......ابو القاسم خلف بن ابراہیم بن خاقان مصری خاقانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۴۰۲ھ)۔آپ نے اپنی کتاب ''التیسیر'' اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں قراءتِ ورش کے بیان کرنے میں انہی پر اعتماد کیا ہے۔

۲......ابو القاسم عبد العزیز بن جعفر بن خواستی فارسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات:۴۱۲ھ)۔

۳......ابوالفتح فارس بن احمد بن موسیٰ حمصی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۰۱ھ)۔

۴......ابوالحسن طاہر بن غلبون حلبی مقیم مصر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۳۹۹ھ)۔

۵......عبید اللہ بن سلمہ بن حزم یحصبی اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۵۰ھ)۔آپ نے ہی علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اکثر قرآن سکھایا۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بہت سے نابغہ روزگار شخصیات نے استفادہ کیا۔ان میں سے بعض کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱......ابو داؤد سلیمان بن نجاح اموی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۹۶ھ)۔آپ علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں۔

۲......احمد بن عثمان بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۷۱ھ)۔یہ آپ کے بیٹے تھے۔

۳......محمد بن یحییٰ بن مزاحم انصاری، خزرجی، طلیطلی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۰۲ھ)۔

۴......ابوالحسین یحییٰ بن ابراہیم البیاز المرسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۹۶ھ)۔

۵......ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ بن فرج تجیبی، مغامی، طلیطلی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۴۸۵ھ)۔

آپ کے اوصاف وکمالات:

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ امام، علامہ، حافظ، استاذ الاساتذہ اور مقرئین کے شیخ المشائخ تھے۔''

آپ نے علماء کبار کے ایک گروہ سے قراآت کا علم حاصل کیں اور احادیث کا سماع کیا۔آپ علم حدیث، اسماء الرجال اور قراآت میں علم وعمل کے لحاظ سے بہت آگے نکل گئے اور اس میدان میں ممتاز مقام پایا۔نیز فقہ، تفسیر اور دوسرے تمام علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔

ابن بشکوال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ علومِ قرآن کے اماموں میں سے تھے۔آپ علم القرآن کی روایات، اس کی تفسیر اور معانی وطرق اور نحوی تراکیب میں امام تھے۔ان موضوعات پر آپ نے بہترین کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کی ایک لمبی فہرست ہے......... آپ بہت خوشخط اور بہترین ضبط وحفظ والے تھے۔آپ مضبوط حافظے والے نہایت ذہین اور گوناگوں اوصاف کے حامل ہرفن مولا تھے، نیز آپ نہایت دیندار، فاضل، نیک پارسا اور سنی العقیدہ مسلمان تھے، اور آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔''

علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے ۳۸۶ھ میں علم حاصل کرنا شروع کیا اور ۳۹۷ھ میں مشرق کی طرف کوچ کیا، اور اسی سال شوال کے مہینے میں مصر میں داخل ہوا۔ پھر پورا ایک سال وہاں مقیم رہا، اور میں نے مناسکِ حج ادا کیے۔ ذوالقعدۃ ۳۹۹ھ میں اندلس میں داخل ہوا۔ اس کے بعد ۴۰۳ھ میں الثغر کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ چنانچہ میں سرقسطہ میں سات سال مقیم رہا۔ پھر میں دوبارہ قرطبہ لوٹ آیا۔ علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ۴۱۷ھ میں ''دانیۃ'' آیا۔''

چنانچہ علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دانیہ کو اپنا وطن بنایا یہاں تک کہ آپ نے وہیں وفات پائی۔

نیز آپ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے جو بھی دیکھا اسے لکھا اور جو کچھ لکھا اسے یاد کرلیا اور جس چیز کو میں نے یاد کرلیا اسے کبھی نہیں بھلایا۔''

آپ سے جب کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا جو آثار اور سلف صالحین کے کلام سے تعلق رکھتا ہو تو وہ اپنے اساتذہ کرام سے لے کر اس کلام کے قائل تک کی سند بیان کرنے کے بعد اس کلام کو ذکر کرتے تھے۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو شخص آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرے تو اسے اس عظیم شخصیت کی قدر و منزلت اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازشوں کا علم ہوگا۔ فسبحان الفتاح العلیم!'' (پس پاک ہے وہ ذات جو فتاح و علیم ہے)

تصانیف:

علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سے زیادہ بہت ہی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کتابوں میں سے اکثر ناپید ہیں، اور ان میں سے صرف انتیس (۲۹) کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱...... ''جامع البیان'' قرآت سبعہ کے موضوع پر ہے، اور مطبوع ہے۔

۲...... ''التیسیر'' یہ بھی قرآت سبعہ کے موضوع پر ہے اور چھپ چکی ہے۔

۳...... ''الاقتصاد'' یہ قرآت سبعہ کے موضوع پر منظوم کتاب ہے۔

۴...... ''إیجاز البیان'' فی قرأت ورش۔

۵...... ''التلخیص'' فی قرأت ورش۔

۶...... ''المقنع'' فی رسم المصحف مطبوع و دستیاب ہے۔

۷...... ''المحکم'' فی النقط مطبوع و دستیاب ہے۔

۸...... ''المحتوی'' فی القراات الشاذۃ.

۹...... ”الأرجوزة المنبهة“ فی أصول القراات و الدیانات مطبوع ودستیاب ہے۔

۱۰...... ”طبقات القرّاء“.

۱۱...... ”المکتفی“ فی الوقف و الابتداء ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

۱۲...... ”شرح قصیدة الخاقانی“ جامعہ ام القریٰ میں اس پر تحقیقی کام کیا گیا ہے مگر اب تک چھپ کر منظر عام پر نہیں آئی ہے۔

۱۳...... ”التحدید فی الاتقان و التجوید“ مطبوع ودستیاب ہے۔

۱۴...... ”الفرق بین الضاد و الظاء“ مطبوع ہے۔

۱۵...... ”کتاب الادغام الکبیر“ محقق ومطبوع ہے۔

۱۶...... ”البیان فی عدّ آی القرآن“ اس پر بھی تحقیقی کام کیا گیا ہے اور چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ علامہ دانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اور بھی مفید اور گرانقدر تصانیف موجود ہیں۔

(۴)

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (۵۳۸ھ تا ۵۹۰ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابو القاسم، القاسم بن فیرُّہ بن خلف بن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شاطبی، رُعینی، اندلسی، ضریر ہیں۔ آپ پیدائشی نابینا تھے اس لئے ضریر کہلائے۔

آپ کی تاریخ پیدائش و وفات:

آپ ۵۳۸ھ کے اواخر میں اندلس کے قصبات میں سے ایک قصبہ شاطبہ میں پیدا ہوئے، اور ۲۸ جمادی الثانیہ ۵۹۰ھ کو قاہرہ مصر میں وفات پائی اور مقام "قرافہ" میں مقبرہ قاضی فاضل عبد الرحیم البیسانی میں مدفون ہوئے۔ "قرافہ" مصر اور قاہرہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے بہت سی نابغہ روزگار ہستیوں سے اکتسابِ فیض کیا اور ان سے قراآت کا علم حاصل کیا اور احادیث روایت کیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

۱......عبد اللہ محمد بن علی ابی العاص نفزی شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن اللایہ کی کنیت سے مشہور ہیں، ۵۵۰ھ کے چند سال بعد انتقال فرمایا۔ آپ نے انہی کے پاس شاطبہ میں رہ کر قراآت میں مہارت و کمال حاصل کیا۔

۲......ابو الحسن علی بن محمد بن علی بن ہذیل بلنسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۶۴ھ)۔

۳......ابو طاہر السلفی الاسکندری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۷۶ھ)۔

۴......ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن سعادہ اشبیلی تلمسانی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۰۰ھ)۔

۵......ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن خلف بن النعمۃ انصاری بلنسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۵۶۷ھ)۔ آپ علمِ تفسیر میں "ریّ الظمان فی تفسیر القران" کے مصنف بھی ہیں۔

آپ کے شاگرد:

آپ سے بہت سے لوگوں نے قراآت اور روایات حاصل کیں۔ ان میں سے بعض مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱......ابو موسیٰ عیسیٰ بن یوسف المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲......ابو القاسم عبد الرحمٰن بن سعد الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۳......ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الصمد السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۴۳ھ)۔آپ علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور مایہ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔

۴......ابو عبد اللہ محمد بن عمر القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۳۱ھ)۔

۵......الکمال علی بن شجاع الضریر رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۶۱ھ)۔آپ علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے داماد بھی تھے۔

۶......ابو عمرو عثمان بن عمر بن الحاجب رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۶۴۶ھ)۔آپ نے علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بعض قراآت پڑھیں اور آپ سے قصیدہ (شاطبیۃ) اور تیسیر کا سماع کیا۔

آپ کے فضائل ومناقب:

آپ امام الوقت اور علامہ تھے، اطرافِ عالم کے مشہور اور جلیل القدر علماء کرام میں سے ایک تھے۔آپ نے ''شاطبہ'' میں قراآت کا علم حاصل کیا اور وہاں اس فن میں مہارت تامہ حاصل کی اور کمال پیدا کیا۔پھر ''شاطبہ'' کے قریب ایک اور جگہ ''بلنسیہ'' تشریف لے گئے، چنانچہ وہاں جا کر ابن ہذیل رحمہ اللہ تعالیٰ سے احادیث کا سماع کیا اور قراآت کا علم حاصل کیا۔پھر حج کے لئے تشریف لے گئے اور علامہ ابو طاہر السلفی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ شیوخ سے اسکندریہ میں سماع کیا۔جب آپ مصر تشریف لائے تو وہاں قاضی فاضل نے آپ کا بے حد اکرام کیا اور آپ کی بہت قدر و منزلت کی، اور آپ کو قاہرہ کے اندرونی حصے درب الملوخیہ میں قائم اپنے مدرسہ ''المدرسۃ الفاضلیۃ'' میں فروکش کیا اور آپ کو اس مدرسہ کا شیخ مقرر کیا۔علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا قصیدہ اللامیۃ (شاطبیہ) اور الرائیۃ (عقیلۃ الاتراب القصائد) دونوں اسی زمانے میں تصنیف فرمائیں، اور وہاں آپ پڑھانے کے لئے تشریف فرما ہوئے چنانچہ دنیا کے کوشے کوشے سے طلبہ آپ کے پاس تحصیل علم کے واسطے آنے لگے۔جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس فتح کیا تو آپ نے بیت المقدس کا قصد کیا اور ۵۸۹ھ میں اس کی زیارت سے شرف یاب ہوئے پھر واپس تشریف لائے اور مدرسۃ فاضلیہ میں پڑھانے لگے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''آپ بہت بڑے امام و پیشوا تھے، ذہانت و فطانت میں اعجوبہ روزگار تھے، بہت سے فنون کے ماہر اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔علوم قراآت میں آپ انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے، احادیث کے حافظ، علومِ عربیت میں کامل بصیرت والے، لغت کے امام اور علمِ ادب کے سردار

تھے۔ان تمام کمالات کے ساتھ ساتھ آپ تارک الدنیا زاہد، ولی کامل، عبادت کا خاص ذوق رکھنے والے، دنیا اور اس کی رنگینیوں سے الگ تھلگ رہنے والے اور سنت کا ہمیشہ اہتمام رکھنے والے بندے تھے۔"

آپ مادرزاد نابینا تھے مگر اس کے باوجود آپ سے نابیناؤں والی حرکات صادر نہیں ہوتی تھیں۔آپ بلاضرورت بات چیت بالکل نہیں فرماتے تھے۔آپ اپنے ہم نشینوں کو علم اور قرآن کے علاوہ کسی اور چیز میں غور وفکر کرنے سے منع فرماتے تھے۔آپ المدرسۃ الفاضلیۃ میں فجر کی نماز صبح سویرے اندھیرے میں پڑھتے تھے، پھر پڑھانے کے لئے بیٹھ جاتے تھے، چنانچہ تلامذہ رات کے اندھیرے میں چل کر آتے تھے اور استفادہ کرنے والے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور آپ کی عادت یہ تھی کہ درس کے لئے بیٹھنے کے وقت صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفاء فرماتے تھے: "من جاء أولا فليقرأ" یعنی جو پہلے آیا ہے وہ پڑھنا شروع کرے، پھر الاسبق فالاسبق ترتیب وار سبق پڑھتے جاتے تھے.......................

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جو شخص آپ کی منظوم کتابوں (اللامیہ اور الرائیہ یعنی شاطبیہ اور عقیلہ) کا مطالعہ کرے گا تو اسے اندازہ ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فن میں آپ کو کیا کچھ مقام عطا فرمایا ہے۔خاص طور پر اللامیہ یعنی شاطبیہ تو اس حوالے سے شاہکار تصنیف ہے۔اس جیسی کتاب تصنیف کرنے سے بعد میں آنے والے اُدباء و بلغاء وفصحاء سب عاجز آگئے، کیونکہ اس کتاب کی قدر ومنزلت اور شرف کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جو اس طرز پر کوئی کتاب نظم کرے یا اس قصیدہ اور اس کے طرز پر لکھی ہوئی کسی منظوم کتاب کا آپس میں موازنہ کرے۔میرے علم کے مطابق اس فن میں اس قصیدہ اللامیہ یعنی شاطبیہ کو جو شہرت اور قبولیت عامہ تامہ حاصل ہوئی ہے وہ کسی اور کتاب کو نصیب نہ ہوسکی بلکہ میں اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس فنِ قراءت کے علاوہ بھی کسی اور فن میں کسی کتاب کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی جو اس قصیدے کے حصے میں آئی ہے۔اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ اسلامی شہروں میں سے کوئی بھی شہر ایسا نہیں ہوگا جس میں یہ کتاب موجود نہ ہو بلکہ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ کسی بھی طالب علم کا گھر اس قصیدے کے نسخہ سے خالی نہیں ہوگا، اور لوگ اس قصیدے کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے اور اس قصیدے کے صحیح اور اغلاط سے پاک نسخے حاصل کرنے کی کوشش میں اس قدر رغبت اور شوق دکھانے لگے یہاں تک کہ میرے اپنے پاس اللامیہ اور الرائیہ (شاطبیہ اور عقیلہ) کا ایک مجلد نسخہ تھا جو علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد الحجیج رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، چنانچہ اس نسخہ کے بدلے مجھے اس کے وزن کے برابر تول کر چاندی دینے کی پیشکش کی گئی مگر میں نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا بلکہ اس پیشکش کو ٹھکرا دیا.................... تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصانیف میں اور آپ کے شاگردوں میں برکت رکھی ہے۔ہمارے علم کے مطابق جس نے بھی آپ سے علم حاصل کیا وہ نیک بخت اور کامیاب ہوگیا۔"

قدیم اور جدید دور کے علماء آپ کے قصیدہ الامیہ (شاطبیہ) کی شرح لکھنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے گئے ہیں، اور جن حضرات نے اس قصیدے کی شرح لکھنے میں اپنی مساعی جمیلہ صرف کیں اور پوری تندہی کے ساتھ یہ کام سرانجام دیا ان میں آپ کے شاگرد رشید امام سخاوی اور امام ابو شامہ المقدسی اور امام جعبری رحمہم اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام جعبری رحمہ اللہ تعالی کی شرح تمام شروحات میں سب سے زیادہ عامض و دقیق اور سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ مفید شرح ہے۔ علماء متاخرین اور معاصرین میں سے جن حضرات نے اس کی شرح لکھی ہے ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء گرامی زیادہ مشہور ہیں:

☆ ...... امام علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ تعالی (ملا علی القاری) (وفات: ۱۰۱۴ھ)۔

☆ ...... علامہ الشیخ محمد علی الضباع رحمہ اللہ تعالی (وفات: ۱۳۸۰ھ)۔

☆ ...... الشیخ عبد الفتاح القاضی رحمہ اللہ تعالی (وفات: ۱۴۰۳ھ) ۔ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے نقل کیا ہے کہ: ''امام شاطبی رحمہ اللہ تعالی جب شاطبیہ کی تصنیف سے فارغ ہوئے اور اس کو نظم کر دیا تو اس قصیدہ کو لے کر بہت دفعہ (بعض کا کہنا ہے کہ بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ دفعہ) کعبہ مشرفہ کے گرد طواف کیا اور طواف کرتے ہوئے جب بھی قبولیت دعا کے مقامات پر پہنچتے تو یہ دعا فرماتے: ''اللّٰھم فاطر السموت والارض عالم الغیب والشهادة رب هذا البیت العظیم انفع بها کل من قرأها'' یعنی اے میرے پروردگار! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کے جاننے والے! اے اس عظیم گھر کے مالک! جو بھی اس قصیدہ کو پڑھے اس کو اس قصیدہ سے فائدہ پہنچایئے!۔''

(۵)

امام ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۵۱ھ تا ۸۳۳ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف عمری دمشقی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ابن الجزری کے عرف سے مشہور ہیں۔جزری جزیرہ عبدالعزیز بن عمر برقعیدی کی طرف نسبت ہے جو موصل کے قریب دریائے دجلہ میں واقع ہے۔

تاریخ پیدائش و وفات:

ہفتہ کی رات ۲۵ رمضان المبارک ۷۵۱ھ کو دمشق کے مشہور محلہ قصاعین میں بین السورین (اندرونی حصہ) میں علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ہوئی، اور شہر شیراز میں ماہ ربیع الاول ۸۳۳ھ کو آپ نے وفات پائی۔

آپ کے شیوخ:

آپ نے دمشق، مصر اور حجاز میں مختلف اساتذہ وشیوخ سے احادیث کا سماع کیا نیز قراآت کا علم حاصل کی اور قرآن کریم حفظ کیا۔ان میں سے بعض نامی گرامی اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱......ابومحمد عبدالوہاب بن یوسف بن السلار رحمہ اللہ تعالیٰ (۶۹۸ھ تا ۷۸۲ھ)۔آپ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے استاذ ہیں جن سے آپ نے استفادہ کیا اور بچپن ہی سے ان سے خصوصی تعلق قائم کیا۔

۲......احمد بن ابراہیم بن الطحان منجی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۰۲ھ تا ۷۸۲ھ)۔

۳......احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۷۵ھ)۔

۴......ابراہیم بن عبداللہ الحموی المؤدب رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۷۳ھ)۔علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے تجوید سیکھی، آپ تجوید کی باریکیوں اور موشگافیوں کے زبردست عالم تھے۔

۵......ابوالمعالی ابن اللبان محمد بن احمد الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۱۵ھ تا ۷۷۶ھ)۔

۶......ابوعبداللہ محمد بن صالح المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۷۸۵ھ)۔آپ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے امام وخطیب تھے۔

۷...... ابوبکر عبد اللہ بن ایدغدی بن عبد اللہ الشمسی رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن الجندی کے عرف سے مشہور ہیں (۶۹۹ھ تا ۷۶۹ھ)۔

۸......ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الصائغ الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۰۴ھ تا ۷۷۶ھ)۔

۹......ابومحمد عبدالرحمٰن بن احمد بن علی بغدادی، واسطی، مصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۰۲ھ تا ۷۸۱ھ)۔

۱۰......ضیاء الدین سعد اللہ قزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کے شاگرد:

آپ مصر، شام وغیرہ جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے وہاں طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے قراآت حاصل کیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور ہستیوں کے نام یہ ہیں:

۱......ابوبکر احمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۸۰ھ تا ۸۵۹ھ)۔

۲......ابوالفتح محمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۷۷ھ تا ۸۱۴ھ)۔

۳......ابوالخیر محمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ (پیدائش ۷۸۹ھ)۔ یہ تینوں آپ کے بیٹے ہیں۔

۴......محمود بن الحسین بن سلیمان شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۵......الخطیب مومن بن علی الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۶......عبدالقادر بن طلۃ الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۷...... جمال الدین محمد بن محمد الہروی رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ ابن افتخار کے عرف سے مشہور ہیں۔

آپ کے اوصاف وکمالات:

آپ امام، علامہ، حافظ، مقریٔ اور حجت ہیں۔ علم قراآت کے محقق اور اپنے زمانے میں علومِ قراآت کی تحریک کے عَلَم بردار اور قائد تھے۔ بچپن ہی سے آپ نے علوم سیکھنا شروع کیے۔ حصول علم اور درس وتدریس کے واسطے شہروں کو چھان مارا۔ آپ علوم اسلامیہ اور قراآت حاصل کرنے کے لئے شام، قاہرہ اور اسکندریہ کے درمیان گھومتے تھے۔ چنانچہ آپ نے دمشق میں حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور قاہرہ میں بلاغت اور اصولِ فقہ کے علوم پڑھے اور اسکندریہ میں ابن عبدالسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کے پاس تشریف لائے اور اسی زمانے میں کئی سارے علماء کرام کی طرف سے آپ کو افتاء کی اجازت دی گئی۔ ان اجازت دینے والوں میں مشہور زمانہ تفسیر ''تفسیر ابن کثیر'' کے مصنف حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں۔ آپ ایک مدتِ زمانہ تک دمشق وغیرہ میں پڑھانے کے واسطے آگے بڑھے اور صدر نشین ہوئے ۷۹۳ھ کو دمشق ہی میں قاضی مقرر ہوئے، چنانچہ آپ وہاں سے روم چلے گئے اور وہاں اہلِ روم نے آپ سے خوب استفادہ کیا۔

فتنہ تیموریہ کے بعد جو کہ ۸۰۵ھ کو پیش آیا تھا علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت تیمورلنگ کے ساتھ بلادِ عجم

کی طرف منتقل ہوئے، عرصۂ دراز تک شیراز میں آپ عہدہ قضاء پر متمکن رہے۔ اہل شیراز نے آپ سے بہت استفادہ کیا۔ پھر تیمور لنگ نے آپ کو شہر ''کش'' کی طرف روانہ کردیا۔ پھر وہاں سے سمرقند بھیجا۔ چنانچہ آپ نے وہاں درس دیا اور سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالی سے ملاقات کی۔

۸۰۷ھ میں تیمور لنگ کی وفات کے بعد آپ نے کئی سارے شہروں کے چکر لگائے اور آخر کار شیراز میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ نے پڑھانے کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور عرصۂ دراز تک اس مدرسہ میں پڑھاتے رہے، نیز شیراز کے عہدۂ قضاء کو قبول کرنے کے لئے آپ کو مجبور کیا گیا۔ ۸۲۳ھ میں آپ شیراز، بصرہ اور مدینہ منورہ کے درمیان گھومتے پھرتے رہے اور شیراز آپ کی سیر و سیاحت کا آخری جولان گاہ ثابت ہوا کیونکہ شیراز ہی میں آپ کا انتقال ہوا، اور شیراز میں آپ نے جو مدرسہ تعمیر کیا تھا اسی مدرسہ کے احاطے میں آپ مدفون ہوئے۔

تصانیف:

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کی تعداد تقریباً اسی (۸۰) کے قریب ہے۔ آپ کی تصانیف کی طرف علماء کرام متوجہ ہوئے اور ان کو مختلف شہروں میں منتقل کیا۔ آپ کی اکثر کتابیں علم القراآت کے موضوع پر ہیں۔ ان میں سے بعض منظوم ہیں اور بعض شروح ہیں۔ بعض مختصر ہیں اور بعض تحقیقی کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ تراجم، طبقات، حدیث، سیرت، تاریخ اور مواعظ پر بھی آپ کی مستقل تصانیف موجود ہیں:

آپ کی گرانقدر اور مایہ ناز تصانیف درج ذیل ہیں:

۱...... النشر فی القراءات العشر۔ دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۲...... تقریب النشر۔ ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

۳...... تحبیر التیسیر۔ ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

۴...... طیبة النشر فی القراءات العشر۔ ہزار اشعار پر مشتمل قصیدہ ہے۔ مطبوع ہے اور عام طور پر مل جاتا ہے۔

۵...... الدرة المضیئة فی القراءات الثلاث۔ منظوم کتاب ہے۔ اس کے دوسو اکتالیس (۲۴۱) اشعار ہیں۔ یہ بھی مطبوع ہے اور عام طور پر مل جاتی ہے۔

۶ ...... منجد المقرئین۔ یہ کتاب قراآت کی اقسام، اور قراآت کے تواتر کے بیان اور طبقات القراء پر مشتمل ہے۔ بہت ہی اہم کتاب ہے۔ مطبوع ہے اور بہت سے علماء کرام نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے۔

۷...... المقدمة فیما علی القارئ أن یعلمه۔ علم تجوید کے موضوع پر یہ آپ کا سب سے مشہور قصیدہ ہے۔ مطبوع ہے اور عمومی دستیاب ہے۔ اس کی بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالی کی

شرح اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح زیادہ مشہور ہیں۔

۸...... غاية النهاية فی طبقات القرآء طبقات القرّاء کے موضوع پر سب سے ضخیم کتاب ہے۔ دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۹...... التمهيد فی علم التجويد۔ ڈاکٹر علی البواب اور ڈاکٹر غانم قدوری الحمد کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ یہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

۱۰...... الاهتداء فی معرفة الوقف و الابتداء۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مفید کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔

(۶)

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸۵۱ھ تا ۹۲۳ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ حافظ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی المصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ راجح قول کے مطابق ''قسطلانی''، ''قسطلیۃ'' کی طرف منسوب ہے جو کہ افریقہ کا ایک علاقہ ہے۔

آپ کی تاریخ پیدائش و وفات:

آپ ۱۲ ذوالقعدۃ ۸۵۱ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا نیز قراآت میں شاطبیہ اور طیبہ حفظ کیں اور علم نحو میں ''الوردیۃ'' حفظ کی، اور اس کے علاوہ علوم اسلامیہ میں دوسرے متون بھی زبانی یاد کیے۔ آپ نے ان بہت سے شیوخ بھی ملاقات کی جو الجامع الازہر کے کشادہ صحن میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ پر زندگی کے آخری ایام میں فالج کا حملہ ہوا اور شب جمعہ ۸ محرم الحرام ۹۲۳ھ کو وفات پائی۔ لوگوں نے آپ کے جنازے کو عقیدت سے کندھا دیا اور نماز جمعہ کے بعد الجامع الازہر میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی نیز نماز کے بعد جامع ازہر کے قریب قاضی القضاۃ بدر الدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے گنبد کے احاطے میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کے شیوخ:

قراآتِ سبعہ آپ نے السراج عمر بن قاسم الانصاری الشاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں اور قراآتِ ثلاثہ الزین عبد الغنی الہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں اور قراآت عشرہ الشہاب بن اسد رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیں، نیز ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی اخذِ قراآت کیں۔ اپنے اساتذہ کرام کی ایک جماعت سے مختلف علوم وفنون بھی حاصل کیے۔ کئی مرتبہ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، چنانچہ مکہ مکرمہ میں بھی اساتذہ کی ایک جماعت سے علم حاصل کی۔

آپ کے اوصاف و کمالات:

آپ نے عملی زندگی کا آغاز وعظ و نصیحت اور تقاریر سے کیا۔ وعظ کہنے میں آپ بے مثل و بے نظیر تھے۔ آپ سند بیان کرنے والے محدث تھے۔ آپ کے علوم حدیث میں وسعت علمی کی عادل شاہد دلیل آپ کی تصنیف صحیح بخاری

کی شرح ''ارشاد الساری'' ہے۔ یہ شرح آپ کی گرانقدر تصانیف میں سے ہے۔آپ نے ارشاد الساری کا اختصار بھی کیا ہے اور اس کا نام ''الاسعاد فی مختصر الارشاد'' رکھا لیکن اس کی تکمیل نہ کرسکے،اور کتاب الحج کے درمیان تک صحیح مسلم کی شرح بھی لکھی ہے۔قراآت کے موضوع پر آپ کی مفید ترین اور عظیم الشان تصنیف ''لطائف الاشارات فی علوم القراات'' ہے۔علامہ العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

آپ فاضل،متصلب فی الدین اور انتہائی پاک دامن تھے۔''

علامہ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آپ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین چہرے والے، دراز قد و قامت کے مالک اور خوبصورت و باوقار بڑھاپے والے تھے۔آپ چودہ روایات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔آپ جب دل سوزی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو لوگوں کو رُلاتے تھے۔جب آپ محراب میں کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو لوگ خشوع و بکاء کی وجہ سے گر پڑتے تھے۔''

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے تھے اور حق بات کی طرف جھکنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔جو کوئی آپ پر بھول کر یا غلطی سے رد کرتا تو آپ کے دل میں اس کی قدر اور بڑھ جاتی تھی،کیونکہ آپ کا یہ اعتقاد اور یقین تھا کہ:''من ظن أنه أصبح عالما فقد جهل'' یعنی جو کوئی اپنے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ عالم بن گیا تو یقیناً وہ جاہل ہے۔

یہ بات آپ کی تواضع اور بلند اخلاق کریمانہ کی روشن دلیل ہے۔اپنے ہم عمر لوگوں کے ساتھ انکساری اور تواضع کا معاملہ کرنے کا آپ کا ایک قصہ مشہور ہے جو آپ کے کمال تواضع کی دلیل بھی ہے۔قصہ یہ ہے کہ: جب آپ کے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان علمی تنافس اور مناقشہ و مباحثہ دونوں بزرگوں کے درمیان بغض اور تنفر کی حدود کو چھونے لگا تو آپ نے پہل کر کے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل کو صاف کرنا چاہا۔چنانچہ آپ قاہرہ سے روضہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دروازے تک پیدل چلے اور دروازے پر پہنچ کر دروازہ بجایا تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ تو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میں قسطلانی ہوں، میں ننگے پاؤں ننگے سر آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کا دل میری طرف سے صاف ہو جائے اور آپ کے دل میں میرے لیے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔تو جواب میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہا: میرا دل آپ کے بارے میں بالکل صاف ہو گیا۔یہ کہا مگر آپ کے لئے دروازہ کھولا اور نہ ہی آپ سے ملاقات کی۔

تصانیف:

آپ نے حدیث اور روایت حدیث کے موضوع پر اور اسی طرح قراآت اور توجیہ القراآت کے موضوع پر

بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔اس کے علاوہ اخلاق اور سلوک وتصوف کے موضوع پر بھی مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔آپ کی تصانیف میں سے بعض اہم تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱...... ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری. دس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۲...... منهاج الابتهاج لشرح مسلم بن الحجاج. یہ آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے(اور ابھی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے)۔

۳......لطائف الاشارات لفنون القراات.اس کی پہلی جلد چھپ چکی ہے۔

۴...... المواهب اللدنية فی المنح المحمدية مطبوع ہے۔

۵...... اللآلی السنية شرح المقدمة الجزرية مطبوع ہے۔

۶......فتح الدانی فی شرح حرز الامانی .شاطبیہ کی شرح ہے۔

(۷)

امام البنا الدمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۱۱۷ھ)

نام، نسب اور شہرت:

آپ شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ''البنا'' کے عرف سے مشہور ہیں۔ وطن کے اعتبار سے دمیاطی اور مسلک کے اعتبار سے شافعی ہیں۔

آپ کی تاریخ پیدائش و وفات:

آپ دمیاط میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید سیکھی اور اس کے علاوہ مشائخ دمیاط ہی کے زیرِ سایہ علوم کے مبادی کو سیکھے اور علمِ قراآت میں کمال و مہارت پیدا کی۔ آپ کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ نے تین مرتبہ حجاز مقدس کا سفر کیا اور مناسکِ حج کو ادا کیے۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے، اور آخر کار مدینہ منورہ میں ماہ محرم الحرام ۱۱۱۷ھ کو آپ نے وفات پائی۔

آپ کے شیوخ:

آپ حصولِ علم کے واسطے قاہرہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے اور وہاں کے علماء کے ساتھ خصوصی تعلق قائم کیا، اور علماء قاہرہ سے قراآت، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، سِیَر اور تمام علوم شرعیہ و ادبیہ حاصل کیے۔ پھر حجازِ مقدس کی طرف رختِ سفر باندھا اور وہاں کے علماء کرام سے اکتسابِ فیض کیا۔ پھر آپ یمن کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں کے علماء کرام سے بھی اسی طرح بھرپور استفادہ کیا اور علوم حاصل کیے۔ اس طرح آپ نے اپنے زمانے کے بہت سے علماء کرام سے مختلف علوم وفنون حاصل کیے۔ آپ کے مشہور اساتذہ کرام میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱......الشیخ سلطان بن احمد بن سلامہ المزاحی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۰۷۵ھ)۔ آپ قاہرہ میں شیخ الاقراء تھے۔

۲......الشیخ علی بن علی الشبر املسی رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۰۸۷ھ)۔ الاتحاف میں علامہ الدمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول ''شیخنا'' سے یہی استاذ مراد ہیں۔

۳......الشیخ علی بن محمد بن عبد الرحمٰن نور الدین الاجہوری رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات: ۱۰۶۶ھ)۔

۴......الشیخ برہان الدین الکردی الکورانی المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۵......الشیخ احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن عجیل ابو الوفاء الیمنی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۰۷۴ھ)۔

آپ کے فضائل ومناقب:

آپ امام القرّاء تھے، قراآتِ متواترہ وشاذہ اور ان کی توجیہہ وعلل کے ماہر عالم تھے۔ تفسیر اور حدیث کے جید عالم تھے نیز فقہ اور دوسرے تمام علوم کے بہت بڑے عالم وفاضل تھے۔ آپ کی تصانیف وتالیفات آپ کی وسعت علمی اور بلند مرتبے کی واضح دلیل ہیں۔ آپ علوم وفنون سیکھنے میں مشغول ہوگئے اور اس میں باریک بینی اور تحقیق کے اس بلند مقام اور آخری انتہاء تک پہنچے کہ جس مقام کو آپ کے اقران وامثال میں سے کوئی بھی نہ پا سکا۔ یہاں تک کہ شیخ ابو النصر المنز لی رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دینے لگے کہ ابن قاسم العبادی کے مقابلے میں علامہ دمیاطی زیادہ باریک بین اور تیز فہم کے مالک ہیں۔

جب آپ یمن سے واپس لوٹے تو اسلامی سرحدات کے ایک گاؤں ''عزبة البرج '' میں مقیم ہوگئے جو کہ بحیرہ میت کے قریب واقع ہے۔ وہاں آپ نے دعوت وارشاد اور وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا اور اصلاح کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے شاگرد بہت کثرت سے ہوگئے یہاں تک کہ آپ کے شاگرد ایسے ائمہ وپیشواء بنے جن کی اقتداء وپیروی کی جاتی تھی۔ آپ کے انہی مایہ ناز شاگردوں میں سے الاستاذ الکبیر ابو النور دمیاطی بھی شامل ہیں۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف میں سے بعض مشہور تصانیف یہ ہیں:

۱...... اتحاف فضلاء البشر بالقراآت الاربع عشر. اس کتاب کا نام آپ نے ''منتھی الامانی والمسرّات فی علوم القراآت '' رکھا۔ یہ مطبوع ہے۔

۲...... حاشیة علی شرح الجلال المحلی علی الورقات فی اصول الفقه مطبوع ہے۔

۳...... مختصر السیرة الحلبیة.

۴...... الذخائر والمهمات فیما یجب الایمان به من المسموعات.

خاتمہ

اللہ جل جلالہ کی توفیق اور مدد سے کتاب ''صفحات فی علوم القراآت'' نے تکمیل کے مراحل طے کر لیے، اور اس کتاب کے لے صفحات کو جمع کرنے اور ان کو ترتیب دینے اور ان کو منقح اور مہذب کرنے سے بفضل اللہ تعالیٰ و کرمہ میں فارغ ہوگیا ہوں۔ میں نے اس صفحات میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ اختصار سے کام لوں اور بلا ضرورت کتاب کو طول دینے سے اجتناب کروں، البتہ جہاں کہیں ضرورت محسوس کی وہاں بقدر ضرورت تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اس کتاب کے اختتام پر میں وہی بات کہتا ہوں جو علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے:

وقد وفق اللّٰه الكريم بمنه　　　لإكمالها الحسناء ميمونة الجلا

(بے شک کرامت اور بزرگی والے اللہ نے اپنے انعام کے سبب مجھے اس کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس حال میں کہ یہ خوبصورت ہے برکت دیا ہوا ظہور کا ہے، [یعنی اس کے معنی کا ظہور نہایت مبارک ہے پس اس کے مضامین جس جگہ بھی بیان کئے جاتے ہیں وہ طرح طرح کی برکتوں سے مالا مال ہو جاتی ہے]۔)

وتمت بحمد اللّٰه في الخلق سهلة　　　منزهة عن منطق الهجر مقولا

(اور بناوٹ میں آسان ہو کر زبان کے لحاظ سے بیہودہ گفتگو سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ یہ مکمل ہوگیا۔)

وليس لها إلا ذنوب وليها　　　فيا طيب الأنفاس أحسن تأولا

(سوائے اس کے مصنف کی گناہوں کے اس کے لئے اور کوئی عیب نہیں ہے۔ پس اے پاک خوشبوؤں والے تو تاویل کے اعتبار سے اچھا ہو۔!)

وقل رحم الرحمٰن حيا و ميتا　　　فتى كان للإنصاف و الحلم معقلا

(اور تو کہہ دے! اے رحمٰن! تو اس نوجوان پر اس کے زندہ اور مردہ ہونے کی حالت میں یعنی دنیا و آخرت میں رحم فرما، جو انصاف اور بردباری کے لئے قلعہ ہو۔)

عسى اللّٰه يدني سعيه بجوازه　　　وإن كان زيفا غير خاف مزللا

(امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو اس کے جائز قرار دینے کے ذریعے قریب کردے اگر چہ وہ واضح کھوٹی اور ناقص ہے۔)

اور میں اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتا ہوں کہ اس کوشش کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ عالی میں شرفِ قبولیت سے نوازیں اور

اس کو طالب علم کے واسطے فائدہ مند بنائیں اور اس کو قبولیت عامہ تامہ بخش دیں اور اس کے نفع وخیر کو عام فرمائیں اور اس کو میرے میزانِ عمل میں حسنات کی زیادتی کا ذریعہ بنائیں، اور اس کو میرے لئے اور میرے والدین کے لئے اور میرے مشائخ واساتذہ کرام کے لئے اور ہر اس شخص کے لیے جو اس کتاب سے استفادہ کرے اس دن کے لئے اجر اور ثواب کا ذریعہ بنائیں جس دن نہ مال کوئی فائدہ پہنچائے گا نہ بیٹے کام آئیں گے، لیکن فائدہ پانے والا وہی ہوگا جو اللہ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے گا۔

یارب قد أولیتنی جمیلا　　　قصدتَ بی المنهاج و السبیلا

(اے میرے پروردگار! بے شک آپ نے مجھے اچھے کاموں کی توفیق دی اور آپ نے مجھے واضح اور سیدھے راستے صراط مستقیم پر گامزن کرنا چاہا۔)

وهبتنی الإیمان والإسلاما　　　علمتنی القران والأحکاما

(آپ نے مجھے ایمان اور اسلام کی دولت بخشی اور مجھے قرآن اور احکامِ اسلامی کی تعلیم دی۔)

جنبتنی البدع والأهواءَ　　　سلکت بی المحجة البیضاءَ

(آپ نے مجھے بدعات اور خواہشاتِ نفسانی کی گمراہیوں سے محفوظ رکھا اور مجھے روشن محبت یعنی سلوک وتصوف کے راستے پر چلایا۔)

عرفتنی طریق أهل السنة　　　فلك فی الکل علیّ المنة

(آپ نے مجھے اہل سنت والجماعت کے طور طریق سے واقف کیا، پس تمام لوگوں میں آپ کا مجھ پر فضل و احسان ہے۔)

والحمد و الشکر لما أولیتنی　　　من صنعك الجمیل ما أبقیتنی

(آپ نے اپنی بہترین نعمتوں اور احسانات سے مجھے جو نوازا ہے اس پر آپ کا شکر ہے اور آپ کے لئے حمد وثنا ہے جب تک آپ مجھے زندہ رکھیں۔)

وکل ضرٍّ فأمطه عنی　　　واسمع دعائی وأجبه منی

(اے اللہ! آپ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت کو مجھ سے دور فرما اور میری دعا و پکار سن لے اور میری دعا قبول فرما!۔)

فما سواك یا کریم یرجی　　　ولا لنا إلا إلیك ملجا

(پس اے کریم ذات! آپ کے سوا ہماری امیدوں کا کوئی مرکز نہیں ہے، اور ہمارے لئے آپ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔)

إيّاك ندعو و إليك نرغب　　　ومنك نسأل ومنك نطلب

(ہم آپ ہی کو پکارتے ہیں، آپ ہی سے دعائیں مانگتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف شوق و رغبت رکھتے ہیں اور آپ ہی سے سوال کرتے ہیں اور آپ ہی سے ہم اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔)

أنت الإله الواحد الفرد الأحد　　　والمَلِك المعبود و الرب الصمد

(آپ ایک ہی اکیلے یکتا اللہ ہیں، اور آپ ہی حقیقی بادشاہ عبادت کے لائق اور بے نیاز پروردگار ہیں۔)

وصلى اللّٰه تعالىٰ وسلم على سيدنا وقدوتنا محمد بن عبد اللّٰه خاتم الأنبياء و المرسلين وعلى اله وصحابته أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

شب بدھ مؤرخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ کو مکہ مکرمہ میں اس کتاب کے مسودے کی تکمیل سے فراغت ہوئی۔

مصنف علام

حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ القراآت وعلومها بجامعة أم القرىٰ مكة المكرمة.

الحمد للہ! آج مؤرخہ ۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ شب منگل صفحات فی علوم القراات کا ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے لطف و کرم اور فضل و احسان سے اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہِ قدسی میں قبول و منظور فرمائیں اور اس ترجمہ کے کام کو قبولیت عامہ تامہ سے سرفراز فرمائیں اور اس کے پڑھنے والوں پر دنیا و آخرت میں اپنی رحمتوں اور بھلائیوں کی موسلا دھار بارش نازل فرمائیں اور اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کتاب کے مصنف کو اور مترجم کو اور ان کے والدین، اساتذہ کرام و مشائخ عظام، دوست احباب اور جملہ مؤمنین اور مؤمنات کو دینا و آخرت کی بھلائیوں سے نوازیں اور ان سب کی کامل مغفرت فرمائیں۔ آمین ثم آمین...!

وصلى اللّٰه تعالىٰ وسلم على خير خلقه سيدنا مولانا و شفيعنا محمد خاتم الأنبياء والمرسلين وعلى اله وأصحابه وأهل بيته أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. اللّٰهم صلّ على محمد عبدك ورسولك وصلّ على المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات.

مترجم

مبارک شاہ

چترال، موڑکھو، سہت، ساکن حال کراچی

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

Cell No: 03333908949